بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲

یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں ہے
(یہ) ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کیلئے

کتاب مستطاب

جلد سوم

فیضان الرحمن

فی تفسیر القرآن

از افادات عالیہ

مفسر قرآن حجۃ الاسلام حضرت العلام مجتہد العصر والزمان مدظلہ العالی

آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین النجفی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

نام کتاب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ فیضان الرحمٰن

جلد ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ جلد سوم

مصنف ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی دام ظلہٗ

کمپوزنگ ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ فضل عباس سیال (الحمد گرافکس لاہور)

ڈیزائننگ وسیٹنگ ـــــــــــــــــــــــــ قلب علی سیال فون: 0301-7229417

سال اشاعت ـــــــــــــــــــــــــــــ 2013ء

ناشر ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

ہدیہ ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ

ملنے کا پتہ

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور

فون نمبرز۔ 042-37314311,0321-4481214

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

قارئین کرام!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ !مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔عہدِ حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر وتالیفات کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔ادارہ ھذا کی یہ شہرت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی تائیدواعانت کا ثمرہ ہے۔

مہربان، رحیم وکریم خالق نے ''انسان'' کو اپنی تمام مخلوقات میں عزت وشرف کے تاج سے مزیّن فرما کر فلکِ نیلگوں کے زیرِ سایہ نعماتِ انواع واقسام سے سرشار، فکری ونظری نشانیوں سے مرصع ایسے قطعۂ ارض پر متمکن فرمایا۔جہاں ہر روز آفتابِ عالم ظلمات اللّیل کو فاش کرتے ہوئے نجوم وقمر کے تسلط کو دامنِ فلک میں گوشہ نشین کر دیتا ہے اور اپنے فیوضاتِ پُروقار سے ہر ذی روح کے اندر زندگی کی ہلچل کو تیز تر کر دیتا ہے۔

نظامِ شمس وقمر کی ان ضیاؤں سے ہر ذی روح اپنی اپنی استطاعتِ بصارت وبصیرت کے مطابق فیض یاب ہوتا ہے۔نباتات اپنی صغیر کلیوں اور حسین پھولوں کے ذریعے شبنم وقمر کی مٹھاس سے لطف اندوز ہوتے ہیں چرندوپرند سورج کی کرنوں سے سینۂ ارض پر غذائی نعمات پا کر مسرور ہوتے ہیں۔درندے تاریکیوں کو جال سمجھ کر اور روشنیوں کو غنیمت جان کر دھرتی پہ جلوہ فگن حُسنِ زندگی کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔سورج کی تمازت خیز کرنیں ہوں یا چاند کی دلنشیں شعاعیں، صاحبانِ بصیرت کیلئے تاریکیوں سے نکل کر اُجالوں سے مستفیض ہونے کی نوید ہیں۔

لہٰذا وہ پاکیزہ نفوس کے حامل اہل بصیرت جو روشنیوں کے منتظر ہوتے ہیں، وہ خوابِ غفلت میں مدہوش گہری نیند نہیں سوتے بلکہ جونہی ظلمات اللیل اٹھتے ہیں، وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں۔مگر وہ مریض نفوس جنہیں قدرت کی ایسی عظیم نعمتوں سے فیضیاب ہونا ہی نہیں آتا وہ سورج کے اس نورِ بے کراں کے سامنے بےفیض ہو کر اپنے مستقبل سے بے خبر، مایوسیوں کے شکنجے میں مقفس، پردے کی اوٹ میں چادر اُوڑھ

کر معمول کی گہری نیند سو جاتے ہیں۔

''انسان'' جسم و روح سے مرکب، عقل سلیم کے زیور سے آراستہ اپنے اندر صفاتِ جمیلہ و صفات رذیلہ ہر ایک کے ارتقاء کی قوت رکھتا ہے۔ رذائل کا ارتقاء حیوانات سے بھی بدتر درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ جبکہ صفات جمیلہ کے ارتقاء سے انسان ملائکہ سے بھی افضل قرار پاتا ہے۔ مایوس اور مریض نفوس کی شفایابی کیلئے، صفاتِ رذیلہ کے خاتمے اور صفاتِ جمیلہ کے ارتقاء کیلئے ہمیشہ حکیمِ روحانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ روحانی تسکین اور معرفتِ الٰہی سے فیض یاب ہونے کیلئے قرآنی آیات پر غور وفکر کرنا، ان کے رموز وحقائق کو سمجھنا اور قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی گزارنا، آخرت کی کامیابی وکامرانی کا باعث ہے۔

بلاشبہ دنیا کا ہر شخص دوسری زبانوں کے علاوہ اپنے ملک اور اپنی قومی زبان، بلکہ اپنے علاقے کی زبان سے زیادہ مانوس ہوتا ہے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر پاکستان میں علاقائی ذوقِ زبان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اور عقائد کی اصلاح اور ان کی پختگی اور اعمال کی اہمیت اور ان کی درستگی کیلئے 10 جلدوں پر مشتمل زیرِ نظر تفسیری مجموعہ ''**فیضان الرحمٰن**'' قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تفسیری مجموعہ آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہٗ العالی کی عظیم مساعی جمیلہ اور شب و روز کی محنت کا ثمرِ نایاب ہے۔ خداوند عالم اُن کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے اور انہیں طاقت وصحت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔

اراکین مصباح القرآن ٹرسٹ قبلہ موصوف کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُنہوں نے ادارہ ھذا کو یہ تفسیری مجموعہ پرنٹ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مزید برآں آپ ہماری تمام کتب بشمول تفسیر فیضان الرحمٰن ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی ویب سائٹ www.misbahulqurantrust.com کے ذریعے گھر بیٹھے پڑھ سکتے ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم وتحقیق حسبِ سابق ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے اور اس گوہرِ نایاب سے بھرپور علمی وعملی استفادہ فرمائیں گے۔ اور ادارہ کو اپنی قیمتی تجاویز و آراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست مضامین جلد سوم

سُوۡرَةُ الۡأَعۡرَافِ ---------- ۲۴۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

آیات القرآن

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ
مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِينَ ﴿٨٣﴾
وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا
رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِينَ ﴿٨٤﴾ فَأَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوا جَنّٰتٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ
كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيٰتِنَا أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبٰتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا
يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو (ہمارے) پیغمبر پر اتارا گیا ہے تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک رہی ہوتی ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے وہ کہتے ہیں پروردگار ہم ایمان لائے سو تو ہم کو (صداقت اسلام کی) گواہی دینے والوں میں درج فرما۔ (۸۳) اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس حق پر جو ہمیں پہنچا ہے ایمان نہ لائیں حالانکہ ہم خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمیں (اپنے) نیک بندوں میں شامل کرے۔ (۸۴) اللہ نے ان کو ان کے اس قول کے صلہ میں ایسے بہشت عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ نیکو کاروں کا معاوضہ ہے (۸۵) اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو وہی دوزخ والے ہیں۔ (۸۶) اے

ایمان والو! (اپنے اوپر) حرام نہ کرو۔ ان پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور (حد سے) تجاوز نہ کرو بے شک اللہ (حد سے) تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ (۸۷) اور اللہ نے تمہیں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ اور اسی اللہ سے ڈرو (اس کی نافرمانی سے بچو) جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ (۸۸)

تفسیر الآیات

وَاِذَا سَمِعُوْا ۹۶...الآیۃ۔

اس آیت کے مصداق کی تعیین

جن لوگوں کی اس آیت میں تعریف کی جا رہی ہے کہ قرآن سنکر عرفان حق کی وجہ سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک رہی ہوتی ہیں ان سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا تذکرہ پارہ چھ کی آخری آیت میں ہوا ہے یعنی قوم نصاریٰ کے وہ مخصوص لوگ جو جب تک عیسائی تھے تو جناب عیسیٰ علیہ السلام کے دین اور اس کی مقدس تعلیمات پر کاربند تھے اور جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت اور ان پر نازل شدہ کتاب ہدایت کی صداقت دیکھی تو "اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ" (سورہ مائدہ......آیت ۸۳) کہتے ہوئے ایمان لائے جیسے جناب سلمان فارسیؓ اور نجاشی بادشاہ حبشہ اور اس کے نمائندہ وفد کے معزز ارکان۔ جو ستر آدمی تھے جو سب کے سب قوم نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء و مشائخ تھے جو باسٹھ حبشہ سے اور آٹھ شام سے تعلق رکھتے تھے" جن میں بحیراء راہب بھی تھا جس کا پس منظر بڑے اختصار کے ساتھ کچھ یوں ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے ہجرت مدینہ سے پہلے کفار قریش کے مظالم سے تنگ آ کر مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا کیونکہ بادشاہ حبشہ کے بارے یہ شہرت تھی کہ نہ وہ خود کسی پر ظلم کرتا ہے۔ اور نہ کسی کو کسی پر ظلم کرنے دیتا ہے۔

چنانچہ مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ جناب جعفر ابن ابی طالب (طیارؓ) کی سرکردگی میں وہاں بھیجا جو عورتوں کے علاوہ بیاسی مردوں پر مشتمل تھا۔ اور وہاں پہنچ کر جناب جعفر طیارؓ نے نجاشی کے دربار میں جو امراء و اعیان اور عوام سے چھلک رہا تھا اسلام اور اس کی مقدس تعلیمات کی حقانیت اور بانی اسلام کی سیرت و کردار کے حوالہ سے ان کی صداقت پر جو مختصر مگر موثر تقریر کی اس نے ان لوگوں کے دلوں میں اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی محبت و عظمت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اس لئے بڑے احترام کے ساتھ مسلمانوں کی میزبانی کا شرف

حاصل کیا ان کے ساتھ شریفانہ سلوک کیا اور کفار قریش کا جو وفد قیمتی تحائف لے کر بادشاہ حبشہ کے پاس اس غرض سے گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دے۔ بادشاہ حبشہ نے وفد کے تحائف واپس کر دیئے اور اس طرح وہ وفد بے نیل مرام واپس گیا الغرض! جب کچھ عرصہ کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ ہجرت فرمائی اور آرام و اطمینان کے ساتھ مدینہ قیام پذیر ہوئے اور مہاجرین حبشہ کو اس بات کی اطلاع ملی تو انہوں نے مدینہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس وقت بادشاہ حبشہ نے حقیقت حال کی مزید تحقیق و جستجو کرنیکی غرض سے ایک نمائندہ وفد مسلمانوں کے ہمراہ مدینہ بھیجا۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب یہ وفد حضرت رسولؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ تو آنحضرتؐ نے اسے سورہ یٰسین پڑھ کر سنائی وہ یہ کلام معجز نظام سنتے بھی جاتے اور روتے بھی جاتے۔ اور ساتھ ساتھ کہتے بھی جاتے کہ یہ کلام اس کلام کے ساتھ کس قدر مشابہ ہے جو جناب عیسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔ اور یہ سب مسلمان ہو گئے اور جب یہ وفد واپس حبشہ پہنچا اور والئی حبشہ کو سب روئیداد سنائی تو اس نے بھی اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ انہی لوگوں کے بارے میں خداوند عالم نے یہ آیتیں نازل فرمائیں (مجمع البیان وقرطبی وغیرہ تفاسیر فریقین)۔

۹۷۔ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا ...الآیۃ۔

اس آیت میں خداوند عالم نے ان لوگوں کو صرف زبانی قول کے صلہ میں بہشت عطا فرمانے کا تذکرہ کیا ہے حالانکہ جب تک قول کے ساتھ عمل نہ ہو تب تک اس کی کوئی خاص قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کا صرف زبانی ہی قول ہی نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ دل و دماغ کی یکرنگی اور ہم آہنگی بھی شامل تھی اور اس کے ساتھ ساتھ خلوص نیت کا جذبہ بھی کارفرما تھا جس کا قطعی ثبوت ان کا گریہ و بکاء ہے۔ اور جب دل ہو زبان کا رفیق تو اسی کا نام معرفت ہے اور جب قول کے ساتھ معرفت و اخلاص ہو تو یہی وہ ایمان ہے جس پر خدا اجر و ثواب کا وعدہ کرتا ہے (مجمع البیان)

۹۸۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ...۸۷الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول

اس آیت کی شان نزول عام مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ ایک بار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت اور اس کے شدائد اور اس کے احوال و اھوال کا تذکرہ کچھ اس انداز میں کیا کہ مسلمان دھاڑیں مار کر زار و قطار رونے لگے۔ بعد ازاں صحابہ جناب عثمان بن مظعونؓ کے گھر جمع ہوئے اور باہم عہد کیا کہ وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھیں گے،

اور رات عبادت خدا میں بسر کریں گے اور بستروں میں نہیں سوئیں گے گوشت گھی وغیرہ مرغن غذائیں نہیں کھائیں گے اور عورتوں کے نزدیک نہیں جائیں گے۔ اور خوشبو نہیں لگائیں گے، اونی لباس زیب تن کریں گے اور دنیا کے علائق سے تعلق قطع کر لیں گے۔ اور زمین میں گھومیں پھریں گے۔ الغرض جب مسلمانوں میں عیسائیوں کی رہبانیت والا رجحان پایا جانے لگا اور انہوں نے حلال لذائذ دنیا کو اپنے اوپر حرام کرنا چاہا۔ اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی۔ تو آپ نے ان لوگوں کی سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ تمہارے نفسوں کا بھی تم پر حق ہے۔ اس لئے روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ رات کو عبادت کیلئے جاگا بھی کرو اور سویا بھی کرو۔ مجھے دیکھو کہ میں جاگتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ گوشت اور گھی بھی کھاتا ہوں اور اپنی بیویوں سے مباشرت بھی کرتا ہوں یہ میری سنت ہے اور جو شخص میری سنت سے روگردانی کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے میں تمہیں قسیس اور راہب بننے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ چیزیں میرے دین اسلام میں نہیں ہیں۔ (مجمع البیان و کشاف زمخشری وغیرہ)۔

الغرض دین اسلام اعتدال و میانہ روی کا دین ہے اس میں یہودیوں کی طرح نہ بالکل لذائذ دنیا میں کھو جانے کی گنجائش ہے۔ اور نہ ہی راہبوں کی طرح حلال لذائذ کو اپنے اوپر حرام کرنے کی اجازت ہے اور یہی چیز اسلام کا طغرائے امتیاز ہے۔

صوفیا کی چلہ کشی اسلام ہے

مگر اس کے باوجود صوفیوں کی چلہ کشیاں اور ترک حیوانات جیسی ریاضتیں اور عبادتیں اسی رہبانیت والے رجحان کی عکاسی کرتی ہیں۔

کسی چیز کو حرام کرنے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے کے کئی طریقہ کار ہو سکتے ہیں مثلاً

۱۔ جس چیز کو اسلام حلال قرار دیتا ہے اس کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھا جائے۔ یہ قریب قریب کفر ہے۔

۲۔ قسم وغیرہ کھا کر کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دیا جائے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی قسم کھانا گناہ ہے اور اس کا کفارہ ادا کر کے اس کا توڑنا واجب ہے۔

۳۔ حلال کو حرام سمجھنے کا نہ عقیدہ ہو اور نہ ہی زبان سے اس کا اظہار کیا جائے مگر مقام عمل میں

اس کے استعمال سے دائمی پرہیز کیا جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ کام کارثواب سمجھ کر کیا جائے تو یہ صاف رہبانیت ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور اگر کسی جسمانی یا روحانی بیماری یا اور کسی معقول وجہ سے ایسا کیا جائے تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تاہم کبھی کبھار اس کا استعمال ضرور کرنا چاہیے تاکہ حدود الٰہی سے تجاوز لازم نہ آئے۔ ''اِنَّ اللهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ'' کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (سورہ بقرہ ......آیت ۱۹۰)

مخفی نہ رہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کا لذائذ سے کنارہ کشی کرنا اور بالکل سادہ زندگی گزارنا اسی آخری قسم میں داخل ہے آپ چاہتے تھے کہ اسلامی عدل وایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے باوجود عالم اسلام کے تمام سفید وسیاہ کا اقتدار واختیار رکھتے ہوئے بھی رعایا کے ایک غریب ترین شخص کی طرح زندگی گزاریں۔

۹۹۔ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ ۸۸...الآیۃ۔

دنیوی لذائذ سے تمتع حاصل کرنے کے سلسلہ میں اسلام کا جو مزاج ہے ابھی اوپر اس کی مکمل وضاحت کر دی گئی ہے یہاں اکل سے یہی مختلف خوردنی نوشیدنی اور پوشیدنی وغیرہ اشیاء سے تمتع حاصل کرنا مراد ہے۔ ''خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا'' (سورہ بقرہ......آیت ۲۹) جب اللہ نے ہر چیز انسان بالخصوص اہل ایمان کیلئے پیدا کی ہے تو اس سے فائدہ نہ اٹھانا کہاں کی دانشمندی ہے؟ ارشاد قدرت ہے:

''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ'' کہو۔ اللہ کی زینت اور پاک و پاکیزہ رزق کو کس نے حرام کیا ہے؟ (سورہ اعراف......آیت۔ ۳۲)

بلکہ

''بل هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... '' یہ تو ہیں ہی اہل ایمان کے لئے۔ (سورہ اعراف آیت......۳۲)

لیکن اس کے باوجود پیروان مذاہب کی یہ ایک بڑی گمراہی رہی ہے کہ انہوں نے ترک دنیا کو تقرب الٰہی کا وسیلہ سمجھ لیا چنانچہ عیسائیوں کی رہبانیت اور صوفیوں کا ترک لذائذ اسی سلسلہ قبیحہ کی کڑیاں ہیں۔ جنہوں نے دنیا جہاں کی تمام جائز لذتیں اپنے اوپر حرام کر لیں۔ بہر حال چونکہ چھٹے پارے کے آخر میں عیسائی راہبوں کی نرم دلی اور تواضع وفروتنی کی تعریف کی گئی تھی تو ضروری تھا کہ ان کی اس عملی بے راہ روی اور تفریط کی طرف اشارہ کیا جاتا۔ تاکہ ان کی دیکھا دیکھی امت مسلمہ اس گمراہی میں گرفتار نہ ہو جائے جو کوئی خوبی کی بات نہیں ہے بلکہ راہ عمل میں حد سے تجاوز ہے۔ جس کا اسلام روادار نہیں ہے۔ کیونکہ وہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال کا علمبردار ہے۔ کما لا یخفی علی اولی الابصار۔

آیات القرآن

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ
الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا
تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ
فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْۤا
اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ
مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ
الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ تم سے تمہاری لایعنی قسموں پر مواخذہ (باز پرس) نہیں کرے گا۔ مگر جو قسمیں تم نے قصداً کھائی ہیں (اور اس طرح مضبوط کی ہیں) تو ان پر ضرور تم سے مواخذہ کریگا۔ اور (ایسی قسم توڑنے کا) کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا اوسط درجے کا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہناؤ یا پھر ایک غلام آزاد کرو اور جس کو اس کا مقدور نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو (خیال رکھو) اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے آیات و احکام کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر گزار بنو۔ (۸۹) اے ایمان والو! شراب، جوا، بت (یا آستانے، اور پانسے) سب گندے اور شیطانی کام ہیں ان سے اجتناب کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (۹۰) شیطان تو بس یہی چاہتا ہے

کہ تمہارے درمیان۔ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے بغض و عداوت ڈالے۔ اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے باز رکھے (روکے) کیا اب (ان چیزوں سے) باز آؤ گے؟ (۹۱)

تفسیر الآیات

۱۰۰۔ لَا یُؤَاخِذُکُمُ ...۸۹ الآیۃ۔

اس آیت کی تفسیر سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۵ کی ذیل میں گزر چکی ہے۔ جو بالکل اسی آیت جیسی ہے اور وہیں اس بات کی وضاحت بھی کی جا چکی ہے کہ قسم کی دو قسمیں ہیں۔ ا۔ ایک لغو جو بلا قصد و ارادہ بطور تکئیہ کلام و اللہ باللہ یالا و اللہ۔ بلی واللہ کھائی جائے۔۔ اور دوسری وہ جو با قاعدہ قصد اور ارادہ قلبی کے ساتھ کھائی جائے اور یہ کہ پہلی قسم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے یعنی نہ پابندی لازم ہے اور نہ مخالفت کرنے پر کوئی سزا اور کفارہ ہے۔ مگر دوسری قسم کی پابندی لازم ہوتی ہے اور خلاف ورزی کرنے پر سزا بھی ملتی ہے اور کفارہ بھی واجب ہوتا ہے۔ جو تین چیزوں میں سے ایک ہے۔

۱۔ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

۲۔ دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا۔

۳۔ ایک غلام یا کنیز کو آزاد کرنا جو کہ آج موجود نہیں ہیں

۴۔ اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو اس کا کفارہ تین دن کے روزے رکھنا ہے۔

جیسا کہ اس آیت میں صراحت موجود ہے۔ اور اگر کوئی روزہ بھی نہ رکھ سکے تو پھر استغفار کرے ابھی اوپر آیت نمبر ۸۷ کی تفسیر میں واضح کیا جا چکا ہے کہ کچھ لوگوں نے بعض حلال چیزوں کی اپنے اوپر حرام کرنے کی قسم کھائی تھی۔ اس لئے خدائے حکیم نے یہاں قسموں کے اقسام و احکام بیان کرتے ہوئے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر معصیت کاری کی قسم کھائی جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کو توڑے اور اس کا کفارہ ادا کرے کیونکہ اس قسم پر قائم رہنا جائز نہیں ہے۔

۱۰۱۔ وَاحۡفَظُوۡۤا اَیۡمَانَکُمۡ ...۸۹ الآیۃ۔

یہ حکم ایسا ہی ہے جیسے سورہ بقرہ میں فرمایا کہ "وَ لَا تَجۡعَلُوا اللّٰہَ عُرۡضَۃً لِّاَیۡمَانِکُمۡ" کہ خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ (سورہ بقرہ آیت ...... ۲۲۴) کہ بات بات پر اس طرح قسمیں کھاؤ کہ قسم ایک مذاق بنکر رہ جائے۔ بلکہ صحیح قسم کھاؤ۔ سوچ سمجھ کر کھاؤ۔ اور پھر اس کی پابندی کرو۔ اسے طاق نسیاں پر نہ رکھ دو۔ کہ

اسے بالکل بھول جاؤ اور اس طرح اس کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو جاؤ۔

۱۰۲۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ۹۰...الآیۃ۔

اس آیت مبارکہ میں خدائے علیم وحکیم نے چار چیزوں کو نجس وناپاک اور حرام قرار دیا ہے۔

۱۔خمر ۲۔میسر ۳۔انصاب ۴۔ازلام۔

ان میں سے پہلی دو چیزوں کی تفسیر سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۹ (یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ...) کے ذیل میں اور آخری دو چیزوں کی تفسیر اسی سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳ (وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ) کے ذیل میں تفصیلاً گزر چکی ہے وہاں اس حقیقت کی بھی کماحقہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ خمر ومیسر کی حرمت تدریجاً نازل ہوئی ہے اور یہ آیت اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔ شیخ طوسی اور شیخ طبرسی وغیرہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں صراحت کی ہے کہ یہ آیت چار لحاظ سے شراب وغیرہ محرمات کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

(۱)۔انہیں نجاست اور گندگی کہا گیا ہے جس سے اجتناب لازم ہے۔

(۲)۔اسے شیطانی کام قرار دیا گیا ہے جس سے پرہیز واجب ہے۔

(۳)۔اس سے احتراز کا کھلم کھلا حکم دیا گیا ہے۔

(۴)۔اخروی فوز وفلاح کو اس سے پرہیز کرنے سے وابستہ قرار دیا گیا ہے (تبیان ومجمع البیان)

بہرحال شراب ہو یا جواز مانہ قدیم وجدید میں ان کی بدلتی ہوئی مختلف اقسام وانواع سے حرمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا شراب کی کوئی قسم ہو اور جوا کی کوئی شکل ہو وہ سب خمر ومیسر میں داخل ہے خواہ نرد ہو، شطرنج، یا گنجفہ یا کیرم وغیرہ ہو سب حرام ہیں اسی طرح گوزمانہ قدیم میں انصاب۔ اور نصب ان مخصوص پتھروں کو کہا جاتا تھا جو خانہ کعبہ کے اردگرد نصب تھے جن پر عہد جاہلیت کے لوگ مورت پر قربانی کرتے تھے پھر اس کا خون ان پر مل دیتے تھے اور موجودہ دور میں بعید نہیں ہے کہ اس سے وہ سب مقامات مراد لئے جائیں "جن کو غیر اللہ کی نذر و نیاز چڑھانے کیلئے لوگوں نے مخصوص کر رکھا ہے خواہ کسی پتھر یا لکڑی کی مورت ہو یا نہ ہو۔ ہماری زبان میں اس کا ہم معنی لفظ استانہ یا استھان ہے جو کسی بزرگ یا دیوتا سے کسی خاص مشرکانہ اعتقاد سے وابستہ ہو"۔ (تفہیم القرآن)

۱۰۳۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ ۹۱...الآیۃ۔

اس آیت مبارکہ میں خداوند حکیم نے شراب اور جوئے کے بے شمار روحانی وعقلی مضرات ونقصانات میں سے دو خرابیوں کا تذکرہ فرمایا ہے ایک یہ کہ ان کی وجہ سے عداوات پیدا ہوتی ہے اور لڑائی جھگڑے کھڑے

ہوتے ہیں اور بعض اوقات یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ دوجگری دوست اس طرح باہم دشمن بن جاتے ہیں کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آتے ہیں۔ اور دوسری یہ ہے کہ ان کی وجہ سے آدمی یاد الٰہی اور اس کی عبادت، جس کا مظہراتم نماز ہے سے غافل وساہل ہوجاتا ہے اور ایک شرابی شراب کے نشہ میں اسی طرح چور اور ایک جواری بازی جیتنے کی دھن میں اس طرح مخمور ہوجاتا ہے کہ نماز کا وقت داخل ہوتا ہے گزر جاتا ہے مگر اسے اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ جب کسی نوعی مصلحت یا مفسدہ کے تحت کوئی قانون بن جائے تو پھر اگر کسی فرد میں وہ مصلحت یا مفسدہ نہ بھی پایا جائے جیسے شراب کی اتنی قلیل مقدار استعمال کرنا کہ جس سے مزکورہ بالا خرابیوں میں سے کوئی خرابی نہ پائی جائے تو وہاں بھی قانون نافذ العمل ہوتا ہے اور اس کی خلاف ورزی حرام ہوتی ہے چنانچہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ مااسکر کیثرہ فقلیلہ حرام مثلہ۔ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اسکی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

ایضاح۔

مخفی نہ رہے کہ جب خمر کا مفہوم ہے نشہ آور اور مدہوش کردینے والی شراب تو اگرچہ عرف عام میں کسی چیز کو شراب نہ کہا جاتا ہو جیسے بھنگ اور چرس یا موجودہ دور کی لعنت ہیروئین اگرچہ یہ چیزیں نجس نہیں ہیں۔ مگر علت منصوصہ (سکر) کی وجہ سے وہ بھی شراب کی طرح قطعی حرام ہوں گی اور ان کے استعمال سے اجتناب کرنا واجب ہوگا بلکہ بعض احادیث میں ہر مسکر (مدہوش کرنے والی چیز) کو خمر (شراب) کہا گیا ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا:

''**کل مسکر خمر و کل خمر حرام**'' ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور خمر حرام ہے (الکافی)

اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''**ان اللہ لم یحرم الخمر لا ٔمھا ولکن حرمھا لعا قبتھا فما کان عاقبتھا عاقبۃ الخمر فھو خمر**'' یعنی اللہ نے شراب کو صرف اس کے گناہ ہونے کی وجہ سے حرام قرار نہیں دیا بلکہ اس کے انجام بد کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے پس ہر وہ چیز جس کا انجام شراب والا ہو وہ شراب ہی ہے۔ (الکافی، التہذیب)

آیات القرآن

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾ لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗٓ
اَیْدِیْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰی
بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۹۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور (نافرمانی سے) بچتے رہو اور اگر تم نے روگردانی کی تو پھر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف واضح طور پر (ہمارا پیغام) پہنچا دینا ہے اور بس (۹۲) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ جو وہ (پہلے) کھا پی چکے۔ جبکہ (اب) پرہیز کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ اور پھر اس ایمان و پرہیز پر قائم و ثابت قدم بھی رہیں اور پھر تمام برے کاموں سے پرہیز کرتے رہیں اور نیکیاں کرتے رہیں اور اللہ نیک عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۹۳) اے ایمان والو! خدا تمہیں ضرور اس شکار کے ذریعہ سے آزمائے گا جسے تمہارے یہ ہاتھ اور نیزے پا جائیں (تمہاری زد میں ہو) تا کہ وہ (حسب ظاہر) یہ دیکھے کہ غائبانہ طور پر کون اس سے ڈرتا ہے؟ اور جس نے اس تبنیہ کے بعد بھی حد سے تجاوز کیا تو اس کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (۹۴)

تفسیر الآیات

۱۰۴ وَاَطِیْعُوا اللّٰہ...الآیۃ۔

ایک بار پھر خدا اور رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کا تاکیدی حکم دیا جارہا ہے اور ان کے احکام سے سرتابی اور روگردانی کرنے سے ڈرایا جارہا ہے اور یہ بھی بتایا جارہا ہے کہ اگر تم ان کے فرمان سے روگردانی کروگے تو اس سے نہ ان کی شان میں کوئی فرق آئے گا اور نہ اس کی ان سے باز پرس کی جائے گی بلکہ آخرت میں اس کی باز پرس صرف تم سے ہوگی۔ کیونکہ رسولؐ کی ذمہ داری تو صرف خدا کے احکام اور اس کا پیغام بندوں تک پہنچانا ہے جسے انہوں نے بطریق احسن انجام دیدیا۔ اب ان کی مخالفت کرنے والوں کا محاسبہ خدا کرے گا جیسا کہ اس کا اپنا ارشاد ہے۔ فانما علیك البلاغ وعلینا الحساب (سورہ رعد آیت...... ۴۰) اے رسول۔ پہنچانا تیرا کام ہے اور محاسبہ کرنا ہمارا کام ہے۔

۱۰۵ لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ۔... الآیۃ

اس آیت کی شان نزول

مفسرین اسلام نے اس آیت کی شان نزول یہ بیان کی ہے کہ جب شراب کی حرمت والی (آیات) نازل ہوئیں تو بعض صحابہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ہمارے ان بھائی بندوں کا کیا بنے گا جو شراب پیتے تھے اور اب وہ یا وفات پا چکے ہیں یا جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی مطلب یہ ہے کہ جن اہل ایمان نے حرمت شراب کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب پی ہے ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ (مجمع البیان روح المعانی، الکاشف وغیرہ)۔

علاوہ بریں اس آیت کا ایک صاف وصریح مطلب یہ بھی ہے کہ جو لوگ شریعت کی منصوص ممنوعہ چیزوں سے پرہیز کریں۔ تو پھر باقی جائز اور لذیذ چیزوں کے استعمال میں ان کیلئے کوئی مضائقہ نہیں ہے (مجمع البیان)۔

اور اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب لوگوں نے اسلام لانے سے پہلے ممنوعہ چیزیں استعمال کی ہوں۔ تو اسلام لانے کے بعد اب ان کا مواخذہ نہ ہوگا کیونکہ ''الاسلام یجب ماقبله'' اسلام پہلی چیز کو کاٹ دیتا ہے۔

افادہ

یہاں ایک بات قابل غور وفکر ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آیت میں تین بار تکرار کیوں واقع ہوئی ہے اتقوا و امنوا اتقوا وامنوا واحسنوا۔ مختلف مفسرین نے اس کی مختلف تاویلیں وتوجیہیں بیان کی ہیں۔ فخر رازی نے پانچ قول نقل کئے ہیں علامہ طبرسی نے بیان کیا ہے کہ پہلے تقویٰ سے مراد حرمت شراب کے بعد اس سے پرہیز کرنا اور دوسرے تقویٰ سے مراد اس پر مداومت کرنا اور تیسرے تقویٰ سے مراد احسان کے ساتھ ساتھ تمام گناہوں سے پرہیز کرنا ہے مطلب یہ ہوا کہ جن لوگوں نے حرمت شراب کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب پی تھی اب ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ بشرطیکہ وہ اب اس شراب سے بچیں اور برابر بچتے رہیں اور مزید براں تمام گناہوں سے بھی پرہیز کریں اور احسان یعنی بھلائی بھی کریں اور احسان کا ایک مفہوم حدیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ ''ان تعبد ربك كانك تراه و ان لم تكن تراه فانه يراك''۔ کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اور فاضل کاشانی نے تفسیر صافی میں اس تکرار کو تقویٰ وایمان کے مختلف منازل ومدارج پر محمول کیا ہے۔ اور جناب شیخ جواد مغنیہ نے تفسیر کاشف میں واللہ اعلم کہہ کر اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے۔ کہ خداوند عالم اس تکرار سے یہ بات واضح وآشکار کرنا چاہتا ہے کہ حقیقی متقی و پرہیزگار وہ ہے جو تمام حالات وکوائف میں یعنی پوشیدہ اور علانیہ طور پر اور عمر کے ہر حصہ میں جوانی، ادھیڑ عمری اور بڑھاپے میں غرضیکہ زندگی کے تمام احوال واطوار اور ہر قسم کے نشیب وفراز میں ایمان وتقویٰ کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑے بلکہ اسے مضبوطی سے تھامے رہے۔ ایسے لوگوں سے اللہ بھی محبت کرتا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو بروز قیامت امن وامان میں ہوں گے ''ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ'' (سورہ جاثیہ آیت......۳۰)

۱۰۶۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...۹۴ الآیۃ۔

چونکہ عام طور پر عرب کے بادیہ نشینوں کا گزر بسر جانوروں اور پرندوں کے شکار پر تھا اور جب شریعت نے احرام کی حالت میں خشکی کا ہر قسم کا شکار حرام قرار دے دیا۔ تو ظاہر ہے کہ ان لوگوں کیلئے اس سے باز رہنا بڑا مشکل مرحلہ تھا بڑی صبر آزما منزل تھی۔ بالخصوص یہ مرحلہ اس وقت اور بھی زیادہ کٹھن ہو جاتا ہے جب کسی شکاری کے سامنے سے ہرنوں کے غول اور پرندوں کے جھرمٹ گزر رہے ہوں گویا یہ آیت میں بیان کردہ مضمون کی تمہید ہے۔ جس کی تفصیل آرہی ہے۔ اور اس میں ہاتھ کے پہنچنے کے ساتھ جو نیزے کا ذکر ہے یہ صرف بطور مثال ہے کہ مقصد یہ ہے کہ جس سے تم کسی خاص مشقت کے بغیر شکار کر سکو۔ خواہ جال سے ہو یا تیرو

تفنگ سے یا کسی اور ذریعہ سے ورنہ اس لفظ میں کوئی خصوصیت پوشیدہ نہیں ہے۔

۱۰۷۔ لِيَعْلَمَ اللهُ...الآية۔

اس قسم کی آیات کے بارے میں عام طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب اللہ کا علم ازلی وابدی ہے اور ایسا کلی واحاطی ہے کہ کائنات سماوی وارضی کا کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے تو پھر وہ بار بار یہ کیوں فرماتا ہے کہ ''لیبلو کم''۔ تاکہ اللہ تمہیں آزمائے؟ ''لیعلم الله'' تاکہ اللہ جانے وغیرہ وغیرہ اس سوال کا پہلے بھی کئی بار جواب دیا جاچکا ہے بالخصوص آیت مبارکہ ''واذ ابتلی ابراہیم ربہ بکلمات''۔ کی تفسیر میں اور واضح کیا جاچکا ہے کہ امتحان وابتلا ہمیشہ اس لئے نہیں لیا جاتا کہ ممتحن کو اہل ونا اہل کا علم ہو بلکہ بعض اوقات اس لئے بھی امتحان لیا جاتا ہے تاکہ دوسرے لوگوں پر ظاہر ہوجائے کہ اہل کون ہے اور نا اہل کون؟ طیب کون ہے اور خبیث کون؟ ''لِيَمِيْزَ اللهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ'' (سورہ انفال آیت...... ۳۷) اور سارے جہاں پر واضح ہو جائے کہ جنت الفردوس کا حقدار کون ہے اور جہنم کا سزاوار کون؟ یہاں بھی یہی امتیاز مراد ہے کہ ہر کس وناکس پر روشن ہوجائے کہ بے دیکھے اللہ سے کون ڈرتا ہے اور کون نہیں ڈرتا؟ بہرحال جو حد سے تجاوز کرے گا اس کیلئے دردناک عذاب ہے۔

آیات القرآن

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ

وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! شکار کو نہ مارو جب کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اسے مارے گا تو اس کا جرمانہ مویشیوں سے کوئی جانور ہوگا۔ جو اس جانور کا ہم پلہ ہو جو اس نے مارا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل شخص کریں گے اور یہ جرمانہ بطور قربانی وندرانہ خانہ کعبہ پہنچایا جائے گا۔ اس کا کفارہ چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا یا پھر اس کے برابر روزے رکھے جائیں گے۔ تاکہ وہ اپنے کئے کی سزا کا مزہ چکھے۔ تو پہلے جو ہو چکا اسے تو اللہ نے معاف کر دیا۔ اور جو پھر ایسا کرے گا تو اس سے اللہ انتقام (بدلہ) لے گا۔ اور اللہ غالب ہے (زبردست ہے) اور بدلہ لینے والا ہے (۹۵) تمہارے لئے سمندری شکار تری والا اور اس کا کھانا اور قافلہ والوں (مسافروں) کے فائدہ کیلئے حلال قرار دیا گیا ہے اور جب تک تم حالت احرام میں ہو خشکی کا شکار تم پر حرام کیا گیا ہے اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو۔ جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گئے (۹۶) خدا نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے۔ حرمت والے مہینوں کو اور قربانی کے جانوروں کو اور گلے میں پٹہ بندھے جانوروں کو لوگوں کی بقاء فلاح کا سبب اور مرکز بنایا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا بڑا جاننے والا ہے (۹۷)

تفسیر الآیات

۱۰۸۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...الآية۔

حج یا عمرہ کے احرام میں جو چیزیں محرم پر حرام ہوتی ہیں ان اکثر چیزوں کی حرمت حدیث سے ثابت ہے ہاں البتہ ان میں سے ایک بہت ہی اہم حرام چیز کا تذکرہ قرآن میں کیا گیا ہے اور وہ ہے صحرائی اور جنگلی جانور کا شکار خواہ حلال گوشت ہو اور خواہ حرام عام اس سے محرم خود شکار کرے یا کسی شکاری کی مدد کرے یا شکار کا پتہ

بتائے یا اس کا گوشت کھائے ہاں البتہ سمندری جانوروں کے شکار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی طرح (پالتو جانوروں) کو ذبح کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ مخفی نہ رہے کہ حدودِ حرم کے اندر شکار کرنے کی حرمت محرم اور محل دونوں کیلئے یکساں ہے البتہ حرم کے باہر محل کیلئے حلال ہے اور محرم کیلئے پھر بھی حرام۔

۱۰۹۔ وَمَنْ قَتَلَهٗ...الآیۃ۔

اگر کوئی شخص مذکورہ بالا پابندی کی خلاف ورزی کرے یعنی عملاً اس کو توڑے تو اس کی سزا تین چیزوں میں سے ایک ہے۔

۱۔ جس قسم کے جانور کا شکار کیا ہے ویسا جانور خانہ کعبہ کے پاس مسجد الحرام سے باہر ذبح کرے۔ اب رہی اس بات کی تحقیق کہ اس مماثلت سے (ویسا جانور سے) کیا مراد ہے؟ آیا اس سے جنس مراد ہے کہ فدیہ کا جانور شکار والے جانور سے صورت میں مماثل ہو یا قیمت کے اعتبار سے مماثلث؟ کہ کفارہ کا جانور شکار کردہ جانور کا ہم قیمت ہو؟ احادیث اہل بیت علیہم السلام سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے اور یہی قول فقہاء اسلام میں مشہور ہے بہرحال اس بات کا فیصلہ دو عادل شخص کریں گے کہ یہ اسی جانور جیسا ہے اس کا ہم قیمت ہے مقصد یہ ہے کہ دونوں کو جنس یا قیمت میں یکساں ہونا چاہیے الغرض اس جانور کو ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء و مساکین میں تقسیم کیا جائے گا۔

۲۔ یا اس جانور کی قیمت مقرر کر کے اس کی گندم وغیرہ خریدی جائے گی اور پھر ہر مسکین کو دو مد یا دوسرے قول کے مطابق ایک مد قریباً تین پاؤ دی جائے گی۔

۳۔ یا ہر دو مد یا دوسرے قول کے مطابق ایک مد طعام کے عوض اتنے روزے رکھے جائیں گے یہ سب کچھ کیوں ہے؟ تا کہ اس حکم کی مخالفت کرنے والا اپنے کئے کی سزا کا مزہ چکھے۔ بہرحال جو اس حکم کے نزول سے پہلے یا زمانہ جاہلیت میں ہو چکا اسے تو اللہ نے معاف کر دیا مگر جان بوجھ کر دوبارہ جو پھر ایسا کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا۔ اور اگر بھول کر پھر ایسا کیا تو پھر کفارہ ادا کرے گا۔ اس موضوع کی باقی تفصیلات فقہی کتابوں میں دستیاب ہیں۔

۱۱۰۔ اُحِلَّ لَكُمْ...الآیۃ۔

اس آیت میں اس بات کی وضاحت کی جارہی ہے کہ جس شکار سے لوگوں کی آزمائش مقصود ہے وہ خشکی کا شکار ہے جس کی تفصیل اور اس کی خلاف ورزی کرنے پر کفارہ کی تفصیل سابقہ آیت میں بیان کر دی گئی ہے اور جہاں تک دریائی شکار کا تعلق ہے جیسے مچھلی کا شکار تو وہ حلال ہے حرام نہیں ہے نیز یہ بھی واضح رہے کہ بحر

کے اصل معنی اگرچہ سمندر کے ہیں مگر جب برّ یعنی خشکی کے مقابلہ میں اس کا استعمال ہو تو اس کے معنی تری کے ہوتے ہیں تالاب اور جھیل وغیرہ کی مچھلیاں بھی اس میں داخل ہیں'' (فصل الخطاب)۔

الغرض جس طرح خشکی کا شکار حرام تھا اور اس کا کھانا بھی حرام تھا اگرچہ کسی اور نے شکار کیا ہو۔ اس کے بالقابل تری کا شکار کرنا بھی حلال ہے اور اس کا کھانا بھی حلال ہے۔ والحمدللہ۔

جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ ...۹۶۔ الآیۃ۔

اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم نے چار چیزوں کو تکوینی و تشریعی طور پر لوگوں کے قیام و بقا، امن واجتماع اور احترام کا سبب اور ذریعہ ٹھہرایا ہے۔

(۱)۔ پہلی چیز کعبہ مقدسہ ہے۔

۱۔ جو زمین پر خدا کا پہلا گھر ہے جو بنایا گیا۔

۲۔ وہ مخلوق خدا کیلئے جائے امن وامان ہے۔

انسان تو بجائے خود ابھی اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ اس میں اور اس کے اردگرد جانوروں کا شکار کرنا بھی جائز نہیں ہے، **من دخله كان آمنا**۔ آج تو آج زمانہ جاہلیت میں کسی کے باپ بیٹے کا قاتل بھی اس میں داخل ہو جاتا تھا تو مقتول کا وارث میلی آنکھ سے اسے نہیں دیکھتا تھا۔

۳۔ جناب خلیل خدا کی دعا ''فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ'' (سورہ ابراہیم آیت......۳۷) کی برکت سے عربوں کی خرید و فروخت اور تجارت کی سب سے بڑی منڈی یہی جگہ تھی اور تجارتی منافع کا مرکز یہی تھا۔

۴۔ حج و عمرہ کیلئے تمام کائنات کے مسلمان اس مقدس مقام کا رخ کرتے ہیں نیز ہر روز نماز پنچگانہ وغیرہ پڑھتے وقت بھی اسی محترم جگہ کی طرف رخ کرتے ہیں اس طرح یہ خاک پاک لوگوں کی تنظیم کا مرکز ہے۔

۵۔ اسلام کا چشمہ یہیں سے پھوٹا۔

۶۔ سب سے بڑھ کر فخر موجودات اور سرور کائنات کا مولد و مسکن ہونے کا شرف بھی اسی ارض مقدس کو حاصل ہوا خانہ کعبہ کی عظمت واہمیت اور مذکورہ بالا امور کی مزید تفصیل سوہ آل عمران کی آیت نمبر ۹۶ ''اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ... الآیۃ'' کی تفسیر میں بیان کی جا چکی ہے۔

دوسری چیز اشہر حرم یعنی ذی القعد ذی الحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب جن میں جنگ وجدال نہ صرف یہ کہ اسلام میں حرام ہے بلکہ زمانہ جاہلیت میں بھی ان محترم مہینوں میں قتل وقتال کو حرام سمجھا جاتا تھا اور ان

مقدس مہینوں کی آمد سے لڑائیاں رک جاتی تھیں اور کھنچی ہوئی تلواریں نیام میں چلی جاتی تھیں۔

تیسری چیز ''ھدی'' یعنی قربانی کے جانور ارشاد قدرت ''والبدن جعلنا ھامن شعائر الله'' ہم نے قربانی کے جانوروں کو شعائر اللہ میں سے قرار دیا ہے۔

چوتھی چیز ''قلائد'' یعنی وہ جانور جن کے گلے میں ہار یا پٹہ پڑا ہو۔ تاکہ جب لوگ دیکھیں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص اور یہ جانور حج کیلئے جا رہے ہیں۔ تاکہ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائے اور اس طرح پورا قافلہ محفوظ ہو جائے اس طرح یہ ھدی و قلائد بھی جہاں قابل احترام ہیں وہاں امن و امان کے قیام کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہیں۔ اور ان چیزوں کا احترام بھی اصل خانہ کعبہ کا ہی احترام ہے کمالا یخفی علی اولی الا فھام۔ بہر حال اہل اسلام پر لازم ہے کہ کعبہ کی حرمت کے شعائر و اعمال کو قائم رکھیں اور ان میں کسی قسم کا فتور واقع نہ ہونے دیں۔

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا ...۹۷۔ الآیۃ۔

خدا نے جو ان چار چیزوں کو محترم بنایا اور لوگوں کی بقا اور امن و امان کا سبب بنایا تو یہ بات خدا کے علم احاطی کی بین دلیل ہے کہ وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کو کامل طور پر جانتا ہے جاہلیت کے دور میں نہ وہاں کوئی حکومت تھی اور نہ کوئی قانون اور لڑائی بھڑائی عربوں کی سرشت میں رچی بسی ہوئی تھی تو اگر اشہر حرم بھی نہ ہوتے جن میں قتل و قتال جنگ و جدال حرام ہے اور نہ خانہ کعبہ ہوتا جس کا وہ لوگ دل و جان سے احترام کرتے تھے تو ان کا حشر کیا ہوتا؟ اس کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے لہذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ خدا تعالی نے اپنے علم اور حکمت کے تحت یہ سب انتظام فرمایا ہے۔ وان الله بکل شی علیم۔

آیات القرآن

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ

الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَاَلَهَا
قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾

ترجمۃ الآیات

جان لو۔ کہ اللہ (مقام عقاب میں) سخت سزا دینے والا بھی ہے اور مقام عفو وصفح میں بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا بھی ہے (۹۸) پیغمبر کی ذمہ داری صرف پیغام پہنچانا ہے اور بس۔ اور اللہ اسے بھی جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور اسے بھی جسے تم چھپاتے ہو (۹۹) کہہ دیجیے کہ خبیث و ناپاک اور طیب و پاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ خبیث (ناپاک) کی کثرت اور بہتات تمہیں تعجب میں بھی ڈال دے (تمہیں بھلی لگے) اے عقل والو خدا کی نافرمانی سے ڈرو تا کہ فلاح پاؤ (۱۰۰) اے ایمان والو ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو۔ کہ جو اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔ اور اگر ان کے متعلق ایسے وقت میں سوال کرو جب کہ قرآن اتر رہا ہے تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائینگی اللہ نے انہیں نظر انداز کر دیا ہے (یا اللہ نے تمہیں معاف کر دیا ہے) اور اللہ بڑا بخشنے والا۔ بڑا بردبار ہے (۱۰۱) تم سے پہلے بھی کچھ لوگوں نے اس قسم کے سوال (اپنے نبیوں سے) کئے تھے پھر انہیں کی وجہ سے کافر (منکر) ہو گئے۔ (۱۰۲)

تفسیر الآیات

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ ۹۸...الآیۃ۔

ایمان دو حصوں پر منقسم ہے آدھا ایمان خوف اور آدھا امید ہے یہ آیت مبارکہ بیم ورجاء دونوں پر مشتمل ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر ان مذکورہ بالا احکام خداوندی کی مخالفت کرے گا جو محض بندوں کی بھلائی و بہتری کیلئے وضع کئے گئے ہیں تو اللہ شدید العقاب ہے یعنی ایسے لوگوں کو سخت سزا دے گا۔ اور جو بھول چوک کر کوئی گناہ کرے گا یا عملاً کرے گا مگر پھر نادم ہو کر توبۃ النصوح کر لے گا۔ تو خدا غفور رحیم بھی ہے بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اس نے توبہ وانابہ کا دروازہ بند نہیں کیا۔ بلکہ اسے کھلا رکھا ہوا ہے اور زبان حال سے

پکار رہا ہے۔

این در گہ مادر گہ ناامیدی نیست
صد بارا اگر توبہ شکستی باز آ

کائنات کا آغاز بھی رحمت سے ہوا ہے اور اختتام بھی رحمت پر ہو رہا ہے۔ولذلك خلقهم ۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ ۹۹... الآية۔

ابھی اوپر آیت نمبر ۹۲ کی تفسیر میں واضح کیا جا چکا ہے کہ رسول کی ذمہ داری صرف اللہ کے احکام اور اس کا پیغام جو اس کے بندوں کے نام ہے۔ بندوں تک بلا کم و کاست پہنچانا ہے اور بس۔

کیونکہ

بررسولاں بلاغ باشدو بس

لوگوں سے زبردستی کر کے منوانا ان کی ذمہ داری نہیں ہے کیونکہ وہ لوگوں کے ناظر و نگران نہیں ہیں (لست عليهم بحفيظ)۔

لہذا جو شخص ان کی فرمانبرداری کرے گا وہ خود فائدہ اٹھائے گا اور جو نافرمانی کرے گا وہ خود نقصان اٹھائے گا اس میں رسول کا کوئی ذاتی نفع یا نقصان نہیں ہے۔اور اللہ کو کوئی شخص دھوکہ اور فریب نہیں دے سکتا کیونکہ وہ اپنے بندوں کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ ۱۰۰ ۔...... الآية۔

پارہ نمبر ۳ کے آغاز میں یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ خدائے علیم و حکیم نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے کائنات ارضی و سماوی کی کوئی بھی دو چیزیں ہر اعتبار سے برابر پیدا نہیں کئیں بلکہ ہر دو میں فرق مراتب موجود ہے الغرض جب دو نبی دو وصی اور دو مسلمان دو اہل ایمان برابر نہیں ہیں تو خبیث اور طیب اور پاک و ناپاک کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟؟ خبیث اور طیب دو متضاد الفاظ ہیں۔لغت عرب میں خبیث کے معنی ہیں، نجس، ردی، ناپسندیدہ ہر حرام چیز اور ہر خراب چیز۔ جب کہ اس کے بالمقابل طیب کے معنی ہیں پاکیزہ اور حلال (المنجد وغیرہ)

بنا بریں یہاں جس طرح خبیث سے نجس چیز اور طیب سے پاک چیز مراد ہو سکتی ہے اسی طرح خبیث سے حرام مال اور طیب سے حلال مال بھی مراد ہو سکتا ہے۔ بلکہ ان سے کافر و مسلمان، بے ایمان اور باایمان اور بدکار و نیکوکار انسان بھی مراد لئے جا سکتے ہیں گویا یہ آیت ایسے ہی ہے جیسے۔''لَا يَسْتَوِيْ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ'' جہنمی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے جنتی لوگ ہی فائز المرام ہونے والے ہیں (سورہ حشر آیت......۲۰)

اولی یہ ہے کہ اسے اپنے عموم پر محمول کیا جائے جیسا کہ فاضل کا شانی نے اپنی تفسیر میں ایسا ہی کیا ہے۔''انسانا کان او عملاً او مالاً او غیر ذلك''(صافی)

وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ...۱۰۰...الآیة۔

اگر چہ خبیث کی کثرت تمہیں بھلی ہی لگے۔کیونکہ فضلیت کا دارو مدار کثرت وقلت پر نہیں ہے بلکہ بھلائی و برائی اور عمدگی وغیر عمدگی اور نفع ونقصان پر ہے اس لئے ایک دانشمند آدمی اشیاء کی کثرت وقلت کو نہیں دیکھتا بلکہ ان کے نفع ونقصان پر نگاہ کرتا ہے اس میں یہ درس مضمر ہے کہ اہل ایمان کو اپنی قلت اور غربت اور کفار و اشرار کی کثرت وامارت اپنی بے سروسامانی اوران کے مال ودولت کی فراوانی دیکھ کر ہرگز متفکر و پریشان نہیں ہونا چاہیے وہ خبیث و ناپاک ہیں اور یہ طیب و پاک اس آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کسی چیز کی کثرت اس کے برحق ہونے کی دلیل سوال کرنے کا طریقہ کار کیا ہے؟ جس طرح کہ کسی چیز کی قلت اس کے ناحق ہونے کی علامت نہیں ہے بلکہ قارئین کرام پر مخفی نہیں ہے کہ خداوند عالم نے ہر جگہ کثرت کی مذمت اور قلت کی مدح فرمائی ہے''اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ'' ''وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ''

سوال کا طریقہ کار کیا ہے؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...۱۰۱...الآیة۔

اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو سوال کرنے کا سلیقہ سکھایا جا رہا ہے کہ سوال وہ کرنا چاہیے جس کا انسان کی معاش یا معاد سے تعلق ہو اور لایعنی اور فضول سوال کرنے کی ممانعت کی جارہی ہے جس کا نہ کوئی دنیوی فائدہ ہو اور نہ دینی اور جس چیز کے متعلق خدا اور رسول خاموشی اختیار کریں اس کے بارے میں خواہ مخواہ کریدنے اور کھوج لگانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

ان الله افترض علیکم فرائض فلا تضیعوها و حدلکم حدودا فلا تعتدوها و نهاکم عن اشیاء فلا تنتهکوها و سکت لکم عن اشیاء و لم یدعها نسیانا فلا تتکلفوها

اللہ نے تم پر کچھ فرائض فرض کئے ہیں ان کو ضائع نہ کرو۔اور کچھ حدود وقیود مقرر کئے ہیں ان سے تجاوز

نہ کرواور کچھ چیزوں کی ممانعت کی ہے ان کا ارتکاب نہ کرو۔اور بعض چیزوں سے خاموشی اختیار کی ہے جو کسی بھول چوک کی وجہ سے نہیں کی۔تو ان کا کھوج نہ لگاؤ (مجمع البیان)۔

اس آیت کی شان نزول کے بارے میں مفسرین نے مختلف النوع روایتیں نقل کی ہیں بعض کا تعلق لایعنی اورفضول باتوں سے ہے مثلاً ایک بار حضرت رسول خداؐ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا! جو پوچھنا چاہو پوچھو۔تو ایک شخص نے کہا میرا باپ کون ہے؟ جب آپ نے اس کے حقیقی باپ کا نام بتایا تو وہ بہت شرمسار ہوا۔دوسرے نے پوچھا میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں ہے تو وہ خجل ہوا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر ان کا حقیقی جواب دیا جائے تو تمہیں صدمہ ہو۔(تفسیر قمی اور تفسیر درمنشور)

اور بعض کا تعلق ان دینی باتوں کے بارے میں کھوج لگانے سے ہے جن کے متعلق خدا اور رسول نے خاموشی اختیار کی ہے ’’عفا الله عنها.‘‘ جب اللہ نے ان سے درگزر کیا ہے یعنی سکوت اختیار کیا تم ان کو نہ کریدو۔مثلاً ایک بار حضرت رسول خداؐ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔خدا نے تم پر حج فرض کیا ہے ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ ہر سال؟ آنحضرتؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا اس نے دوبارہ یہی سوال دہرایا آپ نے پھر بھی اسے نظر انداز کیا جب اس نے تیسری بار پوچھا۔تب آپؐ نے فرمایا نہیں۔پھر خشمگین لب ولہجہ میں فرمایا کہ اگر میں کہہ دیتا ہاں تو پھر ہر سال حج واجب ہوجاتا اور جب پھر تم ایسا نہ کر سکتے تو کافر ہوجاتے پھر تنبیہ فرمائی کہ جن چیزوں کا میں تمہیں حکم نہ دوں تم ان کا خوامخواہ کھوج نہ لگاؤ اور جن کا حکم دوں حتی الامکان ان کو بجالانے کی کوشش کیا کرو۔(مجمع البیان، درمنشور وغیرہ)۔

پھر فرمایا! اب جب کہ قرآن نازل ہورہا ہے اگر اس قسم کے لایعنی سوالات کروگے تو ان کا جواب وحی ربانی کے ذریعہ سے مل تو جائے گا۔مگر ایسی موشگافیاں کرنے کا فائدہ کیا ہوگا؟ مخفی نہ رہے کہ ’’عفا الله عنها‘‘ کا ایک تو مطلب تو وہی ہے جو ابھی ہم نے بین السطور بیان کردیا ہے اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے ایک بار تو تمہارے یہ فضول سوال اور جواب معاف کردیئے ہیں مطلب یہ ہے کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

قَدۡ سَاَلَهَا قَوۡمٌ ...۱۰۲...الآیۃ۔

تم سے پہلے بنی اسرائیل وغیرہ نے اس قسم کے فضول اور لایعنی سوالات کئے تھے اور جب ان کو جوابات دیے گیے تو انہوں نے کفر اختیار کیا۔اوران کا انکار کر بیٹھے۔

درس عمل

ان جامع ہدایات سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ جن امور کے بارے میں شریعت خاموش ہو تو ہمیں خواہ مخواہ ان کے متعلق پوچھ گچھ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے نیز کسی ہادی و رہبر سے سوال وہ کرنا چاہیے جس کا کوئی دینی یا دینوی فائدہ ہو۔ بے فائدہ اور فضول سوال سے احتراز کرنا چاہیے۔ نیز صرف آزمائش اور بے مقصد سوال کرنے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔

مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ ان قرآنی و نبوی جامع ہدایات کے باوجود آج تک عام مسلمان لا یعنی اور فضول سوال کرنے سے باز نہیں آتے۔ جن چیزوں کی ضرورت ہے ان کے متعلق تو سوال کرتے نہیں ہیں اور اگر کرتے ہیں تو اس قسم کے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کا عصا کس لکڑی کا تھا؟ مادر موسیٰ علیہ السلام کا نام کیا تھا؟ کشتی نوح علیہ السلام کا طول وعرض کتنا تھا؟ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حج کیا تھا تو ان کا سر کس نے مونڈا تھا اور جناب خلیلؑ نے دنبہ ذبح کیا تھا تو اس کے سری پائے کیا کئے تھے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بدیں عقل و دانش بباید گریست!!

خلاصہ یہ کہ اسلام نے جو کہ دین فطرت ہے کثرت سوال اور تعمق فی الدین کی ممانعت فرمائی ہے کہ لا یعنی سوالات کی بھر مار کی جائے اور ایک سیدھے سادے معاملہ کو باریکیاں نکال کر پیچیدہ بنا دیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا اور ہر ہر مسئلہ کو بنی اسرائیل کی گائے بنانے کی کوشش کی گئی تو پھر دین میں آسانی کی جگہ تنگی اور سہولت کی جگہ مشقت پیدا ہو جائے گی۔ اور انجام کار مسلمانوں کا وہی حال ہوگا۔ جو بنی اسرائیل کا ہوا تھا کہ پہلے کوششیں و کاوشیں کر کے پابندیاں بڑھائیں اور جب اس طرح دائرہ عمل تنگ ہو گیا تو سرے سے عمل کرنا ہی چھوڑ دیا لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے تمام معاملات کی طرح سوال و جواب اور تعمق فی الدین کے معاملہ میں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے مضبوطی سے تھاما جائے۔ واللہ الموفق۔

آیات القرآن

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا
يَهْتَدُوْنَ﴿۱۰۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ
ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۱۰۵﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ سائبہ، وصیلہ اور حام مقرر نہیں کیا مگر کافر اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں۔ اوران میں سے اکثر عقل وشعور نہیں رکھتے (۱۰۳) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس (قرآن) کی طرف جو اللہ نے اتارا ہے اور آؤ پیغمبر کی طرف تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے تو وہی (طریقہ) کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے اگرچہ ان کے باپ دادا نہ علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں (تو بھی وہ انہی کے طریقہ کو کافی جانیں گے؟) (۱۰۴) اے ایمان والو! تم پر لازم ہے کہ اپنی جانوں کی فکر کرو۔ جو گمراہ ہے وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو (راہ راست پر ہو) تم سب کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم دنیا میں کیا کرتے تھے؟ (۱۰۵)

تفسیر الآیات

مَا جَعَلَ اللہ...۱۰۳...الآیۃ۔

صدیوں سے ہندوؤں کے ساتھ رہن سہن اور میل جول کی وجہ سے جس طرح ہمارے ہاں رواج ہے کہ لوگ کسی پیر فقیر یا کسی امام یا امام زادہ کے نام پر گائے، بھینس اور دنبے بکرے چھوڑتے ہیں اور ان سے کوئی فائدہ اٹھانا ناجائز سمجھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح زمانہ جاہلیت میں عرب مختلف طریقوں سے مختلف جانوروں کو آزاد چھوڑ دیا کرتے تھے اور ان سے فائدہ اٹھانا حرام جانتے تھے اور ان جانوروں کے مختلف نام تھے جیسے بحیرہ سائبہ وصیلہ اور حامی وغیرہ مگر اسلام یا کسی اور آسمانی شریعت نے ان جانوروں کو حرام قرار نہیں دیا لہٰذا یہ

جانور حلال ہیں اور ان خود ساختہ پابندیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ شریعت اور قانون سازی کا حق صرف خدا کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور اس نے یہ حق کسی نبی و امام کے بھی سپرد نہیں کیا۔

بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کی تشریح

اگر چہ مفسرین میں ان ناموں کی تعریف و تشریح کے بارے میں فی الجملہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر ہم مشہور نظریہ کے مطابق تشریح کرتے ہیں۔ چنانچہ

۱۔ بحیرہ: اس اونٹی کو کہا جاتا تھا جو پانچ بچے جنتی اور آخری بچہ نر ہوتا۔ تو اس کا کان پھاڑ دیا جاتا تھا اور اسے بتوں کی نیاز میں آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور اس کی بڑی عزت ہونے لگتی تھی۔ نہ کوئی اس پر سوار ہوتا تھا نہ اسے ذبح کیا جاتا تا اور نہ اس کا گوشت کھایا جاتا تا اور نہ دودھ پیا جاتا تھا۔

۲۔ سائبہ: جب کوئی آدمی بیمار ہوتا یا سفر پر جاتا تو بتوں کے نام پر منت مانتا تھا۔ کہ اگر تندرست ہو گیا اور سفر سے بخریت واپس آ گیا۔ تو اس کی یہ اونٹی سائبہ ہو گی اور پھر اس کے ساتھ بحیرہ والا سلوک کیا جاتا۔ وہ جس کھیت میں چاہے چرے اور جس گھاٹ سے چاہیے پانی پئے۔ اسے یہ حق حاصل تھا اور دوسری تشریح کے مطابق جو جانور بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا کہ وہ جہاں چاہے پھرے اور اس سے کسی قسم کا فائدا اٹھانا حرام سمجھا جاتا تھا اسے بھی سائبہ کہتے تھے۔

۳۔ وصیلہ: اس کا تعلق بکریوں سے ہے جو بکری پہلی بار بچہ جنتی اسے بتوں کے نام پر ذبح کر دیا جاتا اور اگر بچی جنتی تو اسے اپنے لئے رکھ لیا جاتا۔ اور اگر بچی بچہ دونوں جڑواں پیدا ہوتے تھے تو اس بچی کو وصیلہ کہا جاتا تھا اور دونوں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

۴۔ حام: وہ اونٹ جس کی صلب (جفتی) سے دس بچے پیدا ہو جاتے تھے تو اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اور اسے حام کہا جاتا تھا۔ اور اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا حرام تصور کیا جاتا تھا۔ بہر حال چونکہ ان لوگوں نے یہ پابندیاں از خود عائد کی تھیں۔ اس لئے ان کی کوئی شرعی حقیقت و حیثیت نہیں ہے۔ اور یہ بات افتراء علی اللہ کے زمرہ میں آتی ہے۔ اللہ نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس نے یہ چیزیں انسان کے فائدہ کیلئے پیدا فرمائی ہیں لہٰذا جو جانور شرعاً حلال ہیں وہ حلال ہی رہیں گے۔

درس

اس قرآنی واقعہ سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اپنی طرف سے کسی چیز کے حدود قیود اور شرائط اور

پابندیوں کا وضع کرنا جیسے کہ عموماً مسلمانوں میں نذر دینے کے سلسلہ میں رائج ہے کہ فلاں نیاز اتنی مقدار میں دی جائے، چھت کے نیچے بیٹھ کر کھائی جائے باھر نہ نکالی جائے، عورت کھائے مرد نہ کھائے۔ پھر اس نیاز پر فلاں جھوٹا یا سچا قصہ بھی ضرور پڑھا جائے۔ یا کھانا سامنے رکھ کر اس پر چند مخصوص سورے پڑھے جائیں وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ سب کچھ اسی افتراء علی اللہ کے زمرہ میں داخل ہے۔ اور عہد جاہلیت کے جاہلوں کی تقلید و تاسئی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مخفی نہ رہے کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۳ کی تفسیر میں بھی اس موضوع پر تبصرہ کیا جاچکا ہے۔ مزید تحقیق کیلئے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ...۱۰۴... الآية ۔

جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ان خودساختہ رسموں رواجوں کو چھوڑ دو اور اللہ کے نازل کردہ قرآن اور پیغمبر اسلامؐ کی طرف آؤ۔ کہ ان سے فیصلہ کرائیں تو وہ اس معقول مطالبہ کے جواب میں یہ غیر معقول جواب دیتے ہیں کہ ہمیں تو باپ دادا کا طریقہ کافی ہے۔ یہ وہ ابلیسی استدلال ہے جس نے ہمیشہ ہر دور میں لاکھوں سادہ لوح انسانوں کو حق و حقیقت کے تسلیم کرنے اور راہ راست پر چلنے سے روکا ہے اور انہیں گمراہ کیا ہے جب بھی اللہ کی طرف سے کوئی ہادی و راہنما آیا اور اس نے لوگوں کو حق کی طرف بلایا۔ تو ہمیشہ بے عقل عوام کالانعام نے یہی جواب دیا کہ کیا ہمارے باپ دادا غلطی پر تھے؟ ہم تو انہی کے راستہ پر چلیں گے؟ اور ہمیشہ ہادیان برحق نے بھی مختلف الفاظ و انداز میں یہی جواب دیا جو یہاں مذکور ہے ''کہ اگر چہ ان کے باپ دادا بے علم اور بے عقل ہوں اور ہدایت یافتہ بھی نہ ہوں تو کیا تم پھر بھی انہی کے پیچھے چلو گے؟'' مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ حتی الامکان حق کی جستجو کرے اور جب حق واضح ہو جائے تو اس کی پیروی کرے باپ دادا کی اندھی تقلید نہ ہی جائز ہے اور نہ ہی صحت کی دلیل ہے۔ انہی وجوہ کی بنا پر علماء اعلام نے ثابت کیا ہے کہ عقائد اور اصول دین میں تقلید جائز نہیں ہے۔ بلکہ یہاں دلیل و برہان سے اعتقادات کو ثابت کرنا اور آزاد دل و دماغ کے ساتھ غور و فکر کرنا واجب و لازم ہے واضح رہے کہ اس موضوع پر سورہ بقرہ کی ایت نمبر ۱۷۰ کی تفسیر میں مفصل گفتگو کی جاچکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ ...۱۰۵۔ الآية ۔

اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو۔ جب تم ہدایت یافتہ ہو تو دوسرے لوگوں کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس آیت سے کچھ سہل پسند لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ آدمی کیلئے اپنی اصلاح کرنا کافی ہے۔ دوسروں کو نیکی کا حکم دینا یا برائی سے روکنا ضروری نہیں ہے۔ ع۔ تمہیں کسی کی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو۔ مگر ان لوگوں نے اتنا بھی غور نہیں کیا کہ یہ بات قرآن وسنت کی بے شمار آیات وروایات اور تصریحات کے سراسر خلاف ہے جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اسلام کا ایک اہم دینی فریضہ قرار دیا گیا ہے اور اس فریضہ کے ترک کرنے پر بہت کچھ وعید وتہدید کی گئی ہے بلکہ اس امر ونہی کو امت مرحومہ کا خصوصی امتیاز قرار دیا گیا ہے۔ ''کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ'' (آل عمران آیت ...... ۱۱۰) تو ان حالات میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا اس فریضہ کے ترک کرنے کی اجازت دیدے؟ تو پھر اس آیت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے دو صحیح مفہوم ہیں۔

(۱)۔ پہلا یہ کہ جب تم اپنا فرض منصبی ادا کردو یعنی اپنی اصلاح کرلو خالق ومخلوق کے جو حقوق تم پر عائد ہوتے ہیں ان کو بھی ادا کرلو اور لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے سے دوسروں کی اصلاح کی کوشش کر چکو تو اس کے باوجود اگر کوئی شخص اس سے اثر نہیں لیتا اور وہ اپنی گمراہی وکجروی پر ڈٹا ہوا ہے۔ تو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے خود کا اپنا نقصان وزیاں ہے کیوں۔

برر سولاں بلاغ باشد وبس

بھلا جو شخص بروں کو برائی کرتے دیکھے مگر ان کو نہ روکے جو ظالم کو ظلم کرتے دیکھے اور باوجود قدرت رکھنے کے اسے ظلم کرنے سے نہ روکے وہ کس طرح ہدایت یافتہ ہوسکتا ہے؟ وہ تو گنہگار کے گناہ اور ظالم کے ظلم میں برابر کا شریک جرم ہے اور گمراہ ہے۔ بہرحال اس بنا پر یہ آیت ایسے لوگوں کیلئے وجہ تسلی ہے کہ تم نے اپنا فرض ادا کردیا ہے اگر کوئی گمراہ ہوتا ہے تو اس کا تمہیں کوئی ضرر وزیاں نہیں ہے۔

(۲)۔ دوسرا یہ کہ اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی جارہی ہے جو اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرنے کی بجائے ہمیشہ دوسروں کے عیب وصواب کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سرزنش کی جارہی ہے کہ تمہیں اپنی فکر کرنی چاہیے۔ تمہیں دوسروں کے نقائص تلاش کرنے اور ان پر تنقید کے تیر برسانے سے کیا غرض؟

حدیث میں وارد ہے کے بڑا خوش بخت ہے وہ شخص جو اپنے عیوب کی جستجو اور اصلاح میں اس طرح مشغول رہے کہ اسے دوسروں کے نقائص تلاش کرنے کی فرصت ہی نہ مل سکے۔ اور بڑا بدبخت ہے وہ شخص جو اپنے عیب تلاش کرنے اور ان کی اصلاح کرنے کی بجائے لوگوں کے عیب تلاش کرتا رہے (جامع السعادات)

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر
رہے ڈھونڈتے اوروں کے عیب وہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

اس مفہوم کی تائید تفسیر قمی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں رسولؐ نے فرمایا:

اصلحوا انفسکم ولاتتبعوا عورات الناس و لا تذکروهم فانه لا یضرکم ضلالتهم اذا انتم صالحون۔ یعنی اپنی اصلاح کرو۔ اورلوگوں کے عیوب تلاش نہ کرو۔ نہ ان کی برائیوں کا ذکر کرو۔ کیونکہ جب تم خود ٹھیک ہو تو لوگوں کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔

آیات القرآن

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ
الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ
ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ
بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ
كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ
عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ
اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ
شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ
يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ
اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ
عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ
فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا
فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ
الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے جب کہ وہ وصیت کر رہا ہو تو تمہارے درمیان گواہی کا ضابطہ یہ ہے کہ تم مسلمانوں میں سے دو عادل گواہ ہونے چاہیں۔ ہاں البتہ اگر تم سفر میں ہو اور تم پر موت کی مصیبت آپڑے (اور مسلمان گواہ نہ مل سکیں) تو پھر دو گواہ غیروں میں سے ہی لے لئے جائیں۔ اور اگر تمہیں شک پڑ جائے تو ان دونوں کو نماز کے بعد تک روک رکھو اور وہ دونوں ان الفاظ کے ساتھ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی قیمت (فائدہ) حاصل نہیں کر رہے ہیں اگرچہ ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور ہم اللہ کے واسطے کی گواہی نہیں چھپائیں گے ورنہ یقیناً ہم گنگاروں میں سے ہوں گے (۱۰۶) اور اگر بعد میں پتہ چلے کہ وہ (جھوٹی گواہی دے کر) گناہ کے مستوجب ہوئے ہیں تو پھر ان کی جگہ دو اور گواہ کھڑے ہوں (جو مرنے والے کے زیادہ) قریبی رشتہ دار ہوں جن کی حق تلفی ہوئی ہے اور اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان (پہلے) دونوں کی گواہی سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی ورنہ ہم ظالموں میں سے ہوں گے (۱۰۷) یہ طریقہ کار زیادہ قریب ہے اس کے کہ گواہ ٹھیک طریقہ پر گواہی دیں گے یا کم از کم وہ اس بات کا خوف تو کریں گے کہ ان کی قسموں کے بعد کہیں اور قسموں سے ان کی تردید نہ ہو جائے (یا انہیں یہ اندیشہ تو ہوگا کہ ان کی

قسموں کے بعد دوسروں گواہوں سے بھی قسمیں لی جا سکتی ہیں) اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرو ۔اور سنو۔اور اللہ نافرمان لوگوں کو منزل تک نہیں پہنچاتا (۱۰۸) (اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ تمام رسولوں کو جمع کرکے پوچھے گا کہ تمہیں (اپنی امتوں کی طرف سے) کیا جواب ملا تھا تو وہ عرض کریں گے کہ ہمیں تو کچھ علم نہیں ہے۔تو ہی غیب کی تمام باتوں کا بڑا جاننے والا ہے(۱۰۹) (اور وہ وقت یاد کرو) جب خدا فرمائے گا اے مریم کے فرزند عیسیٰ میرا وہ انعام یاد کرو۔ جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیا تھا۔جب میں نے روح مقدس سے تمہاری تائید کی (جس کی وجہ سے) تم گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں لوگوں سے (یکساں) باتیں کرتے تھے اور جب میں نے تمہیں کتاب (لکھنے) حکمت (دانائی) ،توراۃ اور انجیل کی تعلیم دی تم میرے حکم سے مٹی سے پرندہ کی شکل (پتلا) بناتے تھے اور پھر اس میں پھونک مارتے تھے اور وہ میرے حکم سے (سچ مچ) پرندہ بن جاتا تھا۔اور تم میرے حکم سے پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے اور تم میرے حکم سے مردوں کو (زندہ کرکے قبروں سے) نکالا کرتے تھے۔اور جب میں نے اسرائیل کو تم سے روکا تھا۔جب تم ان کے پاس بینات و معجزات لائے تھے تو ان میں سے جو (منکر حق) تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ نہیں ہے۔مگر کھلا ہوا جادو۔(۱۱۰)

تفسیر الآیات۔

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَھَادَۃُ...۱۲۲...الآیۃ ۔

یہ تین آیات الاحکام میں سے ہیں جن کا تعلق وصیت اور شہادت سے ہے جو ترکیب واعراب اور معنی ومفہوم کے لحاظ سے قرآن کی مشکل آیات میں سے شمار ہوتی ہیں ۔لیکن اگر ان کی شان نزول والے واقعہ کو مدنظر رکھا جائے تو ان کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آتی ۔ جو کچھ یوں ہے۔

ان آیات کی شان نزول

ایک بار ایک مسلمان ابن ابی ماریہ جس کا نام غالباً بدیل تھا دو نصرانی بھائیوں تمیم بن اوس داری اور عدی بن اوس داری کی ہمراہی میں تجارت کی غرض سے شام روانہ ہوا۔راستہ میں ابن ابی ماریہ بیمار ہو گیا۔اور اس نے اس اثنا میں اپنا وصیت نامہ اور اپنے مال کی فہرست مرتب کرکے اپنے سامان کے اندر رکھ دی اور پھر اپنے

دونوں ہمراہیوں کو بلا کر وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا یہ مال ومتاع میرے عزیزوں کو پہنچا دینا۔ اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ اور اس کے ساتھیوں نے حسب الوصیت اس کا مال واسباب اس کے عزیزوں کو پہنچا تو دیا۔ مگر اس سے اپنی پسند کی بعض چیزیں نکال لیں۔ جب مرحوم کے وارثوں نے اس کا وہ وصیت نامہ دیکھا جو سامان کے اندر موجود تھا اور اس میں اس کے مال ومتاع کی فہرست پڑھی تو دیکھا کہ اس میں بعض چیزیں موجود نہیں ہیں۔ تو انہوں نے ان عیسائی بھائیوں سے دریافت کیا مگر وہ صاف مکر گئے اور کہا ہمارے سپرد تو یہی سامان کیا گیا تھا جو ہم نے پہنچا دیا ہے۔

چنانچہ یہ مقدمہ پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں چنانچہ آنحضرتؐ نے ان سے اس طرح قسم لی اور انہوں نے کھائی کہ ہمارے سپرد تو اتنا ہی سامان کیا گیا تھا۔ جو ہم نے وارثوں کے حوالہ کر دیا ہے چنانچہ انہیں چھوڑ دیا گیا۔ مگر چند دنوں کے بعد چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کے نقش ونگار تھے ان کے پاس سے نکلا جو ابن ابی ماریہ کی فہرست میں موجود تھا۔ جب اس کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ یہ ہم نے موصوف سے خریدا تھا۔ مگر ہم پہلے بتانا بھول گئے تھے۔ دوبارہ یہ معاملہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا۔ جس پر دوسری آیت اتری اس وقت میت کے دو وارثوں نے کھڑے ہو کر قسم کھائی کہ ان دونوں عیسائیوں نے خیانت کی ہے اور جھوٹی قسم کھائی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پیالہ ان سے لے کر میت کے وارثوں کو دے دیا کہتے ہیں کہ تمیم دارمی بعد ازاں مسلمان ہوگیا تھا اور کہتا تھا کہ جو فیصلہ میرے خلاف ہوا وہ صحیح تھا واقعاً وہ برتن میں نے ناجائز طریقہ پر حاصل کیا تھا۔ (تفسیر بتیان ومجمع البیان)۔

ان آیات سے چند احکام کا استنباط

ان آیات سے چند احکام مستنبط ہوتے ہیں

۱۔ پہلا یہ کہ عام حالات میں وصیت کرنا سنت موکدہ ہے۔ مگر جس شخص کے ذمہ خلق وخالق کے کچھ واجبی حقوق کی ادئیگی واجب ہو اور اسے اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اس پر وصیت کرنا واجب ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ وصیت کرتے وقت دو عادل مسلمان گواہ مقرر کرنا چاہیں۔ ہاں اگر کوئی مسلمان سفر کی حالت میں وصیت کرے اور وہاں کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو اس کیلئے اہل کتاب میں سے دو گواہ مقرر کرنا جائز ہے اور پھر ان کی گواہی مقبول بھی ہوگی اور برادران اہلسنت میں سے امام احمد بن حنبل ہمارے ہمنوا ہیں مگر ان کے دوسرے تین امام جناب ابوحنیفہ مالک اور شافعی اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں ان کا کہنا ہے کہ غیر مسلمان مسلمان کے لئے شہادت نہیں دے سکتا مگر اس آیت مبارکہ سے ہمارے نظریہ کی تائید مزید ہوتی ہے۔

۳۔ تیسرا یہ کہ اگر گواہوں کی گواہی میں شک پڑ جائے تو پھر ان سے قسم لی جائے گی اور پھر اس پر اعتبار بھی کیا جائے گا۔

۴۔ چوتھا یہ کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ پہلے گواہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے اور جھوٹی ہی قسم کھائی ہے تو پھر میت کے وارثوں میں سے دو شخص قسم کھائیں گے اور قسم میں یہ بھی کہیں گے کہ ہماری گواہی ان لوگوں کی گواہی سے زیادہ برحق اور زیادہ صحیح ہے۔ اور اگر ہم نے حد سے تجاوز کیا تو ہم ظالموں میں سے ہوں گے۔

۵۔ پانچواں یہ کہ قسم نماز کے بعد لی جائے گی اس نماز سے نماز عصر مراد لی گئی ہے جس میں لوگوں کا اجتماع زیادہ ہوتا ہے اور یہ قسم لوگوں کے اجتماع میں یعنی مسجد میں لی جائے گی۔ اس طرح وصی اور وارث ہر قسم کی جھوٹی قسم کھانے اور غلط دعویٰ کرنے سے احتراز کریں گے۔ اور اس طریقہ کار سے پہلے گواہ صحیح صحیح گواہی دیں گے یا کم از کم انہیں اپنی رسوائی کا خوف تو دامنگیر ہوگا کہ اگر ہم نے جھوٹی گواہی دی تو پھر میت کے وارثوں کی گواہی ہماری گواہی کے خلاف بھی ہوسکتی ہے؟ یا انہیں یہ اندیشہ ہوگا کہ ہماری ہی گواہی اور قسم پر آخری فیصلہ نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ قسمیں میت کے وارثوں کی طرف بھی لوٹائی جاسکتی ہیں۔ اور وہ ان کی قسموں کے خلاف قسم کھا کر ان کو جھٹلا سکتے ہیں جس سے ان کی رسوائی ہوگی۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللهُ...۱۰۹... الآیۃ۔

جب حشر کے دن تمام اولین وآخرین اور سب اہل آسمان اور اہل زمین اکھٹے ہوں گے اور محاسب حقیقی ساری کائنات کا حساب وکتاب لے گا آغاز انبیاء ومرسلین سے کرے گا اور ان سے دریافت کرے گا۔ کہ آپ نے جو اپنی امتوں کو تبلیغ رسالت کی تھی تو ان کی طرف سے آپ کو جواب کیا ملا تھا؟ رسول کہیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں تو خود تمام غیوب کا بڑا جاننے والا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب رسولوں نے اپنی قوموں کے انکار واقرار اور اطاعت ومعصیت کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا تو پھر وہ کس طرح کہیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں ہے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان کا یہ جواب ادب واحترام خداوندی پر مبنی ہے۔ کہ ایک ظاہر بین کے علم کی اس ذات کے علم کے سامنے کیا حقیقت ہے جو عالم الغیب والشھادۃ ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے ظواہر اور ان کے ظاہری اقرار وانکار کو جانتے تھے انہیں کیا پتا کہ مخلص مومن کون ہے اور منافق کون؟ مخلص عبادت گذار کون ہے اور ریاکار کون؟ مگر خدا تو اپنی مخلوق کے تمام ظاہر وباطن سے کما حقہ واقف وآگاہ ہے اور کائنات کا کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے لہٰذا ان کے علم کو اس کے علم سے کیا نسبت؟ لہٰذا ایسی ذات کے بالمقابل اپنے علم کی نفی عین مقتضائے عقل وادب ہے۔ اور خدا کے رمز شناس مخلص بندوں سے ایسے موقع پر ایسے

ہی جواب کی توقع کی جاسکتی ہے۔اور ایک قدیم تفسیر کے مطابق تو یہ جواب کسی تاویل کا محتاج نہیں ہے۔کناسی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا۔آپ نے فرمایا:

یقول ماذا اجبتم فی اوصیا کم الذین خلفتمو هم علی امتکم ؟ قال فیقولون لا علم لنا بما فعلوا من بعدنا۔

یعنی خدا پوچھے گا کہ جن کو تم نے اپنے بعد اپنا وصی مقرر کر کے چھوڑا تھا ان کے بارے میں امت نے تمہیں کیا جواب دیا؟ تو رسول کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تو ہی علام الغیوب ہے تو بہتر جانتا ہے کہ ہمارے اوصیاء کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔(تفسیر عیاشی وبرہان)

دوسروں کے بارے میں تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے مگر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد امت نے ان کے اوصیاء واہلبیت علیہم السلام کے ساتھ جو سلوک کیا اس کے بیان سے قلم دوزبان عاجز و حیران ہے۔ع

اگر گویم زبان سوزد

خلاصہ کلام یہ ہے کہ۔ع

ہیچ کافر نکند آنچہ مسلمان کردند

وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ؟ (سورہ شعراءآیت۔۲۲۷) اگر اس سلسلہ میں احادیث حوض کا مطالعہ کر لیا جائے جو صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہیں تو بڑے بڑے حقائق کا انکشاف ہو جاتا ہے۔اور بہت سارے سربستہ راز کھل جاتے ہیں۔

فائدہ جدیدہ

علامہ طبرسی بیان کرتے ہیں کہ حاکم ابوسعید نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت شیعوں کے قول کے ابطال پر دلالت کرتی ہے جو کہ انبیاء کو عالم الغیب جانتے ہیں اس کے جواب میں فاضل موصوف فرماتے ہیں کہ:

هذا القول ظلم منه لهئولاء القوم انا لا نعلم احدًا منهم بل احدًا من اهل الاسلام يصف قاحدًا من الناس بعلم الغيب و من وصف مخلوقًا بذالك فقد فارق الدين والشيعة الامامية براء من هذا القول فمن نسبهم الى ذالك فالله فيما بينه

بینھم
یعنی یہ تہمت اس شخص کی طرف سے شیعہ قوم پر ظلم وزیادتی ہے۔ کیونکہ ہم کسی شیعہ کو نہیں جانتے بلکہ کسی اہل اسلام کو نہیں جانتے جو کسی انسان کو عالم الغیب جانتا ہو اور اگر بالفرض کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے تو وہ خارج از اسلام ہے اور شیعیانِ حیدر کرار اس سے بری و بیزار ہیں اور جو شخص اس بات کی ان کی طرف نسبت دیتا ہے اس کا اور ہمارا فیصلہ خدا پر ہے (مجمع البیان)

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ...۱۱۰... الآیۃ۔

اس آیتِ مبارکہ میں خداوند عالم نے جناب عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے جن خصوصی احسانات وانعامات کا تذکرہ کیا ہے جیسے (الف) روح القدس سے ان کی تائید کرنا (ب) ان کا پنگھوڑے میں اور ادھیڑ عمر میں یکساں گفتگو کرنا (ج) انہیں کتاب وحکمت وغیرہ کا پڑھانا (د) ان کا باذن اللہ چار معجزات دکھانا وغیرہ۔ ان تمام امور پر اس سے پہلے تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ مثلاً روح القدس کی حقیقت اور اس سے تائید پر سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۲ ''وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ...... '' کے ذیل میں ان کے مہد میں گفتگو کرنے پر سورہ آلِ عمران کی آیت ۴۶ کی تفسیر میں اور ان کو کتاب وحکمت پڑھانے پر سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۴۸ کی تفسیر کے ضمن میں اور باذن اللہ پر آپ کے چہارگانہ معجزات پر اسی سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۴۹ کی تفسیر میں۔ اور وہیں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہوتا ہے ہاں البتہ نبی ووصی کی دعا اور استدعا پر ان کی حقانیت ظاہر کرنے کی خاطر ان کے دستِ مقدس پر ظاہر کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خداوند حکیم نے چار بار ''باذنی'' کی تکرار کی ہے کہ تو میرے اذن وامر سے یہ کام کرتا تھا تا کہ یہ حقیقت واضح وآشکار ہو جائے کہ پیدا کرنا مردے کو زندہ کرنا۔ لاعلاج بیمار کو شفا دینا اور اندھے کو بینا کرنا خدا کا فعل ہے۔ کسی بندے کا فعل نہیں ہے تا کہ کوئی کوتاہ اندیش ان معجزات کو دیکھ کر عبد کو معبود اور مخلوق کو خالق نہ سمجھ لے۔ الغرض خداوندِ علیم وحکیم نے باقی انبیاء ومرسلین کے اجمالی سوال وجواب کا تذکرہ کرنے کے بعد خصوصی طور پر جناب عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصی ذکر اور ان پر اپنے خصوصی احسانات کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ سب انبیاء ومرسلین میں سے سب سے زیادہ شرک انہی کے بارے میں کیا گیا ہے جس کا سلسلہ آج تک برابر جاری ہے؟ خداوندِ عالم علی رؤوس الاشہاد پوچھنا صرف یہ چاہتا ہے کہ:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ؟ (سورہ مائدہ)

کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کے علاوہ دو خدا بنالو؟

جناب عیسیٰ علیہ السلام یہ سن کو تڑپ جاتے ہیں اور ان لفظوں میں اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں:

سُبْحٰنَكَ (تو ہر شرک سے پاک ہے)

مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ؟ میری کیا مجال تھی کہ میں وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق حاصل نہیں۔ (سورہ مائدہ آیت ......۱۱۶)

مطلب یہ کہ تو مجھ پر اس طرح اپنے لطف وکرم کی بارش برسائے اور میں اس طرح تیرا ناشکرا بندہ بن جاؤں؟ ھاشا و کلا۔ یعنی یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے چند آیتوں کے بعد اس سوال و جواب کی تفصیل آ رہی ہے فانتظر۔!

وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ...۱۱۰... الأية۔

خداوند عالم کے ان خصوصی انعامات میں سے جو اس نے جناب عیسیٰ علیہ السلام پر کیے ایک یہ بھی ہے کہ کئی بار بنی اسرائیل (یہود) نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف عام ضرر وزیاں پہنچانے کی بلکہ ان کی شمع حیات کو گل کرنے کی بھی کوشش کی۔ مگر ہر بار خدائے قہار نے ان کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا۔ مگر پھر بھی وہ اس قدر ہٹ دھرم تھے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات بینات دیکھ کر ایمان نہیں لائے بلکہ انہیں برابر جادوگر ہی کہتے رہے۔

آیات القرآن

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے حواریون کو الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور گواہ رہنا کہ ہم مسلمان (تیرے فرمانبردار بندے) ہیں (۱۱۱) (حواریون) کے بارے میں یہ قصہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انہوں نے کہا اے عیسیٰ بن مریمؑ کیا آپ کا پروردگار اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان اتارے عیسیٰؑ نے کہا اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرو۔ اگر تم مومن ہو؟ (۱۱۲) کہنے لگے ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا۔ اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں (۱۱۳) عیسیٰ بن مریمؑ نے (دعا کرتے ہوئے) کہا اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کر جو ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں پچھلوں کیلئے عید قرار پائے اور تیری طرف سے قدرتی نشانی بن جائے۔ اور ہمیں روزی عطا فرما تو بہترین روزی عطا کرنے والا ہے (۱۱۴)

تفسیر الآیات

وَاِذْ اَوْحَيْتُ...۱۱۱...الآية

وحی کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو انبیاء ومرسلین کے ساتھ مخصوص ہے مگر اس کے اور بھی چند معنی ہیں منجملہ ان کے ایک الھام والقاء بھی ہیں او حینا الی ام موسیٰ (ہم نے مادرِ موسیٰ کو وحی کی یعنی ان کو الہام کیا اور اس کے ایک معنی فطری ہدایت بھی ہیں جیسے و او حینا الی النحل (ہم نے شہد کی مکھی کو وحی کی یعنی اس کی فطرت میں یہ بات ودیعت کی) یہاں یہی الہام والے معنی مراد ہیں کہ ہم نے حواریوں کے دل میں القاء کیا یعنی ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ مجھ پر اور میرے رسول عیسیٰ پر ایمان لاؤ۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔

حواریین کے لغوی اور اصلاحی معنی و مفہوم کی تحقیق قبل ازیں سورہ آل عمران کی آیت ۵۶ "قَالَ

اَلۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللہ ‘‘ کی تفسیر کے ضمن میں بیان کی جاچکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

اِذۡ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ... ۱۱۲... الآیۃ

خدا تعالیٰ اور عیسیٰ بن مریمؑ کا باہمی مکالمہ شروع تھا جو قیامت کے دن ہوگا کہ درمیان میں حوارین کے ذکر آجانے کی وجہ سے جملہ معترضہ کے طور پر تین آیتوں میں انہی کے متعلق ایک اور واقعہ کا تذکرہ کر دیا گیا حالانکہ یہ اس گفتگو کا حصہ نہیں ہے جو قیامت کے دن ہوگی۔تا کہ اس سے عیسائیوں کو اسی دنیا میں اس سے عبرت حاصل ہو اور وہ مسیح۔کے بارے میں بدعقیدہ سے باز آجائیں اور توبہ کر کے راہ راست پر آجائیں۔

هَلۡ یَسۡتَطِیۡعُ رَبُّكَ... ۱۱۲... الآیۃ

دوسوال اوران کے جوابات

یہاں دوسول پیدا ہوتے ہیں پہلا یہ کہ جب حوارین خدا اور اس کے رسول عیسیٰؑ پر ایمان لا چکے تھے تو پھر مائدہ (خوان نعمت) کے آسمان سے نازل کرنے کا مطالبہ کیوں کیا اور دوسرا یہ کہ جب وہ خدا پر ایمان رکھتے تھے اور اسے قادر بھی جانتے تھے تو پھر لفظ ’’هَلۡ یَسۡتَطِیۡعُ رَبُّكَ‘‘ کیوں استعمال کیا جس کے ظاہری معنی ہیں کیا تمہارا پروردگار آسمان سے خوانِ نعمت نازل کرنے کی استطاعت وقدرت رکھتا ہے؟ اس سے تو تشکیک کی بو آتی ہے۔

پہلے سوال کا جواب خود قرآن میں مذکور ہے کہ ’’تَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُنَا‘‘ وہ چاہتے تھے کہ عقلی و برہانی ایمان کے بعد مشاہداتی وعیانی ایمان حاصل کر کے اطمینانِ قلب کی منزل پر فائز ہوں۔جس طرح جب جناب خلیلؑ نے خدا سے مردہ کو زندہ کر کے دکھانے کا مطالبہ کیا تھا تو خدا نے ان سے سوال کیا تھا **اولم تئومن**؟ کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں ہے؟ اس کے جواب میں جناب خلیلؑ نے اس سے عرض کیا تھا ’’بَلٰی وَ لٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ‘‘ ایمان تو ضرور ہے۔مگر اطمنانِ قلب چاہتا ہوں۔(سورہ بقرہ آیت......۲۶۰)

اور ظاہر ہے کہ ایسی خواہش کرنا ممنوع نہیں ہے اور نہ ہی مذموم اور دوسرے سوال کے مفسرین نے دو جواب دیے ہیں ایک یہ کہ ’’یستطیع‘‘ سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ ہمارے لئے خدا سے مائدہ کے نزول کی دعا واستدعا کریں تو کیا خدا آپ کی یہ دعا قبول فرمائے گا؟ تا کہ یہ بات آپ کی صداقت کی قطعی دلیل قرار پائے؟

دوسرا یہ کہ یہاں استطاعت بمعنی اقتضاء مصلحت ہے یعنی آیا آپ کے پروردگار کی حکمت بالغہ اس

بات کا تقاضا کرے گی کہ ہمارا مطالبہ پورا کرتے ہوئے ہم پر خوانِ نعمت نازل فرمائے؟

قَالَ اتَّقُوا اللہ... ۱۱۲ الآیۃ۔

اگر تم مومن ہو تو خدا سے ڈرو۔ اور اس سے نئے نئے مطالبے نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ خدا تو تمہارا مطالبہ پورا کر دے مگر تم اس کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکو اور اس طرح اس کے وزر و وبال میں گرفتار ہو جاؤ۔

حواریوں کے اس مطالبہ کے چار مقاصد تھے

قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ اللّٰهُمَّ... ۱۱۳ الآیۃ

بہرحال جناب عیسیٰ علیہ السلام نے حوارین کے اس اصرار سے کہ ہم چاہتے ہیں کہ

(۱) اس دسترخوان سے کھائیں اور اپنی بھوک مٹائیں۔

(۲) ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔

(۳) ہمیں علم الیقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے۔

(۴) اور لوگوں کے سامنے اس کی گواہی دیں شاید کہ وہ اس طرح راہِ راست پر آ جائیں؟

اور یہ دیکھ کر کہ ان لوگوں کے اس مطالبہ میں تعصب اور حجت بازی نہیں ہے آخر کار ان لوگوں کی درخواست رب العزت کی بارگاہ میں ان لفظوں میں پیش کر ہی دی۔

''اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوۡنُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنۡکَ وَارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ'

فائدہ

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی دعا میں واردشدہ جملہ ''تکون لنا عیداً لا ولنا و آخر نا'' تا کہ خوان نعمت کا نزول ہمارے سب اگلے پچھلے لوگوں کیلئے عید قرار پائے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی کسی خاص دینی یا دنیوی نعمت ورحمت کا نزول ہو۔ اسے عید قرار دینا اور حدود شریعت کے اندر رہ کر مسرت وشادمانی کا اظہار کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا بدعت نہیں بلکہ انبیاء ومرسلین اور عباد اللہ الصالحین کا شیوہ وشعار ہے۔ اور اہل ایمان کا دستور ہے۔

آیات القرآن

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ
عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۠ ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ
مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ
قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ
قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ
فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ
شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾

ترجمة الآیات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں وہ (خوان) تم پر اتارنے والا ہوں اب اس کے بعد جو کفر اختیار کرے گا تو میں اسے ایسی سزا دوں گا جیسی دنیا جہان میں کسی کو بھی نہیں دی ہو گی (۱۱۵) وہ وقت جب خدا فرمائے گا۔ اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟ عیسیٰ کہیں گے پاک ہے تیری ذات بھلا میں وہ بات کس طرح کہہ سکتا ہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں ہے اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہوتی تو تجھے ضرور اس کا علم ہوتا۔ کیونکہ تو وہ سب کچھ جانتا ہے جو میرے دل میں ہے مگر میں تیرے اسرارِ نہانی کو نہیں جانتا۔ بلا شبہ تو غیب کی تمام باتوں کا بڑا جاننے والا ہے (۱۱۶) میں نے ان سے کچھ نہیں کہا تھا سوا اس بات کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ

عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اور میں اس وقت تک ان پر گواہ تھا جب تک ان میں تھا پھر جب تو نے مجھے (دنیا سے) اٹھا لیا تو پھر تو ہی ان کا نگران تھا اور تو ہی ہر چیز پر گواہ ہے (۱۱۷)

تفسیر الآیات

۱۳۱۔ قَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ... الآیۃ۔

اللہ نے فرمایا بے شک میں اسے نازل تو کروں گا۔ مگر جو اس کے بعد کفر اختیار کرے گا تو پھر میں اسے ایسی سزا دوں گا جیسی دنیا جہان میں کسی کو نہیں دی ہوگی۔

اس آیت میں تین چیزیں قابلِ غور ہیں

اب یہاں تین چیزیں قابلِ غور ہیں ایک یہ کہ آیا اس کے بعد وہ مائدہ نازل ہوا یا نہ؟ دوسری یہ کہ اگر نازل ہوا تو اس کی کیفیت اور نوعیت کیا تھی؟ تیسری یہ کہ اس کے نزول کے بعد کسی نے کفر اختیار کیا یا نہ اور اگر کیا تو خدا نے اسے سزا کیا دی؟ سو پہلی بات کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ لوگ خدا کی اس دھمکی سے ڈر گئے تھے اور اپنے مطالبے سے دست بردار ہو گئے تھے اس لئے کوئی مائدہ نازل نہیں ہوا۔ مگر یہ دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے۔ بلکہ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے موکد وعدہ (اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ) کے مطابق وہ مائدہ اتوار کے دن نازل فرمایا ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ'' (سورہ آل عمران آیت......۱۶، سورہ رعد آیت......۳۱) تا کہ لوگوں پر حجت تمام ہو جائے اور ہر قسم کے قیل وقال کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو جائے اب رہی دوسری بات کی تحقیق کہ مائدہ (خوان نعمت میں) کون کون سی نعمتیں تھیں؟ اور کون کون سے کھانے تھے؟ اس سلسلے میں روایات میں اختلاف ہے کسی میں ہے کہ روٹی اور گوشت تھا کسی میں وارد ہے کہ سات قسم کی روٹیاں اور سات قسم کی بھونی ہوئی مچھلیاں تھیں جن میں ہر قسم کا ذائقہ الگ تھا بروایتے روٹیوں اور مچھلیوں کی تعداد نو تھی بعض میں وارد ہے کہ اس مائدہ میں جنت کے پھل فروٹ تھے۔ (مجمع البیان وغیرہ)

مگر اس کی یقینی کیفیت پردہ خفا میں ہے اور ویسے بھی اس کا معلوم کرنا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے۔ کما لا یخفی

اب رہی تیسری بات کی تحقیق کہ اس مطالبہ کی منظوری اور اس اعجاز کے ظہور کے بعد ان لوگوں میں

سے کسی نے کفر اختیار کیا؟ اور اگر کیا تو اسے خدا نے سزا کیا دی؟ اگر چہ بعض احادیث سے اس سوال کا جواب اثبات میں ملتا ہے کہ بعض نے کفر کیا اور خدا نے انہیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا (عیاشی وصافی وغیرہ)

مگر ایک چیز شدت سے دل و دماغ میں کھٹکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا نے دھمکی یہ دی تھی کہ جو اس کے بعد کفر اختیار کرے گا میں اسے وہ سزا دوں گا جو دنیا جہاں میں کسی کو نہ دی ہوگی۔ اور یہ سزا یعنی کسی نافرمان کو مسخ کر کے بندر یا خنزیر بنانا وہ تو اس سے بہت عرصہ پہلے یوم السبت میں مچھلیوں کا شکار کرنے پر یہود کو دے چکا تھا۔ جیسا کہ سورہ بقرہ آیت نمبر ۶۵ میں مذکور ہے "وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ"۔ اور اس سے پہلے کچھ لوگوں کو خنزیر بنانے کی سزا دینا بھی قرآن میں مذکور ہے کہ "جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ" (سورہ مائدہ آیت......۶۰)۔ واللہ العالم۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ...االأية۔

خداوند عالم اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اس کا سلسلہ چل رہا تھا کہ درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر حواریوں اور ان کے نزول مائدہ کے مطالبہ وغیرہ کا تذکرہ چل نکلا اب پھر وہی سلسلہ جاری ہو رہا ہے کہ خداوند عالم اپنے وہ خصوصی انعامات و احسانات گنوا کر جو اس نے جناب عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی مادر گرامی پر کئے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو جھنجھوڑ کر پوچھ رہا ہے کہ "ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ ....سورہ مائدہ......۱۱۶" اے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا۔ کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کے علاوہ خدا مانو؟ ظاہر ہے کہ خدا کو تو معلوم ہی تھا۔ کہ جناب عیسیٰؑ نے ہرگز کبھی کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ تاہم خدا چاہتا تھا کہ ان کی زبان سے اس کی نفی کرا کے لوگوں کو ان کی غلطی پر متوجہ کرے جو ان کے بارے میں غلو کر کے ان کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ چنانچہ جناب عیسیٰؑ یہ سوال سن کر کانپ اٹھتے ہیں اور فوراً ان لفظوں میں اس بات سے اپنی برأت اور لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں کہ "سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ" (سورہ مائدہ......ایت۔۱۱۶) تو ہر شریک سے پاک ہے میری کیا مجال ہے کہ میں وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے مزید برآں عرض کرتے ہیں کہ "ان قُلْتُهٗ" اگر میں نے یہ بات کہی ہے تو تو جانتا ہے کیونکہ تو ظاہر و باطن سے آگاہ ہے۔ جبکہ میں تیرے سب حالات و کوائف سے آگاہ نہیں ہوں تو ہی علام الغیوب ہے اور تمام غیبی امور کو جانتا ہے۔

۔مَا قُلْتُ لَهُمْ ...الآیہ

میں نے تو ان سے صرف وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا

بھی پروردگار ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا دوسرے داعیان حق سب نے لوگوں کو خدا پرستی اور توحید کی تعلیم دی تھی لیکن ان کی پیروی کے دعویداروں نے انہی کی پرستش شروع کر دی ظاہر ہے کہ اس گمراہی کے ذمہ دار یہی پیرو ہیں نہ وہ جن کی پرستش کر رہے تھے ان کا دامن اس سے پاک ہے۔

امت مرزائیہ کے ایک غلط استدلال کا ابطال

وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ ...۱۱۷الآیۃ۔

میں اس وقت تک ان کا گواہ تھا جب تک ان میں موجود تھا مگر جب تو نے مجھے مکمل طور پر قبض کر لیا یعنی آسمان پر اٹھا لیا تو اب تو ہی ان کا نگہبان اور ناظر و نگران ہے اور تو ہی گواہ ہے اس ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي'' کے ظاہری لفظوں کا سہارا لیتے ہوئے امت مرزائیہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر استدلال کیا کرتی ہے وہم بفضلہٖ تعالیٰ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ ''يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ......'' کی تفسیر کے ضمن میں دلائل و براہین سے واضح کر چکے ہیں کہ ''توفی'' کے معنی موت دینے کے نہیں بلکہ اس کے حقیقی معنیٰ ''اخذالشئی وافیا'' کسی چیز کو مکمل طور پر قبضے میں لینے کے ہیں بنا بریں ''توفاه'' کے معنی ہوں گے ''لم یدع منه شیئا'' کہ فلاں نے اس کو اس طرح لیا کہ کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا (تاج العروس)

یہ لفظ موت کے معنی میں مجازاً استعمال ہوتا ہے۔ پس اس کے حقیقی معنی پورا پورا قبض کرنے کے ہیں۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ انہوں نے جناب عیسیٰؑ کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ لہٰذا وہ وفات پا گئے نصرانیوں کا خیال تھا کہ ان کا جسم سولی پر چڑھ گیا۔ اور روح آسمان پر چلی گئی۔ خداوندِ کریم وخبیر نے دونوں کے باطل نظریات کی رد کرتے ہوئے فرمایا:

''وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ......بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ''

نہ انہوں نے (عیسیٰؑ) کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ اللہ نے انہیں مکمل طور پر یعنی جسم مع الروح کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ (سورہ نساء آیت......۱۵۷، ۱۵۸)

جب اس لفظ کے حقیقی معنی یہ ہیں اور حدیثوں سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے تو پھر اس لفظ کو غلط معنوں کا جامعہ پہنانے کا کیا جواز ہے؟

آیات القرآن

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿١١٨﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ
جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١٩﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٢٠﴾

ترجمۃ الآیات

اگرتو انہیں سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو غالب ہے اور بڑا حکمت والا ہے (۱۱۸) ارشادِ قدرت ہوگا یہ وہ دن ہے کہ جس میں سچوں کی سچائی ان کو فائدہ پہنچائے گی۔ان کیلئے ایسے بہشت ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی (دونوں ایک دوسرے سے خوش) یہی سب سے بڑی کامیابی ہے (۱۱۹) اللہ ہی کیلئے ہے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے ان سب کی اور وہ ہر شے پر قادر ہے (۱۲۰)

تفسیر الآیات

۱۳۵۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ...الآیة

اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور تو عادل ہے اور اگر انہیں بخش دے تو یہ کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں کیونکہ تو زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔لہٰذا تو جو فیصلہ بھی کرے گا وہ عادلانہ، غالبانہ اور حکیمانہ ہی ہوگا۔

۱۳۶۔ قَالَ اللّٰہُ ھٰذَا یَوْمُ ... الآیۃ۔

ارشادقدرت ہوگا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کوان کی سچائی فائدہ پہنچائے گی۔جنہوں نے زندگی بھرقولی وعملی سچائی کا دامن تھامے رکھا آج ان کواس کاثمرہ ملے گا۔اس آیت کی تفسیر میں علامہ علی نقی اعلی اللہ مقامہ لکھتے ہیں ''اس سے ظاہر ہے کہ دنیا میں تو اکثر سچوں کوان کے سچ سے نقصان بھی پہنچتا ہے اوران کی زندگی اکثر عسرت و ناکامی کا مرکزنظر آتی ہے وہ اکثر مظالم کی آماجگاہ بنے رہتے ہیں اس سے ان کی آنکھیں کھلنا چاہیں جو دنیاوی کامیابی وکامرانی یاوقتی قہروغلبہ کی ترازو پر حقانیت کوتولنے کے منادی ہیں مگرقرآن سے صاف ظاہر ہے کہ صادقین کی حقانیت کواس دنیا کی کامرانی کے معیار پرنہیں جانچا جاسکتا۔

اس کے بعدوہ افرادجنہیں ''کونوا مع الصادقین'' کہہ کرمرکزاتباع قرار دیا گیا ہےانہیں دنیا کے بااقتدارصفوف میں ڈھونڈھنا درست نہ ہوگا بلکہ گوشہ نشینوں، کسمپرسی میں زندگی گزارنے والوں اورظلم وستم کے قیدخانوں میں اسیرافراد میں الصادقین ملیں گےجن کی اصل کامرانی اسی دن سامنے آئے گی جب خالق کی ندا ہوگی ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ ''(فصل الخطاب جلد ۵۸۳)۔

ان کیلئے وہ بہشت ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی اوروہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گےاللہ ان سےخوش اوروہ اللہ سےخوش یہ سب سے بڑی کامیابی ہےجس کے بالمقابل ہرکامیابی اور ہرنعمت ہیچ ہے ورضوان اللہ اکبر۔

۱۳۷۔ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ... الآیۃ۔

آسمانوں اورزمین اورجوکچھ ان کے درمیان ہے، کی بادشاہی اللہ ہی کیلئے ہےاوروہ ہرچیز پرقادر ہے ساری کائنات خواہ علوی ہو یاسفلی،نوری ہو یاناری یاخاکی الغرض پورے عالم امکان کاخالق ومالک اور پالک رب رحمن ہی ہےجس کی ذات،صفات،افعال اورعبادت میں کوئی شریک نہیں ہےاوروہ ایسا قادرمطلق ہے کہ کائنات کی کوئی چیزاس کےاقتدارواختیار سے باہرنہیں ہے۔یفعل مایشاء ویحکم مایرید۔

سُوۡرَةُ الۡاَنۡعَامِ

مكية وهي ماة وخمس و ستون آيته و عشرون ركوعًا

یہ سورہ مکی ہے اس کی ایک سو پینسٹھ آیتیں اور بیس رکوع ہیں

سورہ انعام کی وجہ تسمیہ

انعام کے معنی چوپایہ جانوروں کے ہیں اور چونکہ اس سورہ کے رکوع ۱۶ اور ۱۷ میں بعض مویشیوں کی حلت وحرمت کا نمایاں طور پر تذکرہ کیا گیا ہے اس لئے اس کا نام انعام رکھا گیا ہے۔

عہد نزول

اس سورہ کے زمانہ نزول کے متعلق مشہور یہ ہے کہ یہ مکہ میں نازل ہوا اور بیک وقت نازل ہوا حالانکہ مشہور یہ ہے کہ فروع دین یعنی حلال وحرام کے احکام کی آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ باقی تمام سورہ انعام تو مکہ میں نازل ہوا مگر اس کی چند آیات احکام مدینہ میں نازل ہوئیں (مجمع البیان وغیرہ)

مگر یہ کلیہ کہ تمام احکام اور ان کی متعلقہ آیات مدینہ میں نازل ہوئیں درست معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ فروع دین میں بعض عبادات جیسے نماز وغیرہ اور بعض معاملات جیسے عقد و ازدواج کے احکام مکہ میں جاری تھے جن کا تعلق دین کے فروعی شعبہ یعنی شریعت سے ہے اور یہ لفظ (شریعت) بھی مکی سورہ جاثیہ میں نازل ہو چکی تھی ۔''ثُمَّ جَعَلۡنٰكَ عَلٰی شَرِیۡعَةٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡهَا'' (سورہ جاثیہ آیت......۱۸)۔

اس سورہ کی فضیلت۔

۱۔ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں فرمایا:

جب سورہ انعام پیغمبرؐ پر نازل ہوا تو ستر ہزار فرشتوں نے تسبیح وتقدیس الٰہی کرتے ہوئے اس کی مشایعت کی۔

فرمایا: اس میں ستر جگہ خدا کا ذاتی نام نامی (اللہ) مذکور ہے اور اگر لوگوں کو اس کی فضیلت معلوم ہو جاتی تو کبھی بھی اس کی تلاوت ترک نہ کرتے۔

پھر امام نے فرمایا: جس شخص کو کوئی حاجت درپیش ہو جس کی خدا سے حاجت برآری چاہتا ہو تو اسے

چاہیے کہ چار رکعت نماز (حاجت بدو سلام) پڑھے جس کی ہر رکعت میں الحمد للہ اور سورہ انعام پڑھے اور سلام کے بعد یہ دعا پڑھے۔

یا کریم یا کریم یا عظیم یا عظیم من کل عظیم یا سمیع الدعاء یا من لا تُغیرہ الایام و اللیالی صل علی محمد و آل محمد ارحم ضعفی و فقری و فاقتی و مسکنتی فَانك اعلم بها منی و انت اعلم بحاجتی یا من رحم الشیخ یعقوب حین رد علیه یوسف قرۃ عینه یا من رحم ایوب بعد حلول بلائه یا من رحم محمدا علیه اسلام بین الیتم وآواہ و نصرہ علی جبابرۃ قریش و طواعیتها و امکنه منهم یا مغیث یا مغیث یا مغیث

(اس کے اخری اسم اعلی) کی تکرار کرے بخدا اگر کوئی حاجتمند یہ نماز پڑھ کر یہ دعا پڑھے اور بعد از ان خدا سے اپنی تمام حاجات طلب کرے تو خدائے کریم ان کے برلانے میں بخل سے کام نہیں لے گا حاجات بر آری فرمائے گا۔ انشاء اللہ (تفسیر عیاشی، مجمع الیان۔ البرہان۔)

۲۔ جناب ابن عباس سے مروی ہے فرمایا: جو شخص ہر رات سورہ انعام پڑھے وہ بروز قیامت امان پانے والوں میں سے ہوگا اور کبھی اپنی آنکھ سے آتش جہنم نہیں دیکھے گا (العیاشی و لبرہان)۔

اس سورہ مبارکہ کے مضامین عالیہ کا جامع خلاصہ

ویسے تو قرآن مجید کی ہر سورت مختلف مطالب و معانی کا ایک بحر مواج ہوتا ہے جس کا مکمل طور پر احاطہ کرنا ایک انسان ضعیف البنیان کے بس کا روگ نہیں ہے ہاں البتہ بطور نمونہ مشتے از خروارے اس کے بعض موٹے موٹے مضامین کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں تا کہ اس کے مضامین کے تنوع کا کچھ اندازہ ہو جائے۔

(۱)۔ چونکہ اہل مکہ اگرچہ خدا کے وجود کے منکر نہ تھے البتہ اس کی توحید و تفرید کے منکر تھے اور اس کے افعال میں عموماً اور عبادت میں خصوصاً شرک جیسے ناقابل معافی جرم کا بلا تامل ارتکاب کرتے تھے اس لئے سورہ میں جا بجا شرک کا ابطال کر کے توحید کا اثبات کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں توحید کے اثبات کیلئے خلیل خداؑ کا طریقہ استدلال بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۲) وہ لوگ چونکہ حیات بعد الممات کے شدت سے منکر تھے اور وہ اسے ایک ڈھکوسلا سمجھتے تھے اس لئے اس سورہ میں جا بجا عقیدہ آخرت اور حشر و نشر پر زور دیا گیا ہے اور اس کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔

(۳)۔ اس میں خداوند عالم کے علم کی ہمہ گیری اور اس کا عالم الغیب ہونا بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی رؤیت کی نفی بھی کی گئی ہے۔

(۴)۔اس میں جہاں اخلاق عالیہ کی تعلیم دی گئی ہے وہاں اسلامی رواداری کا مظاہرہ بھی کیا گیا ہے کہ مشرکین عرب کے معبودان باطل کو سب وشتم کرنے سے ممانعت کی گئی ہے۔

(۵)۔اس میں عہد جاہلیت میں جانور وغیرہ کے بارے میں بعض جاہلانہ رسموں کا تذکرہ کر کے ان کی اصلاح کی کامیاب کوشش وکاوش کی گئی ہے۔

(۶)۔اس میں عدل الٰہی کا اثبات کیا گیا ہے۔

(۷)۔اولاد کشی کی جہاں مذمت کی گئی ہے وہاں اس کی سخت ممانعت بھی کی گئی ہے۔

(۸)اس میں یتیم کے مال کی حرمت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۹)۔اس میں فرقہ بندی، فرقہ سازی اور فرقہ پرستی کی سخت مذمت وممانعت کی گئی ہے۔

(۱۰)۔دنیا کے مال وثروت کی کثرت پر غرہ ہونے والوں کے انجام کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کے جو آئین تھے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۱)۔پیغمبر اسلامؐ کی دعوت حق کے خلاف لوگوں کے مختلف ایرادات کے جوابات دے گئے ہیں۔

(۱۲)۔جس ذبیحہ پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو۔اس کا گوشت کھانے کی ممانعت کی گئی ہے۔

(۱۳)۔اخلاص فی العمل کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو یہ تعلیم بھی دی ہے کہ ہمارا سب کچھ خدا کا ہے۔قبل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔

(۱۴)۔اس میں انسانی زندگی کی غرض وغایت بھی بیان کی گئی ہے۔

(۱۵)۔اس میں پیغمبر اسلامؐ کو مشرکین کی ایذارسانیوں پر صبر وضبط کرنے کی تلقین کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ سے پہلے بھی بہت سے انبیاء ومرسلین آئے مگر لوگوں نے ہمیشہ ان سے ایسا ہی سلوک کیا۔مگر انہوں نے ہمیشہ ہی صبر کیا " فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ "(سورہ احقاف آیت ...... ۳۵)۔آپ کو کوئی نئی گالی نہیں دی جا رہی ہے بلکہ وہی پرانی گالیاں ہیں جو ہادیان برحق کو دی جاتی رہی ہیں۔"مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ "(حم سجدہ آیت ...... ۴۳)اس طرح آپؐ کو تسلی وتشفی دی گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔

آیات القرآن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ
یَعْدِلُوْنَ ۝١ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ
مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝٢ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی
الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝٣ وَمَا
تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝٤ فَقَدْ
كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ
یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٥ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ
فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪
وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا
مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝٦

ترجمۃ الآیات

(شروع کرتاہوں) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا پھر بھی جو کافر ہیں وہ دوسروں کو اپنے پروردگار کے برابر ٹھہراتے ہیں (١) وہ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر (زندگی کی) ایک مدت مقرر کی اور ایک مقررہ مدت اور بھی ہے جو اسی کے پاس ہے پھر بھی تم شک کرتے ہو (٢) اور وہی (ایک) اللہ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین

میں بھی، جو تمہارے باطن وظاہر اور جو کچھ تم بھلائی و برائی کرتے ہو سب کو جانتا ہے (۳) ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے پروردگا کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان کے پاس نہیں آتی مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں (۴) چنانچہ انہوں نے اس حق (قرآن) کو بھی جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا۔ سوعنقریب ان باتوں کی خبریں ان کے پاس آجائیں گی جن کا وہ مذاق اڑاتے رہے ہیں (۵) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے دوروں کے لوگوں کو ہلاک و برباد کر دیا جنہیں ہم نے زمین میں وہ اقتدار دیا تھا جو تمہیں بھی نہیں دیا ہے اور ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائی۔ اور ہم نے ان کے نیچے نہریں بہائیں (انجام کار) ہم نے ان کے گناہوں (اور کفران نعمت) کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسرے دور کی نسلیں پیدا کیں۔ (۶)

تفسیر الآیات

۱۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ...... الآیۃ۔

نزول قرآن کے وقت دنیا شرک وکفر کے گہرے سمندر میں غوطہ زن تھی کوئی یزادان واہرمن دو خداؤں کی پرستش کرتا تھا تو کوئی عزیر کو اللہ کا بیٹا قرار دیتا تھا کوئی تثلیث کے چکر میں گرفتار تھا تو کوئی تین سو ساٹھ معبودوں کی پوجا پاٹ کرتا تھا اور ہندوستان تو کروڑوں دیوتاؤں کو خدا کا شریک جانتا تھا اس وقت قرآن نے وہ خالص توحید پیش کی جس کی نظیر ادیان عالم میں کہیں نظر نہیں آتی۔ اس وقت قرآن نے اعلان کیا کہ عالم اکبر ہو یا عالم اصغر عالم بالا ہو یا عالم پائیں اندھیرا ہو یا اجالا شب ہو یا روز الغرض ثریٰ سے ثریا تک اور سماء سے سمک تک تمام کائنات کا خالق و مالک اور پالک صرف خدائے واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور جب حقیقت یہ ہے تو پھر لامحالہ ماننا پڑے گا کہ معبود و مسجود بھی صرف ایک ہے لہٰذا حمد وثنا کا مستحق وہی ہے اور عبادت کرنے سجدہ کرنے منتیں ماننے اور حاجت برآری کرنے اور دعائیں مانگنے میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں ہے تعجب ہے کہ قرآن کے اولین مخاطب وہ مشرکین عرب تھے جو یہ بات مانتے تھے کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ ہی ہے اور گردش لیل ونہار کا فاعل اور نور وظلمت کا جاعل اللہ ہی ہے۔ ”وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ“ (سورہ عنکبوت آیت...... ۶۱) مگر اس کے باوجود وہ اپنے خود ساختہ بتوں دیوتاؤں کو اس کا شریک اور ہمسر ٹھہراتے تھے ان کے نام کی نذریں نیازیں دیتے تھے۔ ان کے سامنے سجدہ

ریز ہوتے تھے۔ اور انہیں مشکل کشاء و حاجت روا جانتے تھے یا للعجب!!

۲۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ...الآیۃ

انسان کے مٹی سے پیدا کرنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ انسان کی خلقت اور اس کی نسل کا آغاز مٹی سے ہوا ہے کیونکہ سب انسان اولاد آدم ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہے۔ ''و کلکم من آدم و آدم من تراب'' تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے ہیں۔ ''اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ'' (سورہ ص آیت......۷۱)۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر فرد بشر گوشت وخون سے بنا ہے اور گوشت وخون زمین کی نباتات اور حیوان کے گوشت سے اور پھر وہ گوشت نباتات سے اور نباتات مٹی (زمین) سے ہے۔

اس لئے ارشاد قدرت ہے۔ ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ'' (سورہ مومنون آیت۔۱۲)

ارشاد ہوتا ہے: ''مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی'' ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے اور پھر ہم تمہیں اسی مٹی کی طرف لوٹا دیں گے اور اسی سے باہر نکال کر (میدان حشر) میں لائیں گے۔ (سورہ طٰہٰ آیت......۵۵)

۳۔ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ...الآیۃ

یہ پھر اللہ نے اس کیلئے ایک مدت مقرر کی اور ایک اور مقررہ مدت ہے اس کے ہاں۔ قضا کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی کسی چیز کا حتمی فیصلہ کرنا بھی ہے۔ اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے علیم وحکیم نے ہر شخص کیلئے دو اجلیں اور مدتیں مقرر کی ہیں ان سے کیا مراد ہے؟ عام مفسرین نے پہلی اجل سے ہر انسان کی زندگی مراد لی ہے کہ وہ کس قدر دنیا میں زندہ رہے گا اور اس کے بعد موت کے ذریعہ اس سے اٹھا لیا جائے گا اور دوسری اجل سے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر میدان حشر میں آنا مراد لیا ہے یا بالفاظ دیگر پہلی اجل کا تعلق ہر شخص سے ہے کہ وہ کب مرے گا اور دوسری اجل کا تعلق پوری انسانی نوع کے ساتھ ہے کہ اس کی بقاء کی مدت کب ختم ہوگی؟ جس کے بعد قیامت آئے گی؟ جس کا یقینی علم خدا ہی کے پاس ہے۔ ''عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ'' (سورہ لقمان آیت......۳۴، سورہ زخرف......آیت۔۸۵) ''''لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ'' (سورہ اعراف آیت......۱۸۷) اس کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔

اجل محتوم اور اجل غیر محتوم کا تذکرہ

ائمہ معصومینؑ کی بعض روایات سے اس کی ایک اور تفسیر بھی معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند عالم کے پاس دو لوحیں ہیں ایک کا نام لوح محفوظ ہے کہ جو کچھ کائنات میں ہوتا رہتا ہے وہ سب اس میں بالتفصیل لکھا ہوا ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ اور یہ ہے اجل محتوم اور اجل غیر مشروط اور دوسری لوح کا نام ہے لوح محو و اثبات جس کے نوشتہ جات میں مختلف علل و اسباب کے تحت تغیر و تبدل کا سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے مثلاً صلہ رحمی کرنے سے عمر بڑھ جاتی ہے اور قطع رحمی کرنے سے گھٹ جاتی ہے یا صدقہ و خیرات دینے سے بلا ٹل جاتی ہے اور نہ دینے سے نازل ہو جاتی ہے یا دعا کرنے سے مصیبت دور ہو جاتی ہے اور نہ کرنے سے طول پکڑ جاتی ہے اور اس اجل کا نام اجل غیر محتوم یا اجل مشروط ہے ''يَمْحُوا اللهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ عِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ (سورہ رعد آیت......۳۹)''۔

اور اسی محو و اثبات کا دوسرا نام بدا ہے۔ جس کا عالم تکوین میں وہی مقام ہے جو عام تشریع میں نسخ کا ہے۔

قلم انجار رسید وسر بشکست

کیونکہ قضا و قدر الٰہی کا مسئلہ وہ نازک اور مشکل ترین مسئلہ ہے کہ ع۔

کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمہ را

اس موضوع کی مزید تفصیلات جاننے کے خواہش مند حضرت ہماری کتاب احسن الفوائد کی طرف رجوع کریں۔

۴۔ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ...الآیة۔

اس کے باوجود تم پھر بھی خدا کے وجود اس کی توحید اور اس کی قدرت اور قیام قیامت میں شک کرتے ہو؟ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''عجبت لمن شك فی الله و هو یری خلق الله عجبت لمن نسی الموت و هو یری الموت و عجبت لمن انكر النشاة الاخریٰ و هو یری النشاة الاولی'

مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو خدا میں شک کرتا ہے حالانکہ وہ اللہ کی مخلوق کو دیکھ رہا ہے مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو موت کو بھول جاتا ہے حالانکہ وہ ہر وقت موت دیکھ رہا ہے اور مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو آخرت کا انکار کرتا ہے حالانکہ وہ دنیا کو دیکھ رہا ہے؟ (نہج البلاغہ)

فواعجباً کیف یعصی الا له
ام کیف یجحده الجاحد
وفی کل شئ له آیة
تدل علی انه واحد

۵۔وَهُوَ اللّٰهُ...الآية۔

جب آسمان وزمین کا خالق گردش لیل ونہار کا فاعل اور نور وظلمت کا جاعل خدا ہی ہے تو پھر یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ آسمانوں میں بھی اللہ ہے اور زمین پر بھی اللہ ہے وہ وہاں بھی ہے وہ یہاں بھی ہے یعنی لا مکان ہے اور غیر محدود ہے کسی خاص مکان اور جہت میں محدود نہیں ہے۔ اور اس کا علم اس قدر ہمہ گیر اور اس طرح ہر چیز پر محیط ہے کہ کائنات علوی وسفلی کا کوئی ذرہ اس کے علم سے پوشیدہ نہیں۔"لا یغرب عن علمه مثقال ذرة فی الارض و لا فی السماء"۔ وہ ہمارے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی۔ وہ ہمارے کفر کو بھی جانتا ہے اور اسلام کو بھی اسی طرح وہ ہمارے اخلاص کو بھی جانتا ہے اور نفاق کو بھی اور ہمارے ہر اچھے یا برے قول کو بھی جانتا ہے اور فعل کو بھی۔فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى (سورہ طٰہٰ آیت......۷)۔

۶۔وَمَا تَاْتِيْهِمْ...الآية۔

عام لوگوں کی حالت یہ ہے کہ خدا کی توحید کی حقانیت، پیغمبر خاتم ؐ کی رسالت کی صداقت اور قیامت کے برحق ہونے کی اس قدر آیات بینات اور معجزات قاہرات دیکھنے کے باوجود ان سے روگردانی کرتے ہیں اور ان سے اثر پذیر ہونے کی بجائے ان میں غور وفکر بھی نہیں کرتے اور اپنے کفر وشرک اور عصیاں کاری پر ڈٹے ہوئے ہیں اور حق کو جھٹلاتے ہیں یہ کتنے کم عقل اور زیاں کار ہیں؟ وہ بہت جلد اپنے کئے کا انجام دیکھ لیں گے کہ ان کی اس غفلت شعاری اور اس روش ورفتار اور اسلامی وقرآنی حقائق کا تمسخر اڑانے کا دنیا وآخرت میں انجام کیا ہوتا ہے؟ اور وہ کس طرح عذاب خداوندی میں گرفتار ہوتے ہیں۔"كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ" (سورہ آل عمران......آیت ۱۳۷)

۷۔اَلَمْ يَرَوْا...الآية۔

اس آیت میں خدائے قہار وجبار مکذبین ومنکرین کو ان کی اس تکذیب وانکار کے برے انجام سے آگاہ کرنے کیلئے ان کی توجہ ان گذشتہ امتوں کے انجام بد کی طرف مبذول کرا رہا ہے جن کو خدا نے جائیداد

بھی دی تھی اور اولاد بھی مال و منال بھی دیا تھا اور جاہ جلال بھی۔ اقتدار بھی دیا تھا اور وقار بھی اشجار بھی دے تھے اور انہار بھی۔ مگر جب انہوں ان نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنے کی بجائے الٹا کفران نعمت کیا اور اطاعت کی بجائے معصیت کی۔ خلاصۃ یہ کہ نیکیاں کرنے کی بجائے الٹا گناہ پر گناہ کئے تو خدا نے ان کو ہلاک و برباد کر دیا اور ان کی جگہ اور نسلیں اور قومیں پیدا کیں۔

جیسے عاد اور ثمود وغیرہ ہلاک ہونے والی اقوام کی ویران بستیاں دنیا والوں کیلئے نشان عبرت کے طور پر اب بھی موجود ہیں۔ مگر آہ۔ ما اکثر العبر و ما اقل الاعتبار؟ خداوند جباران کو متوجہ کر رہا ہے کہ اس کا یہ قانون مکافات آج بھی موجود ہے۔ اور اس کے حدود کو توڑنے والوں کے خلاف حرکت میں آ سکتا ہے۔ اور ان کو نیست و نابود کر کے ان کی جگہ کوئی اور قوم لائی جا سکتی ہے۔

از مکافات عمل غافل مشو

گندم از گندم بروئد جو ز جو

درس عبرت

اس آیت میں ہمارے لئے درس عبرت پنہاں ہے کہ اگر ہم خدا کے شکر گزار بندے بن کے رہیں گے اور اپنی خداداد قوتوں اور توانائیوں کو خدمت خلق و خالق میں صرف کریں گے تو خدا اپنی نعمتوں میں برابر اضافہ کرتا رہے گا اور اگر ہم اطاعت خدا اور راطاعت سولؐ سے منہ موڑ کر اور کفران نعمت کرتے ہوئے عیاشیوں اور بدمعاشیوں میں گرفتار ہو گئے اور شمشیر و سنان سے ناطہ توڑ کر چنگ و رباب سے رشتہ جوڑ لیا تو پھر خدا بھی اپنی نعمت کو نقمت سے اور ثواب کو عذاب سے بدل سکتا ہے۔

''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ''(سورہ رعد آیت......۱۱)

''وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ''(سورہ حم سجدہ آیت......۴۶)

آیات القرآن

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝۷ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ۝۸ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا

لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ
بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱

ترجمۃ الآیات

(اے رسول) اگر ہم کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب بھی آپ پر اتارتے جسے یہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے۔ جب بھی کافر یہی کہتے کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو (۷) اور وہ کہتے ہیں کہ اس (نبی) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ حالانکہ اگر ہم (کھلم کھلا) فرشتہ اتارتے تو پھر فیصلہ ہو چکا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی (۸) اور اگر کوئی فرشتہ اتارتے تو اسے بھی آدمی کی شکل میں اتارتے اور اس طرح گویا ہم انہیں وہ شبہ کرنے کا موقع دیتے جو اب وہ کر رہے ہیں (۹) آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کا مذاق اڑایا جاتا رہا ہے تو (آخرکار) ان کا مذاق اڑانے والوں کو اسی عذاب نے آ کر گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے (۱۰) اے رسول ان سے کہیے کہ زمین میں چلو پھرو اور پھر دیکھو۔ کہ جھٹلانے والوں کا کیا (بھیانک) انجام ہوا؟ (۱۱)

تفسیر الآیات

۸۔ وَلَوْ نَزَّلْنَا... الآیۃ۔

بموجب ''خوئے بدرا بہانہ بسیار'' جس نے نہ ماننا ہو وہ ہزار بہانے بناتا ہے یہاں خدا نے کفار و منکرین کے دو بہانوں کا تذکرہ کر کے ان کا معقول جواب دیا ہے پہلا بہانہ یہ ہے کہ یہ قرآن لکھی لکھائی کتاب کی شکل میں یکبارگی کیوں نازل نہیں کیا گیا ہے یہ تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا ہے رسول پڑھ کر سناتے ہیں پھر اسے لکھا جاتا ہے خدائے حکیم جواب میں واضح کر رہا ہے کہ جنہوں نے ماننا ہے وہ اب بھی مان رہے ہیں اور جنہوں نے نہیں

ماننا تو اگر ہم اسے لکھی لکھائی شکل میں بھی نازل کرتے اور یہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تو یہ پھر بھی نہ مانتے اور صاف کہہ دیتے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے سچ ہے کہ ۔ع

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

''وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ''(سورہ یونس آیت۔۱۰۱)

۹۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ...الآیۃ۔

کفار کا دوسرا بہانا یہ ہے کہ پیغمبرؐ پر فرشتہ کیوں نہیں اترتا؟ یعنی اس طرح کیوں نہیں اترتا کہ ہم اسے اترتا ہوا دیکھیں اور پھر وہ آ کر گواہی دے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس کے جواب میں خداوندِ علیم وحکیم فرمار ہا ہے کہ اگر ان لوگوں کا مطالبہ تسلیم کر لیا جاتا تو اس سے دو خرابیاں لازم آتیں۔

ایک یہ کہ اگر اس کے باوجود یہ ایمان نہ لاتے تو پھر ان کی ہلاکت یقینی ہو جاتی کیونکہ خدا کا یہ دستور ہے کہ جب وہ فرمائشی معجزہ دکھا دے تو پھر نہ ماننے والوں پر فوراً عذاب نازل ہو جایا کرتا ہے۔ اس لئے فرماتا ہے کہ اگر ان کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا جاتا تو ان کا کام تمام ہو جاتا اور انہیں ہرگز مہلت نہ ملتی اور دوسری خرابی یہ لازم آتی کہ چونکہ فرشتے لطیف جسم رکھتے ہیں اس لئے نظر نہیں آتے۔ لہٰذا ان کے نظر آنے کی یہی صورت ہو سکتی تھی کہ انسان کی شکل میں متشکل ہو کر آئیں تو اس صورت میں نہ ماننے والوں کو یہ بہانا پیش کرنے کا موقع مل جاتا کہ آیا یہ واقعی فرشتہ ہے یا کوئی آدمی ہے جسے اس غرض کیلئے بلوایا گیا ہے؟

۱۰۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ...الآیۃ۔

اس کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ہم نے فرشتہ کے انسانی شکل میں آنے کی صورت میں ابھی اوپر دوسری خرابی کی صورت میں بیان کر دیا ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے اور یہ بات قرآن میں جا بجا لکھی ہوئی ہے کہ کفار و مشرکین کو حضرت رسول اکرمؐ کی نبوت ورسالت پر ایک اعتراض یہ تھا کہ آپ بشر ہیں وہ کہتے تھے کہ رسول کسی آسمانی فرشتے کو ہونا چاہئے! دوسری جگہ ان کا یہ اعتراض ان لفظوں میں پیش کیا گیا ہے۔

''وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا'' ان لوگوں کو رشد و ہدایت آ جانے کے بعد ایمان لانے سے نہیں روکا مگر اس بات نے کہ خدا نے کسی بشر کو رسول بنا کر کیوں بھیجا ہے یعنی کسی فرشتے کو کیوں نہیں بھیجا؟ (سورہ بنی اسرائیل آیت...... ۹۴)

بشریت انبیا کا فلسفہ

اس ایراد کا خالق نے یہاں مختصر اور دوسرے مقام پر مفصل جواب دیا ہے۔ مختصر یہ کہ اگر خدا بالفرض کسی فرشتے کو بھی رسول بنا کر بھیجتا اور پھر یہ لوگ وہی اعتراض کرتے جواب کر رہے ہیں تو پھر فائدہ کیا ہوتا؟

اور دوسرا مفصل جواب یہ ہے کہ "قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلاً" (سورہ بنی اسرائیل......آیت ۹۵) کہ اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے اور اگر ہم نے ان کی طرف کوئی رسول بھیجنا ہوتا تو یقیناً ان کی طرف آسمان سے کوئی فرشتہ بھیجتے۔ مگر جب انسانوں کی طرف بھیجنا تھا تو حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کی طرف کسی انسان کو بھیجا جائے تاکہ اس کا قول وفعل اس کی سیرت وکردار اور اس کی روش ورفتار ان کیلئے نمونۂ عمل اور اسوۂ حسنہ بن سکے۔ سردست اس قدر کافی ہے بعد ازیں کسی مناسب مقام پر انبیاء کی بشریت اور بنی نوع انسان کے افضل واکمل افراد ہونے پر مفصل گفتگو کی جائے گی اور واضح کیا جائے گا کہ انبیاء ومرسلین ہوں یا آئمہ معصومینؑ وہ حقیقی طور پر ہی بشر وانسان ہوتے ہیں اور ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ حقیقت میں ملک یا کسی اور فرضی نوع کے افراد ہوں اور شکل وصورت میں بشر وانسان ہوں۔ کیونکہ ایسا ہونا حکمت ربانی اور مصلحتِ یزدانی کے سراسر خلاف ہے ورنہ ان کے کسی اور نوع سے تعلق رکھنے کی صورت میں ان کی بعثت اور تقرر کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

مخفی نہ رہے کہ اس آیت میں لبس وشبہ کی نسبت خدا کی طرف مجازی ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح اب منکرین بشریت کا بہانا بنا کے ان کی نبوت میں شبہ کر رہے ہیں تو اگر ہم کسی فرشتے کو نبی بنا کر بھیجتے تو پھر بھی یہ لوگ اسی طرح بہانے بناتے تو گویا بشر بنا کر بھی ہم نے ان کو شبہ کرنے کا موقع دیا ہے اور فرشتہ بنا کر بھی ہم ان کو شبہ کا موقع فراہم کرتے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ نہ اب خدا نے ان کو شبہ میں ڈالا ہے اور نہ تب ڈالتا اگر نبی کو فرشتہ بناتا۔ کما لا یخفی۔

۱۱۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ...الآیۃ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار کی یہ باتیں کہ یوں ہوتا تو بہتر ہوتا یوں ہوتا تو اچھا ہوتا صرف از راہِ تمسخر و استہزاء ہیں۔ حقیقت جوئی پر مبنی نہیں ہیں۔ پھر خدائے رحیم وکریم اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ تمسخر ومذاق صرف آپ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ آپ سے پہلے انبیاء کے ساتھ بھی منکرین ایسا ہی سلوک کرتے رہے ہیں اور ان کو بھی ایسے نا ملائم حالات اور نا مساعد سانحات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ مگر انہوں نے کبھی ایسے حوصلہ شکن حالات میں گھبرا کر اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی۔ تو آپ بھی ایسا ہی کریں۔ یہ لوگ اپنا

کام کررہے ہیں آپ اپنا کام کریں یعنی۔ وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے تم اپنی وضع کیوں بدلو؟

۱۲۔ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ....الآیۃ۔

اس آیت کی تفسیر سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۳۷ کی تفسیر میں گذر چکی ہے جو بالکل اس جیسی ہے خلاصہ یہ کہ یہاں جو سیر و سیاحت کا حکم دیا جارہا ہے وہ صرف تفریح کے اسباب جمع کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ ہلاک شدہ امتوں کے برباد شدہ محلات اور ان کے کھنڈرات کو دیکھ کر درسِ عبرت حاصل کرنے کیلئے ہے۔ کہ اے اسلامی شعار کا مذاق اڑانے والو اور اے پیغمبرِ اسلام اور ان کی تعلیمات سے تمسخر کرنے والو۔ ذرا زمین میں چلو پھرو۔ اور پھر دیکھو کہ ان لوگوں کا انجام کس قدر بھیانک ہوا تھا۔ جنہوں نے تم جیسے کردار کا مظاہرہ کیا تھا؟ ”کم ترکوا من جنات و عیون“

ہاں اے دل عبرت بین از دیدہ نظر کن ہاں
ایوان مدائن را آئینۂ عبرت دان

جرت الریاح علی رسوم دیار هم
فکانهم کانوا علیٰ میعاد

آیات القرآن

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ
الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ
اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ
الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسول) ان سے کہیے۔ (پوچھئے) کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کا ہے ؟ کہو سب کچھ اللہ کا ہے اس نے مخلوق پر رحمت کرنا اپنے اوپر لازم کر لی ہے (اس لئے جلدی سزا نہیں دیتا) وہ قیامت تک جس میں کوئی شک نہیں ہے تم سب کو اکٹھا کرتا رہے گا (پھر یکجا کر کے لائے گا) جنھوں نے اپنے آپ کو خسارے اور نقصان میں ڈالدیا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے (۱۲) اور اسی (اللہ تعالی) کا ہے جو کچھ رات اور دن میں سکونت پذیر ہے وہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے (۱۳) (اے رسول) کہو کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا سرپرست بناؤں؟ جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے جو (ساری مخلوق کو) روزی دیتا ہے (کھلاتا ہے) مگر اس کو کوئی روزی نہیں دیتا (اسے کوئی نہیں کھلاتا)۔ کہو۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان (خدا کے سامنے سر تسلیم جھکانے والا) بن کر رہوں اور یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ شرک کرنے والوں میں سے نہ ہونا (۱۴) کہیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں۔ تو میں ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں (۱۵) اس دن جس شخص سے عذاب ٹال دیا گیا اس پر اس (خدا) نے بڑا رحم کیا ہے۔ اور یہ بڑی نمایاں کامیابی ہے (۱۶)

تفسیر الآیات

۱۳۔ قُلْ لِّمَنْ مَّا ... الآیۃ۔

خداوند عالم اپنے پیغمبر اکرمؐ کو حکم دے رہا ہے کہ آپؐ مشرکین عرب سے پوچھیں کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کا ہے؟ اور پھر ان کی طرف سے کہہ دیجیے کہ اللہ کا ہی ہے۔ کیونکہ قرآن کے دوسرے کئی مقامات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ لوگ اگر چہ شرک عبادتی میں مبتلا تھے مگر وہ اس قسم کے سوال کے جواب میں اللہ ہی کا نام لیتے تھے جیسا کہ سورہ عنکبوت میں موجود ہے:

''وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ

اللہُ‘‘ اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے؟ تو وہ یقیناً جواب دیں گے کہ اللہ نے (سورہ عنکبوت آیت......۶۱)

اس سوال و جواب کا بظاہر مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو قیامت کے اقرار کرنے پر آمادہ کیا جائے کیونکہ جب خدا ہی کائنات علوی و سفلی کا خالق و مالک ہے تو پھر ظاہر ہے کہ ہر مالک کو اپنے ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرنے کا حق حاصل ہے کہ چاہے تو اسے باقی رکھے چاہے تو فنا کر دے اور چاہے تو اس کا اعادہ کرے!۔

۱۴۔ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ ...الآیۃ۔

کتب کا مفہوم ہے واجب قرار دینا جیسے ’’یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ ‘‘(سورہ بقرہ آیت...... ۱۸۳) اے ایمان والوں تم پر روزے فرض قرار دیے گئے ہیں۔ اب یہ وجوب کبھی بحیثیت خالق و مالک کے ہوتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر کچھ فرض کرتا ہے اور کبھی بحیثیت اپنے فضل وکرم کے ہوتا ہے جیسے یہاں ہے کہ اس نے اپنے فضل کرم سے اپنی ذات پر فرض قرار دے دیا ہے کہ وہ اپنی مخلوق پر رحم کرے گا۔ اس لئے فرماتا ہے’’سبقت رحمتہ غضبہ‘‘ کہ اس کی رحمت اس کے قہر وغضب کے آگے آگے ہوتی ہے اور کہیں فرماتا ہے:

’’رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ‘‘(سورہ اعراف آیت......۱۵۶)

کہ میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے اس لئے وہ کافروں، مشرکوں اور گنہگاروں کو ان کے کفر و شرک اور گناہ وعصیان کی پاداش میں فوراً نیست و نابود اور تباہ و برباد نہیں کرتا بلکہ برابر ڈھیل دیتا رہتا ہے کہ شاید وہ توبہ و انابہ کر کے اس کے اچھے بندے بن جائیں اور اس کی رحمت کے مستحق قرار پائیں الغرض یہ ساری کائنات اور اس کا بناؤ اور جمال خالق اکبر کی رحمت و رافت کا کرشمہ ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر قانون رحمت نہ ہوتا تو نہ افادہ ہوتا نہ فیضان ہوتا اور کائنات کی خلقت میں نہ یہ جمال ہوتا نہ جلال ہوتا۔

۱۵۔ لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ...الآیۃ۔

خداوند عالم نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ وہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا اور نہ یہ فرمایا: لَیَجْمَعَنَّکُمْ فِیْ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کہ وہ قیامت والے دن میں تمہیں اکٹھا کرے گا۔ بلکہ فرمایا ہے۔ ’’لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ‘‘ کہ وہ تمہیں قیامت کے دن تک اکٹھا کرتا رہے گا تاکہ ایک نسل کے بعد دوسری نسل آئے اور سب کو اصلاح احوال کا موقع فراہم فرمائے تاکہ وہ خدا کے عذاب وعقاب سے ہمیشہ کیلئے

محفوظ ہوجائیں۔ ''یَاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ''(سورہ انفطار آیت......۶)

۱۶۔ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا... الآیة۔

چونکہ کفار نے اپنے ارادہ واختیار سے خسران ونقصان کو اختیار کیا ہے اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والی قوت کو ضائع وبرباد کر دیا ہے لہٰذا اب وہ ایمان نہیں لائیں گے پس اس حالت میں ان سے ایمان لانے کی توقع کرنا عبث ہے۔

۱۷۔ وَلَهٗ مَا سَكَنَ... الآیة۔

سابقہ آیت میں یہ فرمایا! کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ خدا کا ہے اب فرمایا ہے کہ جو کچھ رات اور دن میں سکونت پذیر ہے وہ خدا کا ہے ظاہر ہے کہ آسمانوں وزمین ہر چیز کیلئے ظرف مکان اور شب وروز ہر چیز کیلئے ظرف زمان ہیں تو اس پیرایہ میں خداوند عالم ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کائنات کی ہر مادی ومعنوی چیز کا بلا شرکت غیرے خالق ومالک وہی ہے۔ تو پھر اس کی موجودگی میں اور کوئی چیز کس طرح معبود ومسجود ہوسکتی ہے لا معبود الا ہو ولا مسجود الا ہو۔ **وهو السميع العليم۔**

۱۸۔ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ... الآیة۔

اس آیت کی شان نزول

بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ ایک بار کفار مکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ شاید آپ اپنے فقر وفاقہ کی وجہ سے اپنی قوم کا دین چھوڑ کر ایک نئے دین کی داغ بیل ڈال رہے ہیں آپ اپنے معبود کا ذکر کرنا چھوڑ دیں اور ہمارے معبودوں کو مانیں ہم آپ کیلئے اس قدر دولت جمع کر دیں گے کہ آپ ہم سب سے زیادہ تونگر و مالدار بن جائیں گے ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (مجمع البیان وغیرہ)۔

ولی کے بہت سے معانی میں سے ایک معنی مالک وسرپرست کے بھی ہیں کہ میں اپنے قادر مطلق اور بے نیاز معبود کو چھوڑ کر جو سب کو کھلاتا پلاتا ہے۔ مگر خود کھاتا پیتا نہیں ہے سب اس کے محتاج ہیں مگر وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ ان کو اپنا مالک وسرپرست مانوں اور ان کی عبادت کروں جو اپنے ذاتی نفع ونقصان کے بھی مالک ومختار نہیں ہیں بلکہ سرتاپا محتاج ہی محتاج ہیں۔ ''مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ''(سورہ یونس......آیت ۳۵، سورہ صافات آیت...... ۱۵۴، سورہ قلم آیت......۳۶)

۱۹۔ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ... الآیة۔

اس لئے مجھے توحکم دیا گیا ہے کہ میں پہلا مسلمان (سر تسلیم خم کرنے والا) ہوں اس جملہ کے مختلف معنی کے گئے ہیں۔ اپنی امت میں سے پہلا مسلمان میں خود ہوں جو اس دین اسلام کا داعی ہوں۔ ۲۔ عالم ارواح میں سب انبیاء ومرسلین سے پہلے خدا کی توحید کا اقرار کرنے والا اور اس کے سامنے سر تسلیم جھکانے والا میں ہوں ۔ ۳۔ مجھے حکم ہے کہ میں اول درجہ کا مسلم ہوں۔ **والا ولی ان یحمل علی العموم** ۔ واللہ العالم۔

۲۰۔ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ... الآیۃ۔

عصمت کبریٰ کے مالک ومختار ہونے کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ خدا کی معصیت اور حکم عدولی کریں۔ مگر فرض محال محال نباشد کے طور پر فرمار ہے ہیں کہ اگر میں ذرہ بھر بھی اپنے پروردگار کی عصیان کاری کروں تو مجھے قیامت کے بڑے دن کے عذاب کا خوف دامنگیر ہے۔ جب پیغمبر اسلامؐ کا یہ عالم ہے تو اگر کوئی دوسرا شخص اپنے خالق ومالک کی نافرمانی کرے گا تو اس کا کیا حشر ہوگا؟ اس کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے۔

الغرض اس طرح یہ حقیقت لوگوں کے ذہنوں میں جاگزین کرنا مطلوب ہے کہ ''**الجنة لمن اطاع الله ولو کان عبداً حبشیاً و النار لمن عصی الله و لو کان سیدا قرشیا**''۔

۲۱۔ مَنْ یُّصْرَفْ... الآیۃ۔

جس سے اس دن عذاب ٹل گیا اس پر خدا نے رحم وکرم فرمایا اور یہ سب سے بڑی واضح کامیابی ہے حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا یدخل احدا الجنة بعملہ قالوا ولا انت یا رسول الله قال ولا انا الّا ان یتغمدنی الله برحمته منه وفضل''

یعنی مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص بھی اپنے عمل کے ذریعے جنت میں داخل نہیں ہوسکتا لوگوں نے کہا کیا آپ بھی یا رسول اللہ۔ فرمایا: ہاں میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ اپنی رحمت وفضل سے مجھے ڈھانپ لے۔ (مجمع البیان وصافی)

آیات القرآن

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ
فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ
الْخَبِیْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ
وَبَیْنَكُمْ ۫ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ
لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ
لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمۃ الآیات

اگر خدا تمہیں کوئی ضرر و زیاں پہنچانا چاہے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں ہے۔ اور اگر کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۷) وہ اپنے بندوں پر مکمل اختیار اور قابو رکھنے والا ہے اور وہ بڑا حکمت والا بڑا باخبر ہے (۱۸) (اے رسول) کہو کہ گواہی میں سب سے بڑھ کر کونسی چیز ہے؟ کہہ دیجیے کہ اللہ! جو میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اور یہ قرآن بذریعہ وحی میری طرف بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ سے تمہیں اور جس تک یہ پہنچے سب کو ڈراؤں۔ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہیں؟ کہیے کہ میں تو یہ گواہی نہیں دیتا۔ کہو۔ وہ واحد و یکتا ہے۔ اور میں تمہارے شرک سے بری و بیزار ہوں (۱۹) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (پیغمبر) کو اس طرح پہنچاتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہنچاتے ہیں۔ مگر جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے و نقصان میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے (۲۰)

تفسیر الآیات

۲۲۔ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ... الآیة۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رنج ہو کہ راحت، صحت، ہو کہ مرض، فقر ہو یا تونگری، عزت ہو یا ذلت، اور کامیابی ہو یا کہ ناکامی وغیرہ سب کچھ خدائے قدیر کے قبضہ قدرت میں ہے لہٰذا اگر وہ کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کوئی دور نہیں کرسکتا اور اگر وہ کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا اس چیز کی وضاحت قبل ازیں سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۲۶ قل اللھم مالك الملك الآیة کی تفسیر میں کی جا چکی ہے۔ صحیفہ علویہ ہو یا صحفیہ کاملہ کئی دعاؤں میں وارد ہے:

''فانا اشھد بانك انت الله لا رافع لما وضعت ولا واضع لما رفعت ولا معز لمن اذللت ولا مذل لمن اعززت ولا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت''

بارالہا میں گواہی دیتا ہوں کہ جسے تو پست کردے اسے کوئی بلند نہیں کرسکتا اور جسے تو بلند کردے تو اسے کوئی پست نہیں کرسکتا اور جسے تو ذلیل کردے اسے کوئی عزت عطا نہیں کرسکتا اور جسے تو عزت عطا کردے اسے کوئی ذلیل نہیں کرسکتا اور جسے تو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو نہ دینا چاہے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔ یہ سب کچھ تیرے دست قدرت میں ہے۔ (دعائے یستشیر از صحفیہ علویہ)

ایک سوال کا جواب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ سب کچھ خدا کے قبضہ قدرت میں ہے تو پھر انسانی کدوکاوش اور جدوجہد کو اس میں کیا دخل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عقلی وشرعی دلائل سے ثابت ہے کہ انسان کیلئے مقدور بھر کدوکاوش کرنا لازم ہے ''وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ''۔ ہر آدمی کو اس کی سعی وکوشش کے مطابق کامیابی حاصل ہوتی ہے (سورہ نجم آیت ......۳۹)

تو فیق باندازہ ہمت ہے ازل سے
آنکھو ں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ بنا تھا

ہاں البتہ اگر آدمی پوری جدوجہد کرے اور پھر بھی کامیابی حاصل نہ ہو تو پھر اسے قضاوقدر الٰہی کا نتیجہ قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ مسبب الاسباب وہی ہے اور آخری کامیابی وناکامی کی کلید اسی کے قبضہ قدرت میں ہے

۲۳۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ... الآیۃ۔

یہاں قہر سے اس کے عام عرفی معنی جبر واستبداد مراد نہیں ہیں بلکہ غلبہ مراد ہے اور فوقیت سے بھی فوقیت مکانی مقصود نہیں بلکہ فوقیت تسخیری مراد ہے۔ کہ خدا اپنے بندوں پر غالب ہے (اور اس پر کوئی غالب نہیں) اور اس کے بندے اس کے مسخر ہیں وہ اس کے ساتھ ساتھ حکیم وخبیر بھی ہے۔ اس لئے وہ اندھا دھند اپنی قدرت کو کام میں نہیں لاتا بلکہ اپنی حکمت ودانائی کے مطابق اور نظام عالم کے مطابق جزا یا سزا دیتا ہے۔

۲۴۔ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ... الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول

ایک روایت میں جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے مذکورہ ہے کہ ایک بار مشرکین مکہ نے حضرت رسول خداؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس طرح گستاخانہ کلام کیا۔ کیا اللہ کو آپ کے سوا اور کوئی رسول نہیں ملتا تھا ؟ کوئی بھی آپ کی تصدیق نہیں کرتا۔ ہم نے یہود ونصاری سے بھی آپ کے بارے میں سوال کیا ہے۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں آپ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ لہٰذا اپنی نبوت کا کوئی گواہ ہے تو اسے لا۔ جو گواہی دے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر قمی وعیاشی)

کہہ دیجیے کہ اللہ سے بڑا معتبر گواہ کون ہے؟ وہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اور اس کی شہادت اس کا نازل کردہ قرآن ہے جو پیغمبر اسلامؐ کا معجزہ خالدہ ہے جس جیسی آج تک کوئی ایک سورہ بھی نہیں لا سکا اور نہ ہی آئندہ لا سکے گا۔

افادہ

اس آیت مبارکہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالی پر لفظ ''شی'' کا اطلاق کرنا جائز ہے اور یہی بات احادیث معصومینؑ میں بھی مذکور ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ہوشی کالا شیاء۔ کہ وہ شے تو ہے مگر عام اشیاء جیسا نہیں ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اسے شے کہو مگر دو حدوں سے خارج کر کے۔ ایک حد تعطیل اور دوسری حد تشبیہ۔ ''تخرجه من الحدین حد التعطیل وحد التشبیه'' وہ ہے تو شی مگر نہ معطل ہے اور نہ ہی دوسری اشیاء جیسا ہے (اصول کافی)

الغرض ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ'' (سورہ شوری......۱۱) اور ''سبحان منه و هكذا ولا هكذا'' غیرہ۔

۲۵۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ...الآیۃ۔

اللہ نے مجھ پر قرآن کی وحی اس لئے بھیجی ہے کہ میں اس کے ذریعہ سے تمہیں ڈراؤں اور ہر اس شخص کو بھی ڈراؤں قیامت کے قیام تک جس تک وہ (قرآن) پہنچے۔ مفسرین نے اس (من بلغ) سے یہ استفادہ کیا ہے کہ حضرت رسولؐ کی نبوت ہر قسم کے زمان ومکان کی حدوں سے ماوراء ہے جس طرح خدا رب العالمین ہے آپ رحمۃ للعالمین ہیں اور زمان ومکان کے لحاظ سے آپ کی نبوت کسی حد کے ساتھ محدود نہیں ہے مخفی نہ رہے کہ اس معنی کی بنا پر اس ''من بلغ'' کا عطف ''لا نذر کم'' کے مفعول ''کم'' پر ہوگا مگر بعض احادیث اہل بیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس کا عطف ''لانذرکم'' کے فاعل پر ہے بنابریں مطلب یہ ہوگا کہ اس قرآن کی مجھے اس لئے وحی کی گئی ہے کہ میں تمہیں ڈراؤں اور میرے بعد وہ ڈرائے جس تک یہ قرآن پہنچے اور وہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ (اصول کافی عیاشی اور صافی وغیرہ)

نیز اس ''من بلغ'' سے یہ استفادہ بھی ہوتا ہے کہ جس شخص تک اسلام وقرآن کی آواز نہیں پہنچی خدائے عادل اسے حجت تمام کئے بغیر ہرگز عذاب وعقاب نہیں کرے گا۔ اس موضوع کی کسی اور مناسب جگہ پر مزید وضاحت کی جائے گی۔ انشااللہ

بعد ازاں خدا کی وحدانیت و یکتائی کے اس قدر دلائل و براہین کے موجود ہونے کے باوجود اگر تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور خدا بھی ہیں تو کم از کم میں یہ بے ہودہ گواہی دینے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ میں تو یہی کہوں گا کہ وہ واحد و یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور میں تمہارے شرک سے بری و بیزار ہوں۔

۲۶۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ...الآیۃ۔

اس آیت کی قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴۶ (يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ) کی تفسیر کے ذیل میں تفسیر بیان کی جا چکی ہے اور واضح کیا جا چکا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاری جو آنحضرتؐ کے بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کرتے تھے وہ محض ان کے ذاتی مفادات اور ان کی ہٹ دھرمی پر مبنی تھی ورنہ وہ اپنی آسمانی کتابوں کی شہادت اور علائم النبوۃ سے آنحضرتؐ کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح کوئی باپ اپنی اولاد کو پہچانتا ہے بلکہ بقول عبداللہ بن سلام اس سے بھی زیادہ پہچانتے تھے کیونکہ مجھے اپنے بچے کی ماں پر اعتبار نہیں ہے جتنا انحضرت کے بارے میں خدا کی بتائی ہوئی علامات پر اعتماد ہے (تفسیر روح المعانی)۔

مگر بات دراصل وہی ہے کہ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا اور حق وباطل میں امتیاز کرنے والی اپنی فطرت کو مسخ کر دیا۔ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (سورہ حج آیت......۱۱)۔

آیات القرآن

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَيْنَ
شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ
قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤی
اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ
اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ
وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ
يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ
عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو خدا پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ یقینا
ظالم لوگ کبھی فلاح نہیں پائیں گے (۲۱) اور جس دن ہم سب کو (میدان حشر میں) اکٹھا
کریں گے۔ اور جو لوگ (دنیا میں) شرک کرتے رہے ہیں ان سے کہیں گے کہ کہاں ہیں
تمہارے وہ (معبود) جن کو تم خدا کا شریک گمان کرتے تھے؟ (۲۲) اس وقت ان کے پاس
اس کے سوا اور کوئی عذر نہ ہوگا کہ وہ کہیں گے ہمیں اپنے پروردگار اللہ کی قسم کہ ہم مشرک نہ
تھے (۲۳) دیکھو وہ کس طرح اپنے ہی برخلاف جھوٹ بولنے لگے؟ اور ان کی وہ تمام افترا
پردازیاں گم ہوگئیں جو وہ کیا کرتے تھے (۲۴) اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی
بات غور سے سنتے ہیں۔ اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اسے سمجھتے

نہیں ہیں اور کانوں میں گرانی ڈالدی ہے۔کہ سنتے نہیں ہیں ۔ اور اگر وہ سارے کے سارے معجزے دیکھ لیں جب بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں۔تو آپ سے بھی بحث وتکرار کرتے ہیں اور جو کافر ہیں (اور جنہوں نے بہر حال نہ ماننے کا فیصلہ کرلیا ہے) وہ سب کچھ سن کر بھی کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) نہیں ہے مگر اگلے لوگوں کی (جھوٹی) داستانیں (۲۵) یہ ایسے (ناہجار) ہیں کہ دوسروں کو بھی اس (پیغمبر اسلامؐ یا قرآن) سے روکتے ہیں۔اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں اور وہ (اپنی اس روش سے کسی اور کو نہیں) اپنے آپ کو تباہ کررہے ہیں مگر انہیں اس کا شعور نہیں ہے (۲۶)

تفسیر الآیات

۲۷۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى...الآية

''افْتَرَاء علی اللہ'' سے مراد کفر وشرک ہے خواہ کسی مخلوق کو خدا کا شریک بنا کر کیا جائے یا جان بوجھ کر احکام خداوندی میں سے کسی حکم میں تحریف اور کمی بیشی کرکے کیا جائے یا نبوت وامامت کا غلط دعویٰ کر کے کیا جائے اور اس کی آیات کی تکذیب سے مراد قرآن کے کلام اللہ ہونے یا پیغمبر اسلامؐ کے رسول خدا ہونے یا ان کے دوسرے معجزات کا انکار کرنا ہے۔ بہر حال یہ دونوں قسم کے لوگ نہ صرف ظالم ہیں بلکہ بڑے ظالم ہیں اور ظالموں کے متعلق خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ ''مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ''۔(سورہ مومن آیت......۱۸)

نہ ظالموں کا کوئی مخلص حمایتی ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی ہوگا جس کی بات مانی جائے۔''اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ'' اور نہ ہی ظالم قیامت کے دن فلاح پائیں گے۔

۲۸۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ...الآية۔

سابقہ آیات میں مذکور تھا کہ کافر،مشرک اور ظالم فوز وفلاح نہیں پائیں گے۔اس بات کی یہاں تفصیل بیان کی جارہی ہے کہ جس دن ہم ان سب کو اور دیگر تمام اولین وآخرین کے مکلفین کو جمع کریں گے تو پھر ہم مشرکین سے پوچھیں گے کہ آج وہ تمہارے خودساختہ شریک کہاں ہیں؟ جن کو تم اپنے گمان باطل میں عبادت میں ہمارا شریک اور حاجت روائی میں ہمارا سہیم مانتے تھے۔یعنی آج ان کو بلاؤ کہ وہ اس مشکل گھڑی میں تمہاری

مشکل کشائی کریں اور تمہیں ہمارے عذاب سے بچائیں۔

۲۹۔ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ ...الآیۃ۔

''فتنہ'' کے کئی معنی ہیں جیسے آزمائش، گمراہی، کفر، رسوائی، رنج، دیوانگی، عبرت، عذاب، مرض، مال واولاد اور اختلاف آراء (المنجد)

ابن عباس اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہاں اس کے جو معنی مروی ہیں وہ عذر و معذرت کے ہیں۔ کہ اس وقت ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی عذر نہ ہوگا کہ وہ کہیں ہمیں اپنے پروردگار اللہ کی قسم کہ ہم مشرک نہیں تھے (مجمع البیان)۔

۳۰۔ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا ...۲۴ الآیۃ۔

دیکھو وہ کس طرح اپنے اوپر جھوٹ باندھنے لگے۔ کہ جن کو زندگی بھر خدا کا شریک سمجھتے رہے، حاجت روا مانتے رہے اور ان پر مفتوں و فریفتہ رہے۔ آج قہر و غضب خدا کا مشاہدہ کرنے اور حالات کی ھولناکی اور سنگینی دیکھنے کے بعد ان کا اس طرح سراسر انکار کر دیں گے کہ ع

گویا کبھی کسی سے ملاقات بھی نہ تھی؟

ایک سوال وجواب

یہاں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ قیامت کے دن جب سب حقائق بے حجاب ہو کر سامنے جلوہ گر ہوں گے اور قیامت کے شدائد اور ھیبت ناک مناظر سامنے نظر آ رہے ہوں گے۔ اس وقت یہ لوگ جھوٹ بولنے کی جرات و جسارت کس طرح کریں گے؟ اس سوال کے عام مفسرین نے دو جواب دیئے ہیں پہلا یہ ہے کہ ان کے اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے عقیدہ ونظریہ کے مطابق مشرک نہ تھے بلکہ توحید وصداقت کے علمبردار تھے، مگر اب یہ راز کھلا کہ جس کو ہم توحید سمجھتے تھے وہ شرک تھا اور جسے صدق سمجھا تھا وہ کذب تھا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ قیامت کے شدائد ومصائب اور ہولناک مناظر کو دیکھ کر ہوش وحواس گم کر بیٹھیں گے اور بدحواسی کے اس عالم میں کہیں گے کہ ہمیں اس اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے ہم کبھی مشرک نہ تھے۔ ''وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ'' (سورہ یونس آیت......۳۰) اس وقت ان کی وہ افترا پردازیاں غائب ہو جائیں گی جو وہ کیا کرتے تھے۔ ''وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا'' (سورۃ النساء آیت......۴۲) اور اس طرح وہ اس دن اللہ سے کوئی بات بھی نہ چھپا سکیں گے۔

۳۱۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ ...الآیۃ ۔

اوران میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو کان لگا کر آپ کی بات سنتے ہیں ۔مگر نہ طلب حق کیلئے بلکہ حق پر تنقید اورنکتہ چینی کرنے کیلئے ۔ کیونکہ ان کی نیت میں فساد وفتور ہے اوران کوحق حقیقت کی جستجو وتلاش نہیں ہے کیونکہ ''لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَاز وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَاز وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ''(سورہ اعراف آیت......۱۷۹)وہ دل ودماغ تو رکھتے ہیں مگراس سے سوچتے نہیں ۔وہ آنکھیں تو رکھتے ہیں مگر ان سے حق کو دیکھتے نہیں اور وہ کان تو رکھتے ہیں مگر ان سے آواز حق کو سنتے نہیں ہیں ۔اور ظاہر ہے کہ جو ایسے مورکھ بن جائیں ان کے دماغ ویران، آنکھیں بے نور اور کان بہرے ہو جاتے ہیں ۔اور چونکہ یہ سب کچھ ان کی بدنیتی اور غلط روش ورفتار کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے خدا ان سے راہ راست پر آنے اور ہدایت پانے کی توفیق سلب کر لیتا ہے اس لئے مجازاً اس بات کو خدا کی طرف منسوب کر دیا گیا کہ اس نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا اور کانوں میں گرانی پیدا کر دی۔حالانکہ یہ سب کچھ ان کے دیدہ و دانستہ طور پر حق سے روگردانی کرنے اور عملاً باطل سے وابستہ رہنے کا فطری وطبعی لازمی نتیجہ ہے۔جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۷ (خَتَمَ اللهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ)اور آیت نمبر ۱۵۵ ''بَلْ طَبَعَ اللهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ '' کی تفسیر میں اس بات کی مزید وضاحت کی جا چکی ہے۔فراجع

ظاہر ہے کہ ایسے کم عقل لوگ جس قدر چاہیں معجزے دیکھیں اور پیغمبران کو دکھائیں مگر وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔کیونکہ قانونِ قدرت اور اصول فطرت یہ ہے کہ ایمان وہ لاتا ہے جو حق کا جویاں اور ہدایت کا متمنی ہوتا ہے مگر جو اپنی کجروی کی وجہ سے حق وباطل اور کفر واسلام میں امتیاز کرنے والی فطری استعداد ہی ضائع کر دے وہ کس طرح ایمان لا سکتا ہے؟ وہ تو قرآن کی آیات سن کر یہی کہے گا کہ ''اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ '' کہ یہ تو اگلے لوگوں کی داستانیں ہیں اور کچھ بھی نہیں ۔حالانکہ وہ جانتے تھے کہ '' هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ''(سورہ بنی اسرائیل آیت......۹) کہ قرآن کتاب ہدایت ہے اور سب سے زیادہ سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور فصاحت وبلاغت کی اس حد اعجاز تک پہنچا ہوا ہے کہ جس کا مثل لانا کسی جن وانس کے بس کا روگ نہیں ہے یہ ان لوگوں کی خباثت اور شیطنت کی انتہا ہے کہ جس لاریب کتاب کی فصاحت وبلاغت کا یہ عالم تھا کہ باوجود کوشش وکاوش کے اس جیسی ایک سورہ نہ لا سکے۔جو پند وموعظہ کی وہ بے مثال کتاب ہے جس نے جاہل اور گنوار بدوؤں کی ذہنیت بدل کر ان میں انقلاب برپا کر دیا۔اور جس کتاب ہدایت نے انسان نما حیوانوں کو حقیقی انسان بنایا اسے وہ قصے کہانیوں کی کتاب کہہ رہے ہیں اور اتنا بھی نہ سوچا کہ کہانی کا انداز بیان اور ہوتا ہے اور قرآن مجید کا انداز اور ہے؟ مگر ع

دیدہ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے ؟

۳۲۔ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ...الآیۃ ۔

یہ کفار ناہنجار ایسے ہیں جو دوسرے لوگوں کو بھی حق سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں ''عنہ'' میں جو ضمیر ہے اس کے مرجع میں اختلاف ہے بعض نے اس کا مرجع قرآن کو قرار دیا ہے اور بعض نے پیغمبرؐ کو اور دونوں کے قرائن موجود ہیں اور دوسری صورت میں (ینھون کا) ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ویسے آنحضرتؐ کا دفاع تو کرتے ہیں مگر خود ان کی اتباع اور اقرار نبوت کرنے سے دور رہتے ہیں اور پھر بعض گستاخوں نے اس سے مراد حضرت ابوطالبؑ کو لیا ہے۔

ایمان ابوطالب کا تذکرہ

مگر یہ بات بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ ناقابل رد دلائل و براہین سے جناب ابوطالب کا اسلام و ایمان ثابت ہے اس موضوع پر شیعہ اور منصف مزاج سنی علماء نے متعدد مستقل کتابیں لکھ کر اس موضوع کے بارے میں ہر قسم کی قیل وقال کا در بند کر دیا ہے اور سب سے بڑی دلیل اہل بیت نبوتؑ کا اجماع و اتفاق ہے جو تالی قرآن میں اور پیغمبرؐ اسلام کی متواتر حدیث ''انی تارك فيكم الثقلين.........'' کے مطابق واجب الا تباع ہیں اور معصوم عن الخطا ہیں۔ ہاں البتہ اگر اس سے بنی ہاشم کے بعض ان لوگوں کے کردار کا تذکرہ مقصود ہو جو آنحضرت پر ایمان نہیں لائے تھے مگر کچھ خاندانی حمیت وغیرت اور کچھ جناب ابوطالب کے اثر ورسوخ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفوں سے آپ کی حفاظت تو کرتے تھے مگر آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (تفسیر قمی)۔

سورہ قصص کی آیت ۵۶ ''اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ'' کی تفسیر پر میں اس موضوع پر مفصل تبصرہ کیا جائے گا۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

آیات القرآن

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ

قَبۡلُ ؕ وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوۡۤا اِنۡ
هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِيۡنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوۡ تَرٰٓى اِذۡ وُقِفُوۡا
عَلٰى رَبِّهِمۡ ؕ قَالَ اَلَيۡسَ هٰذَا بِالۡحَـقِّ ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ
فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۳۰﴾ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا
بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتۡهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً قَالُوۡا يٰحَسۡرَتَنَا عَلٰى مَا
فَرَّطۡنَا فِيۡهَا ۙ وَهُمۡ يَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَهُمۡ عَلٰى ظُهُوۡرِهِمۡ ؕ اَلَا سَآءَ مَا
يَزِرُوۡنَ ﴿۳۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور کاش تم (ان کی وہ حالت) دیکھو جب وہ آتش دوزخ پر کھڑے کئے جائیں گے۔ اور وہ کہیں گے کہ کاش ہم واپس (دنیا میں) بھیج دیئے جائیں اور اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں (۲۷) (یہ اس لئے کہیں گے) کہ ان پر وہ بات واضح وعیاں ہوگئی ہے جسے وہ پہلے چھپایا کرتے تھے (وہ ایسے ناہنجار ہیں) اگر انہیں واپس بھیج دیا جائے تو پھر بھی وہی کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً وہ بالکل جھوٹے ہیں (۲۸) اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زندگی تو بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے اور ہم (قبروں سے) دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے (۲۹) اور کاش تم وہ منظر دیکھو جب وہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور وہ ان سے پوچھے گا کیا یہ (قیامت) حق نہیں ہے؟ یہ کہیں گے ہاں حق ہے ہمیں اپنے رب کی قسم فرمائے گا تو اب اپنے کفر و انکار کی وجہ سے عذاب کا مزا چکھو (۳۰) بے شک ان لوگوں نے گھاٹا اٹھایا ہے جنہوں نے اللہ کی بارگاہ میں حاضری کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ جب اچانک قیامت آجائے گی تو وہ لوگ کہیں گے ہائے افسوس ہم سے اس کے بارے میں کیسی کوتاہی ہوئی؟ اور وہ اپنے (گناہوں کے) بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھائے ہوں گے۔ کیا برا بوجھ ہے جو وہ اٹھائے ہوئے ہیں (۳۱)

تفسیر الآیات

۳۳۔وَلَوْ تَرٰٓی۔۔۔الآیۃ

اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم کافرین اور مکذبین قیامت کا تذکرہ کررہا ہے کہ جب ان کو دوزخ کے کنارے پر کھڑا کیا جائے گا اور وہ اس کی تپش اور شعلوں کی لپک دیکھیں گے تو بارگاہ رب العزت میں چند تمناؤں کا اظہار کریں گے۔

۱۔اے کاش! کسی طرح ہمیں دوبارہ دار دنیا میں بھیج دیا جائے یہ ایسے ہے جیسے ایک دوسری آیت میں مذکور ہے: ''رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا'' مجرم کہے گا اے میرے پروردگار مجھے ایک بار دوبارہ دنیا میں بھیج دے تا کہ میں نیک عمل بجالاؤں (سورہ مومنون آیت......۹۹،۱۰۰)۔

۲۔پھر ہم اپنے پروردگار کی آیات بینات کا انکار نہیں کریں گے۔

۳۔اور ہم ایمان داروں سے ہوجائیں گے خداوند عالم جس کا علم ازلی وابدی ہے فرماتا ہے کہ اولاً تو ان کی خواہش پوری نہیں ہوگی ''كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ'' (سورہ مومنون آیت......۱۰۰)۔

یہ صرف ان کی تمنا ہوگی جس کا اظہار وہ کریں گے ورنہ ان کو قیامت تک اب عالم برزخ سے گذرنا ہوگا۔اور اگر بفرض محال ان کی یہ تمنا پوری بھی ہوجائے اور ان کو ایک بار پھر دنیا میں بھیج دیا جائے تو یہ ایسے جھوٹے اور بدفطرت ہیں کہ وہاں جا کر اپنے یہ سب قول وقرار بھول جائیں گے اور پھر وہی برے کام کریں گے جو پہلے کرتے تھے۔یہ ایسے ہی ہے جیسے خدا فرماتا ہے کہ:

''وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا'' جب تم سمندر میں ہوتے ہو اور کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے تو تم اللہ کے سوا باقی ان سب جھوٹے معبودوں کو بھول جاتے ہو جن کو پکارا کرتے تھے مگر جب تمہیں بحفاظت خشکی پر پہنچادیتا ہے تو پھر تم اس سے منہ موڑ لیتے ہو اور انسان ہے ہی بڑا ناشکرا۔(سورہ بنی اسرائیل آیت......۶۷)

عادی مجرم قیدیوں کے بارے میں سنا اور پڑھا گیا ہے کہ جب وہ زندان کی تنگ وتاریک کوٹھڑیوں میں بند ہوتے ہیں تو بڑے عہد وپیمان کرتے ہیں کہ اگر رہائی مل گئی تو پھر ہم یہ گھناونے جرم نہیں کریں گے۔مگر جب رہا ہوجاتے ہیں تو پھر سب کچھ بھول جاتے ہیں اور وہی کرتوت کرتے ہیں جو پہلے کرتے تھے اس لئے خدا

فرماتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں تمنا اگرچہ بذات خود سچ اور جھوٹ سے متصف نہیں ہوسکتی مگر اس تمنا میں بطور واقعہ ایک خبر بھی مضمر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم دنیا میں دوبارہ جائیں گے تو پھر آیات الٰہی کو نہ جھٹلائیں گے۔ اور ہم مومنین سے ہوں گے آخر میں انہیں جھوٹا اسی خبر کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

۳۴۔ وَقَالُوْٓا اِنْ ھِيَ...الآیۃ۔

بعض مفسرین نے اس ''قالوا'' کا عطف ''لما نهوا عنه'' پر کیا ہے بنابریں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر ان کو بالفرض دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہ وہی برے کام کریں گے جو پہلے کرتے تھے اور وہی کافرانہ بات کہیں گے جو پہلے کہتے تھے کہ جو کچھ ہے وہ صرف یہی دنیا ہے اور کوئی بعث ونشور نہیں ہے اس صورت میں اس پر جو ایراد وارد ہوتا ہے کہ جزا اور سزا اور آتش دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکنے کے بعد کس طرح اس حقیقت کا انکار کریں گے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ محض شرارت اور ہٹ دھرمی اور اپنے دینوی مفاد کی خاطر انکار کریں گے۔ جس طرح اس دنیا میں کئی لوگ حقائق کا یقین ہونے کے باوجود محض اپنے مادی مفادات یا حق واہل حق سے عداوت وعناد کی وجہ سے ان کی تکذیب کردیتے ہیں۔ ارشاد قدرت ہے:

''وَجَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا'' ان لوگوں نے ہماری آیات کا محض ظلم وزیادتی کرتے ہوئے انکار کردیا حالانکہ انہیں ان کے برحق ہونے کا یقین تھا (سورہ نحل آیت...... ۱۴)

مگر اظہر یہ ہے کہ یہ مستقل آیت ہے اور اس میں خداوند عالم نے ان کفار کا ایک بار پھر تذکرہ فرمایا ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔ کہ یہ لوگ آخرت اور اس کے حساب وکتاب کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس دینوی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں ہے اور ہم نہیں اٹھائے جائیں گے۔

عقیدہ قیامت کی اہمیت

حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ قیامت اسلام کے ان تین بنیادی اصول عقائد میں سے ایک ہے جن کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اور مرتد قرار پاتا ہے کافرین وملحدین کو شدت سے حیات بعد الموت اور بعث ونشور کا انکار تھا یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کا یک معتد بہ حصہ قیامت کے اثبات، قیامت کے شدائد ومصائب اور قیامت کے حساب وکتاب اور اس کے دوسرے حقائق سے لبریز نظر آتا ہے اور سچی بات یہی ہے کہ انسانی زندگی میں انقلاب اسی وقت آتا ہے کہ جب اسے حیات بعد الموت اور پھر اس میں ہر ہر نیک یا بدعمل کی جزا وسزا کا یقین کامل ہو۔ کما لا یخفی۔

۳۵۔ وَلَوْ تَرٰٓی... الآیۃ۔

اسی بنا پر خداوندعالم یہ حقیقت بیان کر رہا ہے ''اور کاش کہ تم دیکھو کہ جب یہ منکرین قیامت اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ٹھہرائے جائیں گے اور وہ ان سے فرمائے گا کیا یہ (حیات بعدالموت اور قیامت) برحق نہیں ہے؟ تو اس وقت سب اباء وانکار بھول جائیں گے اور کہہ اٹھیں گے ہاں۔ ہمیں قسم ہے اپنے پروردگار کی۔

مگر عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ اقرار انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا اور ارشاد ہوگا کہ آج اپنے کفر کی پاداش میں عذاب خداوندی کا مزہ چکھو۔ یہ سب کچھ یہاں اس لئے بیان کیا جارہا ہے تاکہ کفار ومشرکین اس سے عبرت حاصل کریں۔ اور اپنے کفر اور شرک سے توبہ کرلیں اور اس سے باز آجائیں۔ مخفی نہ رہے کہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ یا خدا کے سامنے کھڑا ہونا سب مجازی الفاظ ہیں کیونکہ وہ ذات جسم وجسمانیات سے منزہ ومبرا ہے۔ لہٰذا اس کی بارگاہ میں کھڑا ہونے کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ اس کے فیصلہ کے انتظار میں ٹھہرنا وبس۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد قدرت ہے۔ ''یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' جس دن سب لوگ سارے جہانوں کے پروردگار کی سرکار میں کھڑے ہوں گے۔ (سورہ مطففین...... آیت۔ ۶)

۳۶۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ... الآیۃ۔

ان لوگوں نے خسارہ اٹھایا جو اللہ کی بارگاہ میں حاضری وحضوری کو جھٹلاتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اچانک قیامت آجائے گی تو وہ کہیں گے واحسرتا! ہم نے اس کے بارے میں کیسی کوتاہی کی ظاہر ہے کہ اس کوتاہی سے مراد ایمان نہ لانا اور نیک عمل کا نہ کرنا یعنی قیامت کیلئے کسی قسم کی تیاری نہ کرنا ہی مراد ہے۔

توضیح مرام کیلئے مثال

توضیح مرام کیلئے علماء کرام نے اس کی مثال اس نالائق طالب علم سے دی ہے جو سارا سال اس خیال میں گرفتار رہے کہ کوئی امتحان نہیں لیا جائے گا۔ اس لئے امتحان کی بالکل تیاری نہ کرے اور اس طرح سارا سال لغویات اور فضولیات میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ اچانک اسے بتایا جائے کہ کل امتحان ہے تیاری کرلے۔ تو اس کی پریشانی کا کیا عالم ہوگا۔ جسے اپنا مستقبل تاریک نظر آرہا ہو اور ناکامی جس کا مقدر بن چکی ہو۔ بالکل یہی حال اس شخص کا ہوگا اور اس کی حسرت وندامت جو ساری زندگی اس خیال خام میں گذار دے کہ نہ کوئی حشر ہوگا نہ نشر اور نہ کوئی حساب ہوگا نہ کتاب اور اس طرح تمام زندگی اس گناہ وعصیان کاری اور سیاہ کاری میں ضائع کر دے اور اچانک قیامت کبریٰ قائم ہوجائے اور اسے پکڑ کر بارگاہ پروردگار میں مقام حساب میں کھڑا کر دیا جائے

؟ ہے کوئی جو اس کی یاس وحسرت اور اس کی پریشانی وپشیمانی کا اندازہ لگائے؟ امامؑ فرماتے ہیں:

"ثمرة التفريط الندامة و ثمرة الحزم السلامته"

تقصیر وکوتاہی کا نتیجہ ندامت اور حزم واحتیاط کا ثمرہ سلامتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ایسے لوگ اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھاتے پھر رہے ہوں گے یعنی اپنے گناہوں کے احساس اور ان کی وجہ سے ندامت کی شدت کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوگی جیسے کسی پر کوئی بھاری بوجھ لاد دیا جائے اور وہ اس کے نیچے دبا جا رہا ہو۔ (ضیاء القران وتفسیر کاشف)۔

آیات القرآن

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور دنیا کی زندگی نہیں ہے مگر کھیل تماشا اور بے شک آخرت والا گھر پرہیز گاروں کیلئے بہت اچھا ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ (۳۲) ہمیں معلوم ہے کہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں وہ بے شک آپ کو رنج پہنچاتی ہیں۔ (لیکن امر واقع یہ ہے کہ) یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم لوگ (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار کر رہے ہیں (۳۳) بے شک آپ سے پہلے بھی

بہت سے پیغمبروں کو جھٹلایا گیا۔ تو انہوں نے جھٹلائے جانے اور اذیت پہنچائے جانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری مدد ان کے پاس آئی اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور پیغمبروں کی کچھ خبریں تو آپ کو پہنچ ہی چکی ہیں (۳۴) اور اگر حق سے ان کی روگردانی کرنا آپ پر بہت گراں ہے تو پھر اگر ہوسکتا ہے تو زمین میں سرنگ لگا کر یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگا کر ان کے پاس کوئی معجزہ لاؤ۔ مگر وہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اگر اللہ (زبردستی) چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ لہٰذا آپ ناواقف لوگوں میں سے نہ بنیں (۳۵)

تفسیر الآیات

۳۷۔ وما الحیوۃ الدنیا۔۔ الآیۃ

سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۸۶، **وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور** جو اس آیت کے ساتھ ملتی جلتی ہے اس کی تفسیر زندگانی دنیا کا متاع الغرور اور کھیل تماشا ہونا واضح کیا جا چکا ہے۔

زندگانی دنیا کے کھیل تماشا ہونے کا صحیح مفہوم

مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حیات دنیا میں کوئی سنجیدگی نہیں ہے اور وہ محض لہو ولعب کے طور پر بنائی گئی ہے خدا کی ذات اس سے بہت اجل وارفع ہے کہ وہ کوئی کام محض کھیل تماشا کے طور پر کرے۔ بلکہ اس کے دو صحیح مفہوم ہیں ایک یہ ہے کہ اس کا کھیل و تماشا ہونا اس کی ناپائیداری کی وجہ سے ہے اور اخروی زندگی کا حقیقی زندگی ہونا اس کی پائیداری واستواری کی وجہ سے ہے جس طرح کوئی شخص کچھ دیر کیلئے کھیل و تماشا سے دل بہلاتا ہے اور پھر اصلی کاروبار میں مشغول ہو جاتا ہے اسی لئے ہر شخص موت کے وقت زندگانی دنیا کو یوں محسوس کرتا ہے بقول شاعر:

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
عوض یک دو نفس قبر کی شبہائے دراز

دنیا کی نہ شاہی ہمیشہ رہے گی نہ گدائی، نہ صحت ہمیشہ رہے گی نہ بیماری نہ حاکم کی حکومت ہمیشہ رہے گی نہ محکوم کی محکومی، الغرض نہ ظالم کا ظلم ہمیشہ رہے گا نہ مظلوم کی مظلومی۔ یہاں کا بادشاہ دراصل تھیٹر یا ڈرامہ کے جعلی بادشاہ سے زیادہ مختلف نہیں ہے جو پل بھر میں معزول کر دیا جاتا ہے کبھی قید کر دیا جاتا ہے اور کبھی تختہ دار پر لٹکا دیا

جاتا ہے جیسے بچے فرش زمین پر بیٹھ جاتے ہیں اور مٹی کی مختلف چیزیں بناتے ہیں کبھی گھر و در کبھی گدھا اور گھوڑا کبھی فرش وفروش کبھی پھل اور فروٹ پھر تقسیم کرتے ہیں کہ یہ گھر تیرا اور یہ گھر میرا یہ گھوڑا تیرا اور یہ میرا پھر چند منٹ تفریح طبع کرکے اوپر ہاتھ پھیر دیتے ہیں جس کے بعد نہ کوئی گھر ہوتا ہے نہ در نہ کوئی گدھا ہوتا ہے نہ کوئی گھوڑا۔ بالکل اسی طرح دنیا کی یہ چہل پہل یہ چمک یہ دمک یہ ہنگامہ اور یہ رونق بھی زندگی کے کھیل ہیں جو کھیلے جارہے ہیں موت کے آتے ہی یہ سب کھیل تماشے ختم ہوجائیں گے۔ ع

چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے

''كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ''(سورہ رحمٰن آیت......۲۶،۲۵)اللہ بس باقی ہوس۔

دوسرا یہ کہ دنیا کے لذات اور وہ کام جو محض زندگانی دنیا کو سنوارنے سدھارنے کیلئے کئے جائیں وہ اس کھیل تماشا کی مانند ہیں جو کچھ دیر کیلئے کھیل تماشا اور دل بہلانے کیلئے کئے جاتے ہیں مگر ان کا کوئی حاصل محصول نہیں ہوتا۔لیکن اگر مقصد خلقت کو سمجھا جائے اور زندگانی دنیا میں وہ کارہائے خیر کئے جائیں جو اخروی زندگی میں کام آئیں۔تو پھر اس زندگی سے بڑھ کر کوئی گوہر گراں مایہ اور اس سے عظیم تر کوئی نعمت نہیں ہے۔ اس بیان حقیقت ترجمان سے واضح وعیاں ہوگیا ہے کہ مذموم زندگانی دنیا سے وہ دنیوی زندگی مراد ہے جو اللہ کی یاد سے غفلت میں اور شیطان کی فرمانبرداری میں گذرے اور جو شب و روز اور ساعات یاد خدا میں اور اس کی عبادت و اطاعت میں گذریں ان کے برابر کائنات کی کوئی دولت نہیں ہے۔

دنیائے مذموم وممدوح سے کیا مراد ہے۔

جس طرح دنیا کا وہ مال ومتاع مذموم ہے جس کے جمع کرنے اور صرف کرنے میں حلال وحرام کی تمیز روانہ رکھی جائے اور اگر اس کی جمع آوری اور خرچ کرنے میں حدود و قیود شریعت کا لحاظ رکھا جائے تو وہ دنیا نہیں بلکہ عین دین ہے دعا ہے کہ خداوند عالم ہمیں اس گوہر گرانمایہ کی صحیح قدر و قیمت کرنے اور اسے صحیح مصرف میں صرف کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔بہرحال آخرت والا گھر بہت بہتر ہے مگر ان کیلئے جو متقی و پرہیزگار ہیں۔

۳۸۔قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ...الآیۃ۔

اعلان نبوت سے پہلے کفار قریش آنحضرتؐ کو صادق وامین مانتے تھے۔

حضرت رسولؐ کا کردار اتنا بلند، سیرت اتنی پاکیزہ اور اخلاق اس قدر عالی تھے کہ کفار بھی آپ کو صادق وامین جانتے تھے اور آپ کی دیانت وراستبازی پر مکمل اعتماد رکھتے تھے۔

اعلان نبوت کے بعد کیوں آپؐ کو مجنوں اور جادوگر کہنے لگے؟

مگر جونہی آنحضرتؐ نے اعلان نبوت کیا اور خدا کا وہ پیغام جو اس کے بندوں کے نام تھا پہنچانا شروع کیا تو وہی لوگ اب آپ کے جانی دشمن بھی بن گئے اور سخت ترین لفظوں سے یاد بھی کرنے لگے۔ کبھی مجنوں و دیوانہ کہا ''ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ'' (سورہ الدخان آیت...... ۱۴)
اور کبھی ساحر و جادوگر کہا۔ ''قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ'' (یونس آیت...... ۲) ایسا کیوں ہوا؟ محض اس لئے کہ آپ جو دین منجانب اللہ لائے اور جس دین کے آپ مبلغ اور داعی تھے اس کے اصول وفروع ان لوگوں کی خواہشات کے خلاف تھے اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ شریف النفس لوگوں کیلئے جاہل و بدتمیز لوگوں کی لفظی بدتمیزیاں سنگ وخدنگ سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہیں۔

جراحات السنان لها التیام
ولا یلتام ماجرح اللسان

لہٰذا ظاہر ہے کہ قانون فطرت کے مطابق آنحضرتؐ کو بھی ان لوگوں کی دشنام دہی اور اس طوفان بدتمیزی سے بڑا صدمہ پہنچتا تھا اور بڑا قلبی دکھ ہوتا تھا۔ اس آیت میں خدا نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے اور آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ آیات الٰہیہ کا انکار اور ان کی تکذیب کر رہے ہیں کیونکہ آپؐ اسی کا کلام سنا رہے ہیں اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کہہ رہے۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ لہٰذا آپ ان کا معاملہ خدا کے حوالہ کریں اور خود درنج وملال نہ کریں۔

۳۹۔ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ ...الآیۃ۔

اس آیت مبارکہ کے ذریعہ سے بھی ایک دوسرے رخ سے آنحضرتؐ کو تسلی اور دلجوئی کی جارہی ہے کہ آپ پہلے پیغمبر نہیں ہیں جن کو جھٹلایا گیا اور ایذا رسانی کی گئی ہے بلکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کو جھٹلایا گیا اور انہیں مصائب وشدائد کا نشانہ بنایا گیا۔ مگر انہوں نے صبر وضبط سے کام لیا اور تحمل و برداشت کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ ہماری مدد ونصرت ان کے پاس آئی۔ تو آپ بھی کفار ومشرکین کی تکذیب اور اذیت

رسانیوں پر صبر کریں اور تحمل و برداشت کا مظاہرہ کریں۔

خدائے حکیم کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ حق و باطل کی کش مکش میں پہلے ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے۔ اور اپنے بندوں سے ان کے مظالم برداشت کراتا ہے اور انہیں صبر آزما مراحل سے گذار کر ان کی راست بازی، ایمان کی پختگی اور اعتماد علی اللہ کی سچائی ظاہر کرتا ہے اور آخر میں ان کی نصرت و مدد کرتا ہے جس سے حق کا بول بالا ہو جاتا ہے اور باطل سرنگوں ہو جاتا ہے یہی پہلے ہوتا رہا ہے اور یہی اب ہوگا لا مبدل لکلمات اللہ۔ اللہ کی باتوں کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''ان رضا الناس لا یملك و السنتھم لا تضبط و کیف یسلمون مما لم یسلم منه الانبیاء ورسله وحجج الله علیھم السلام''

سب لوگوں کی خوشنودی حاصل نہیں کی جاسکتی اور ان کی زبانوں پر کنٹرول نہیں کیا جاسکتا بھلا عام لوگ اس سے کیسے بچ سکتے ہیں جس سے اس کے نبی و رسول اور اس کی حج نہ بچ سکیں (امالی شیخ صدوق)۔

نعم ما قیل؛

قیل ان الاله ذوولد و قیل ان الرسول قد کھنا

ازا ما نجی الله والرسول معاً من لسان الوریٰ

فیکف انا

(لوگوں نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے اور لوگوں نے کہا کہ رسول جادوگر ہے تو جب لوگوں کی زبان سے خدا اور رسول نہ بچ سکے تو میں کون ہوں؟)

۳۹ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ ...۱۳۵ الآیۃ۔

قرآن اور تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت رسول خدا اس بات کے بڑے حریص تھے کہ سب لوگ ایمان لے آئیں۔ ''حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ''(سورہ توبہ آیت ...... ۱۲۸) اور جب دیکھتے کہ انہیں تبلیغ کرتے کرتے مدتیں گذر گئی ہیں مگر یہ لوگ حق کو قبول نہیں کرتے تو آپ کڑھتے تھے اور ایک خاص کرب محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ خداوند عالم خود اس بات کی خبر دے رہا ہے ''فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ''(سورہ کہف آیت ...... ۶) شاید آپ (اس غم میں کڑھ کڑھ) کر جان نہ دے دیں کہ یہ

لوگ اس قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ خداوند علیم وحکیم نے مختلف انداز میں تسلی دی۔ کبھی فرمایا! وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین جس قدر حرص سے کام لینا چاہتے ہو لے لو مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

کبھی فرمایا: ''اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ''(سورہ یونس آیت......۹۹)

کیا لوگوں کو ایمان لانے پر آپ مجبور کرنا چاہتے ہیں؟

کبھی فرمایا: ''وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا''(سورہ یونس آیت......۹۹)

(اگر مشیت قاہرہ سے خدا چاہتا تو سب لوگ ایمان لے آتے مگر خدا زبردستی لوگوں کو مومن نہیں بنانا چاہتا تو آپ کیوں اس غم میں گھلے جارہے ہیں؟)

کبھی فرمایا: ''فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ''(سورہ آل عمران آیت......۲۰) آپ کا کام صرف پیغام حق پہنچانا ہے۔ ''وَ مَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ''(سورہ آل عمران آیت......۱۰۷، سورہ زمر آیت......۴۱، سورہ شوریٰ آیت......۶) تو ان کا وکیل نہیں ہے تیرا کام پہنچانا ہے منوانا نہیں ہے۔ اس کے باوجود جب خدا نے دیکھا کہ رحمۃ اللعالمین کو پھر بھی اس بات کا بڑا غم اور رنج ہے کہ لوگ اپنی بے ایمانی اور بدعملی سے جہنم کا ایندھن کیوں بن رہے ہیں تو خدائے رحیم نے ازراہ شفقت ذرا تلخ لہجہ میں فرمایا جو کچھ تم سے ممکن تھا سب کر چکے، معجزات دکھا چکے، تبلیغ حق کا فریضہ ادا فرما چکے لیکن اگر پھر بھی ان کے ایمان نہ لانے کا غم ہے۔ اور پریشاں ہیں تو پھر زمین میں سرنگ یا آسمان میں سیڑھی لگا کر کوئی ایسا معجزہ لائیں جسے دیکھ کر وہ ضرور ایمان لے آئیں۔ جس کی وجہ سے وہ بے ایمانی سے اور آپ پریشانی سے نجات پائیں

آخر میں قدرے مزید سخت لہجہ میں فرمایا کہ آپ سمجھدار ہو کر بے خبر نہ بنیں۔ اگر زبردستی لوگوں کو مومن بنانا مقصود ہوتا تو پھر خدا کو انبیاء ومرسلین کے بھیجنے ان پر کتابیں نازل کرنے اور ان کو مصائب وشدائد کی کھٹالیوں میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو ایک تخلیقی جملہ کن سے یہ کام لے سکتا تھا۔ مگر اپنی حکمت بالغہ کے تحت اس کا یہ اصول نہیں ہے وہ چاہتا ہے کہ ہادیان برحق کو بھیج کر لوگوں کے سامنے حق کو پیش کرے اور پھر وہ احسن طریقہ کے ساتھ دلائل وبراہین سے اپنے مدعا کو ثابت کریں۔ اور لوگوں کو باختیار خود سوچ سمجھ کر حق کو قبول یا رد کرنے کا موقع دیں۔ اور اس طرح بتدریج اپنے مشن کو بڑھائیں۔ ''مَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ''(سورہ کہف آیت......۲۹) تاکہ اپنی روش ورفتار کے مطابق مختلف لوگ جزاء وسزا کے مستحق قرار پائیں وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۔

آیات القرآن

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ
يُرْجَعُوْنَ۝۳۶ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ
عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝۳۷ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى
الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى
الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ۝۳۸ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝۳۹ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ
اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝۴۰

ترجمۃ الآیات

دعوت حق صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور جو مردے ہیں ان کو بس اللہ ہی (قیامت کے دن) اٹھائے گا پھر وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔(۳۶) اور وہ کفار کہتے ہیں کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں ہوتا؟ کہہ دیجئے کہ بے شک اللہ تو کوئی بھی معجزہ نازل کرنے پر قادر ہے لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں ہیں۔(۳۷) کوئی زمین میں چلنے والا جانور اور اپنے دونوں پروں سے اڑنے والا پرندہ نہیں ہے مگر تمہاری ہی طرح مختلف اقسام اور گروہ ہیں ہم نے کتاب میں کوئی کمی وکوتاہی نہیں کی ہے پھر وہ سب کے سب اپنے رب کے پاس محشور (جمع) کئے جائیں گے(۳۸) بہرے اور گونگے ہیں جو کہ طرح طرح کے اندھیروں میں پڑے ہیں۔اللہ جسے چاہتا ہے اسے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے(۳۹) اے رسول کہو کہ تم غور کرکے بتاؤ کہ اگر تمہارے پاس۔اللہ کا عذاب آجائے یا (اچانک) قیامت آجائے تو اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ بتاؤ اگر سچے ہو(۴۰)

تفسیر الآیات

۴۰۔ اِنَّمَا یَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ ...الآیۃ۔

اس آیت میں خداوند عالم نے ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ بیان کی ہے کہ ایمان تو وہ تب لائیں جب سنیں اور پھر سنی ہوئی بات میں غور وفکر کریں مگر جن کے دل مر چکے ہوں اوران میں سننے کی اہلیت ہی نہ ہوتو مردوں کوزندہ کرنا تو آپ کا کام نہیں ہے بلکہ یہ کام تو اللہ کا ہے جسے وہ قیامت کے دن انجام دے گا۔ یہ آیت ایسی ہے جیسی یہ آیت۔''اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَ لَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ''(سورہ نمل آیت......۸۰)تم مردوں کواپنی بات نہیں سنا سکتے ہواور نہ بہروں کواپنی آواز سنا سکتے ہو خاص کر جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں۔ظاہر ہے کہ یہاں مردوں،اندھوں اور بہروں سے مراد کافر ہی ہیں۔جب انہوں نے اپنے عزم وارادہ سے حق سننے اوراس سے اثر لینے کی صلاحیت ہی مفقود کر دی تو پھران میں اورمردوں میں کیافرق رہ گیا؟اس لئے خدانے ان کومردوں سے تشبیہ دی ہے۔

۴۱۔ وَقَالُوۡا لَوۡلَا ...الآیۃ۔

فرمائشی معجزے دکھانا خدا کی حکمت کے خلاف ہے

باوجودیکہ خداوند عالم پیغمبرؐ کے مقدس ہاتھوں پر کئی معجزات ظاہر کر چکا تھامگر کفار کا پھر مطالبہ کرنا کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں اترتا؟ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کوئی فرمائشی معجزہ کیوں ظاہر نہیں ہوتا؟ کیوں کہ وہ دیکھے ہوئے معجزات کوان دیکھا بنا کے نئے نئے معجزات دکھانے کی فرمائشیں کیا کرتے تھے۔بہر حال یہاں ان کے اس مطالبہ کا یہ جواب دیا گیا کہ خداتو ہر معجزہ پیش کرنے پر قادر مطلق ہے مگر ہر شخص کا مطلوبہ معجزہ دکھانا اس کی حکمت ومصلحت کے خلاف ہےاوروہ حکمت کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔آخر میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ جانتے نہیں ہیں۔یہ بدو وجہ ہے ایک اس لئے کہ وہ جانتے ہوتے تو اس قسم کے جاہلانہ مطالبے نہ کرتے دوسرے اس لئے کہ وہ نہیں جانتے کہ جب فرمائشی معجزہ آجائے تو پھر ایمان نہ لانے والوں کو ڈھیل نہیں ملتی فوراً عذاب خداوندی نازل ہوجاتا ہےاور منکرین کونیست ونابود کر دیتا ہے(تفسیر قمی،مجمع البیان)

''بَلۡ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ''لیکن اکثر لوگ اس حکمت ومصلحت کواپنی جہالت کی وجہ سے جانتے نہیں ہیں۔

چون ندیدند رہ حقیقت افسانہ زوند

۴۲۔ وَمَا مِن دَابَّةٍ...الآیۃ۔

خدائے قدیر وخبیر اس آیت میں یہ بیان فرما رہا ہے کہ زمین پر جو بھی چلنے پھرنے یا اڑنے والے جانور ہیں وہ سب فی الجملہ تم سے کچھ نہ کچھ مشابہت رکھتے ہیں وجہ شبہ کیا ہے؟ اس کی صراحت نہیں کی گئی ہے۔ لہٰذا۔ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ وہ بھی تمہاری طرح مخلوق ہیں اور اپنے خالق کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ ممکن ہے مقصد یہ ہو کہ وہ بھی تمہاری طرح خدا کی تخلیقی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں۔ ممکن ہے یہ مراد ہو کہ ان کی بھی تمہاری طرح مختلف قسمیں اور صنفیں ہیں۔ اور خالق حکیم نے ان کی خلقت میں جو اسرار ورموز ودیعت فرمائے ہیں اور ہر ہر ملک اور خطہ ارض اور اس کی آب وہوا کے مطابق جو کھال، بال اور اعضاء وجوارح عطا کئے ہیں علم الحیوانات کے ماہرین ان اسرار قدرت کو بے نقاب کرنے میں برابر شب وروز مشغول ہیں اور تاحال ان اسرار نہانی کا عشر عشیر بھی معلوم نہیں کر سکے ہیں۔

۴۳۔ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ...الآیۃ۔

پھر سب اللہ کی بارگاہ میں جمع ہوں گے۔ اس سے بعض مفسرین اور محدثین نے حیوانات کے حشر ونشر پر استدلال کیا ہے اور اس کی تائید مزید آیت مبارکہ واذا الوحوش حشرت سے اور بعض روایات سے حاصل کی ہے جن میں وارد ہے کہ بروز قیامت تمام جانور اور پرندے محشور کئے جائیں گے اور اس حد تک خدا عدل فرمائے گا کہ اگر کسی سینگ والے جانور نے بے سینگ کے جانور، کو ٹکر ماری تھی تو اس سے اس کا انتقام لیا جائے گا اور یہی سلوک دوسرے تمام جانوروں کے ساتھ کیا جائے گا۔ بعد ازاں وہ پروردگار کے حکم سے مٹی کا ڈھیر ہو جائیں گے۔ (مجمع البیان، معارف القرآن)

مگر اکثر علماء متکلمین ومفسرین کے نزدیک چونکہ حیوانات غیر ذوی العقول ہونے کی وجہ سے احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں اس لئے ان کی جزاء سزا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا انہوں نے ان سے ان کی موت اور سینگ والے جانور کے ٹکر مارنے کے انتقام لینے کو خدا کے عدل وانصاف کی شدت کا کنایہ قرار دیا ہے (تفسیر کاشف) واللہ العالم بحقیقۃ الحال۔

ہم نے کتاب میں ان کی کسی چیز کو نظر انداز نہیں کیا۔ یہاں کتاب سے کیا مراد ہے اس میں فی الجملہ اختلاف ہے بعض نے قرآن مراد لیا ہے اور یہی اکثر مفسرین کا قول ہے (مجمع البیان)

بعض نے لوح محفوظ مراد لی ہے اور بعض نے اس سے علم الٰہی مراد لیا ہے (تفسیر کاشف)۔

نہج البلاغہ کے بعض خطبات (جیسے فتوی دینے میں) علماء کے اختلاف کی مذمت والا خطبہ اور اصول کافی وعیون الاخبار کی بعض روایات سے پہلے قول یعنی اس سے قرآن مجید کے مراد ہے کی تائید مزید ہوتی ہے فیہ تبیان کل شئی۔

۴۴۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا ...الآیۃ۔

خدا کن لوگوں کو گمراہی میں چھوڑتا ہے اور کن کو ہدایت کرتا ہے؟

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸ کی تفسیر میں ''صم بکم'' کے مفہوم کی وضاحت کی جاچکی ہے۔ یعنی وہ آوازحق پر کان نہ دھرنے اور کلمہ حق بلند نہ کرنے میں بہروں اور گنگوں کی طرح ہیں اور ظلمات کفر وشرک اور گناہ وعصیان کے سمندر میں غلطان و پیچاں ہیں جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے۔ آخر میں یہ جو فرمایا کہ اللہ جسے چاہتا ہے۔ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶ ''يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا'' کی تفسیر میں اور سورہ نساء کی آیت نمبر ۸۸ ''اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ'' وغیرہ دوسرے مقامات پر اس موضوع کی مکمل وضاحت کی جاچکی ہے کہ خدا کا گمراہ کرنا، ہدایت کرنا اور اس کی مشیت بلا وجہ نہیں ہوتی۔ وما یضل بہ اِلاَّ الفاسقین (بقرہ۔۲۶) وہ گمراہی میں انہیں چھوڑتا ہے مگر ان کو جو فاسق وفاجر (نافرمان) ہوتے ہیں۔ ''وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ'' (سورہ ابراہیم آیت......۲۷) خدا انہی لوگوں کو گمراہی میں چھوڑتا ہے جو ظالم ہوتے ہیں ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ خدا انہی لوگوں سے اپنی توفیق سلب کرتا ہے۔ اور گمراہی میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کیلئے انہی کو چھوڑتا ہے جو ہدایت حاصل ہی نہیں کرنا چاہتے اور اپنے فسق وفجور ظلم وجور گناہ وعصیان اور سرکشی وطغیان میں بدمست رہنا چاہتے ہیں۔ اور ہدایت اور راہ راست کی توفیق انہی کو عطا کرتا ہے جو ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتا ہے ''وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا'' (سورہ عنکبوت آیت......۶۹) جو حق کی تلاش میں جدو جہد کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے دکھا دیتے ہیں۔ ''وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى'' (سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آیت......۱۷) جو لوگ ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ ایک اور جگہ فرماتا ہے کہ: ''يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ'' (سورہ مائدہ آیت......۱۶) جو اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں کوشاں ہو خدا اسے سلامتی کی راہوں کی ہدایت کر دیتا ہے۔

۴۵۔ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ ...الآیۃ۔

رایت واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور اس میں ''ت''ضمیر فاعل ہے اور اس کے ساتھ جو ''ك'' ہے وہ فاعل کی ضمیر کی تاکید کیلئے لایا جاتا ہے جو فاعل کے مفرد و تثنیہ اور جمع ہونے کی صورت میں ک، کما اور کم کی صورت میں بدلتا رہتا ہے مگر بدستور مفتوح رہتا ہے جیسے اریتك ارایتکما و ارایتکم جس کے معنی دیکھنے غور کرنے اور خبر دینے کے ہیں۔ اس آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ خداوند عالم کافروں اور مشرکوں کے ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھ رہا ہے کہ جب تمہارے پاس وہ عذاب خداوندی آجائے۔ تو اس کھٹن مرحلہ پر تم خدا کو پکارو گے یا اپنے ان خود ساختہ بتوں اور دیوتاؤں کو پکارو گے جن کو خدا کا شریک اور اپنا حاجت روا سمجھتے ہو؟ اور جب ان مشکل لمحات اور کٹھن حالات میں سب کو چھوڑ کر اور سب کو بھلا بھلا کر صرف خدا کی آغوش رحمت میں عاقبت و نجات تلاش کرتے ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اور اس کی توحید اور پرستش تمہاری فطرت میں موجود ہے جو احتیاج و ضرورت کے وقت ابھر کر سامنے آجاتی ہے تو پھر عام حالات میں کیوں ان کی عبادت اور پوجا پاٹ کرتے ہو اور کیوں ان کو مشکل کشا مانتے ہو؟ ارباب عقل غور کریں کہ کفر و شرک کو باطل کرنے اور توحید کو ثابت کرنے نیز مشرکوں کو لاجواب کرنے کیلئے کیا بہترین فطری استدلال ہے۔ ''اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ''(سورہ نمل آیت...... ۶۲)۔ آیا اللہ کے سوا کوئی اور ہے جو مضطر و پریشان کی دعا و پکار کو سنے جب وہ اسے پکارے اور اس سے مصیبت کو دور کرے؟ لا وایم اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم لا شریك له و بذالك امرت و انی من المسلمین۔

آیات القرآن

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

أَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
يَأْتِيْكُمْ بِهٖ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمۃ الآیات

بلکہ اسی کو ہی پکارو گے اور اگر وہ چاہے گا تو (مصیبت) کو دور کر دے گا جس کیلئے تم نے اسے پکارا ہے اور تم انہیں بھول جاؤ گے جن کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو (۴۱) بلکہ اے رسول بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے اور ان کی نافرمانی پر پہلے تو ہم نے ان کو تنگدستی اور تکلیف میں مبتلا کیا۔ تا کہ تضرع وزاری کریں۔ (۴۲) جب ان کے پاس ہماری طرف سے سختی آئی تو آخر انہوں نے تضرع وزاری کیوں نہ کی؟ لیکن ان کے دل تو اور بھی سخت ہو گئے اور شیطان نے (ان کی نظروں میں) ان کاموں کو جو وہ کرتے تھے آراستہ کر کے پیش کیا (۴۳) اور جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے (ابتلا وامتحان کے طور پر) ہم اچانک انہیں پکڑ لیا۔ تو وہ ایک دم مایوس ہو گئے (۴۴) پس ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی (ان کی نسل قطع ہو گئی) اور سب تعریف اللہ کیلئے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ (۴۵) اے رسول کہیے غور کر کے بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے لے (یعنی قوت شنوائی اور بینائی چھین لے) اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا اور کون خدا ہے جو تمہیں یہ چیزیں لا دے؟ دیکھئے ہم کس طرح الٹ پلٹ کر اپنی توحید کی نشانیاں واضح کرتے ہیں پھر بھی وہ روگردانی کرتے ہیں (۴۶)

تفسیر الآیات

۴۵۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ ... ۴۲ الآیۃ۔

خدائی اتمام حجت کی تین طریقوں کا تذکرہ

یہ حقیقت تو ارباب عقل و دانش پر واضح ہے کہ خداوند عالم اتمام حجت کے بغیر کسی قوم پر اپنا عذاب

نازل نہیں کرتا اب رہی یہ بات کہ وہ اتمام حجت کس طرح کرتا ہے؟ تو ان آیات شریفہ میں اس بات کی وضاحت کی جارہی ہے کہ خدائے رحیم وکریم اپنے بندوں کو چاہ ضلالت سے نکالنے اور جادہ حق وصداقت پر چلانے کیلئے مختلف اوقات میں تین طریقہ ہائے کار استعمال فرماتا ہے۔ سب سے پہلے تو نبی ورسول بھیجتا ہے تاکہ وہ انہیں آیات واحکام الٰہیہ پڑھکر سنائیں اور وعظ ونصیحت وبشارت ونذارت کے ذریعے راہ راست پر لائیں۔

پس اگر یہ طریقہ کارگر ثابت ہوجائے تو فبھا ورنہ وہ تنگدستی اور بیماری الغرض مختلف تکلیفوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔ کیونکہ انسان کی فطرت ہے جس پر جہالت وضلالت کے جس قدر دبیز پردے پڑ چکے ہوں مگر مصیبت اور تکلیف کے وقت وہ ابھر کر سامنے آجاتی ہے اور اپنے خالق مالک خدا کو یاد کرتی ہے اور اس کے سایہ رحمت میں پناہ ڈھونڈتی ہے۔ اور اس طرح یہ تکلیفیں اصلاح احوال کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور اگر شیطان اپنا ہاتھ دکھا جائے۔ اور ان کے برے کاموں کو ان کی آنکھوں میں اچھا کر کے دکھائے اور ان کی فطرت مسخ ہوجائے اور دل سخت ہوجائیں اور وہ خدا کی بارگاہ میں تضرع وزاری نہ کریں اور تائب نہ ہوں تو پھر خدائے مہربان ایک اور طریقہ سے ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے لئے رزق ودولت اور خوش حالی اور فارغ البالی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور تنگدستی فراخی سے اور تکلیف راحت سے بدل جاتی ہے تاکہ اپنے محسن ومنعم کا شکر ادا کریں بہرحال اگر اس طرح وہ اپنی اصلاح کریں تو فبھا ورنہ خدا کا قہر وغضب جوش میں آجاتا ہے اور ان کو نیست ونابود کر دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح ان کی اصل نسل قطع ہوجاتی ہے اور فتنہ وفساد کی جڑ کٹ جاتی ہے والحمد اللہ رب العالمین۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی دنیا کا مال ومنال اور جاہ جلال بھی عذاب وعقاب ہی کا باعث بن جاتا ہے۔ اور ایک بے ایمان وبدکردار آدمی کا وجود مخلوق خدا کیلئے ایسا وزر وبال بن جاتا ہے کہ جس کے مٹ جانے پر اظہار تشکر کیا جاتا ہے نیز اس سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ دنیا میں کسی شخص یا کسی قوم پر عیش وعشرت کے اسباب کی فراوانی اس کے محبوب خدا ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ یہ سب کچھ استدراج ہو کہ جس کا انجام بڑا خطرناک بھی ہوسکتا ہو۔ جس طرح کہ عسرت وتنگدستی اور بلا ومصیبت دشمن خدا ہونے کی علامت نہیں ہے ممکن ہے یہ سب کچھ ابتلاء آزمائش ہو جس کا انجام بڑا خوشگوار ہو۔

۴۶۔ فَلَمَّا نَسُوْا ...الآیۃ۔

مروی ہے کہ جب حجاج ثقفی کے حکم سے حضرت امیر علیہ السلام کے خاص غلام قنبر کو پکڑ کر اس کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے پوچھا کہ تم حضرت علی علیہ السلام کی کیا خدمت کیا کرتے تھے؟

کہا: دوسری خدمات کے علاوہ خاص طور پر میں آپؑ کو وضو کرایا کرتا تھا یعنی وضو کیلئے پانی وغیرہ پیش کرتا تھا۔

پوچھا: جب وہ وضو کر چکتے تھے تو کیا پڑھتے تھے؟

کہا: یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔''فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ (۴۴) فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ط وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ انعام آیت ......۴۵)''۔

حجاج نے کہا: کیا وہ اس کی تاویل ہمارے بنی امیہ کے اقتدار کے بارے میں کرتے تھے؟

کہا: ہاں!

کہا: اگر میں تمہاری گردن اڑا دوں تو تم کیا کرو گے؟

کہا: میں شہادت کی سعادت پر فائز ہو جاؤں گا۔ اور تم شقی و بدبخت بن جاؤ گے۔ (تفسیر عیاشی و برہان)

۴۷۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ ...الآية۔

انسان اپنے آنکھ اور دل و دماغ کے ساتھ ہی انسان ہے اور اگر یہ نہ ہوں یعنی آدمی سے سننے دیکھنے اور شعور کی قوت سلب ہو جائے تو ایک انسان ایک حیوان سے بھی بدتر ہو جائے۔ بنا بریں خداوند عالم دھمکی دے رہا ہے کہ جو خدا یہ نعمتیں عطا کر سکتا ہے وہ جب چاہے تو ناشکری کرنے پر ان کے سلب کرنے پر بھی قادر ہے۔ کیونکہ اس کا وعدہ ہے کہ

''لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ''(سورہ ابراہیم آیت ......۷)

اگر وہ کفران نعمت کی پاداش میں یہ نعمتیں واپس لے لے تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمہیں یہ نعمتیں واپس لا دے؟

اسی بناء پر حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں یا بن آدم ''اذا ریت ربك يتابع عليك نعمه فاحذره''۔ اے فرزند آدم۔ جب تو دیکھے کہ خداوند کریم تجھ پر مسلسل اپنی نعمتوں کی بارش برسا رہا ہے تو اس سے ڈر۔ (مجمع البیان)

کہیں یہ بخت و اقبال اور جاہ و جلال تیرے زوال کا باعث نہ بن جائے قرآن کا یہ اسلوب بیان

کس قدر دلاویز ہے کس طرح انداز بدل بدل کر لوگوں کو حقیقت ذہین نشین کرانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ وعظ ونصیحت حاصل کریں مگر افسوس کہ بموجب۔ مردنا ان پر کلام نرم ونازک بے اثر وہ پھر بھی روگردانی ہی کر رہے ہیں کبھی تخویف انذار اور کبھی اسباب عیش وعشرت کی فروانی اور کبھی تنگدستی و بیماری یہی تصریف الآیات کا مفہوم ہے۔

آیات القرآن

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ۝۴۷ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝۴۸ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۝۴۹ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۝۵۰ۧ

ترجمۃ الآیات

کہیئے ذرا غور کر کے بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا علانیہ آجائے تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک و برباد ہوگا؟ (۴۷) اور ہم پیغمبروں کو نہیں بھیجتے مگر نیکوکاروں کو خوشخبری دینے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر پس جو ایمان لے آئیں اور اپنی اصلاح کر لیں (نیک عمل کریں)۔ تو نہ ان کیلئے کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے (۴۸) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب پہنچے گا (۴۹) اے رسول کہہ دیجئے؟ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس

وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے کی جاتی ہے آپ کہیے! کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہے؟
تم غور وفکر کیوں نہیں کرتے۔(۵۰)

تفسیر الآیات

۴۸۔قُلْ اَرَئَیْتَکُمْ اِنْ آتکُمْ...الآیۃ

اس آیت میں صرف یہ بات قابل غور ہے کہ عذاب خدا کے ''بغتۃً'' (اچانک) اور ''جھرۃ'' (کھلم کھلا) آنے کا مطلب کیا ہے؟ مفسرین نے صراحت کی ہے کہ عذاب کے اچانک آنے سے بے خبری کے عالم میں اس طرح عذاب کا آنا مراد ہے جس کا وہم وگمان بھی نہ ہو اور نہ ہی اس کے آنے کے کوئی آثار نمایاں ہوں۔ جیسے رات کے وقت سونے کی حالت میں عذاب کا آنا اور کھلم کھلا سے مراد وہ عذاب ہے جو دن دھاڑے آئے اور جس کے آثار محسوس ہور ہے ہوں اس عنوان بیان کے ساتھ خالق دو جہاں نے ایک بار پھر کفار ومشرکین اور ظالمین و فاسقین کو تہدید و وعید کی ہے کہ اگر اس طرح اچانک یا ظاہر بظاہر عذاب الٰہی نازل ہوجائے تو ظالموں کے سوا اور کون تباہ وبرباد ہوگا؟ جو تم ہی ہو مگر خدائے کریم نے رواداری کی خاطر برملا یہ نہیں کہا کہ وہ ہلاک وبرباد ہونے والے تم ہو۔ تا کہ یہ بات ان کی طبیعت پر گراں بھی نہ گذرے۔ اور جو حقیقت ہے وہ بھی ان کے گوش گزار ہوجائے۔

۴۹۔وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ...الآیۃ

انبیاء ومرسلین کے مبشر ومنذر بنا کر بھیجنے کا فلسفہ قبل ازیں تفصیل کے ساتھ اسی سورہ کی آیت نمبر ۹ کی تفسیر کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے ہم ان حقائق کا اعادہ کر کے کلام کو طول نہیں دینا چاہتے ہاں البتہ یہاں چونکہ ان کو مان کر ان کی اتباع واطاعت کرنے یا نہ مان کر ان کی نافرمانی کرنے کا ثمرہ اور نتیجہ بیان کیا جا رہا ہے۔ اسلئے ہم بھی اسی بات کے مختصر بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ ان پر ایمان لائے اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لی۔ تو ان کیلئے نہ کوئی خوف ہے۔

اور نہ وہ غمگین ہوں گے عام مفسرین نے اس خوف وحزن سے مراد قیامت کا خوف وہراس اور حزن وملال مراد لیا ہے کہ وہ بروز قیامت امن وامان میں ہوں گے ورنہ ظاہر ہے کہ دار دنیا میں تو ایسے خاصان خدا کو خوف اور حزن سے سابقہ پڑتا ہی رہتا ہے۔ مگر بعض مفسرین نے اس خوف وحزن کو اس کے عموم پر محمول کیا ہے۔ کہ جو خاصان خدا ہوتے ہیں وہ دنیا وآخرت میں خوف وحزن سے بے نیاز ہوتے ہیں کیونکہ یہاں جس خوف کی نفی کی گئی

ہے اس سے مراد اپنے کردار پر افسوس ہے اور ظاہر ہے کہ یہ افسوس بدکردار لوگوں کو ہوتا ہے باایمان اور باکردار لوگ اس سے مبرا ہوتے ہیں اس لئے وہ ہر حال میں ثابت قدم، مستقل مزاج، اور مطمئن نظر آتے ہیں۔ اور حوادث کی آندھیاں اور مصائب وآلام کے زلزلے ان کے پائے ثبات میں جنبش پیدا نہیں کرسکتے (فصل الخطاب)

اور جو لوگ آیات الٰہیہ کو جھٹلاتے ہیں۔ نہ ایماں لاتے ہیں اور نہ انبیاء ورسل کی اتباع کرتے ہیں انہیں اپنے فسق یعنی کفر کی وجہ سے عذاب ہوگا اور وہ ضرور اپنے کئے کی سزا بھگتیں گے۔ فسق یعنی اللہ کی نافرمانی عام ہے یہ فسق کبھی کفر کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور کبھی عام گناہ کی شکل میں۔ لہٰذا ہر کافر فاسق ہے مگر ہر فاسق کافر نہیں ہوتا لیکن یہاں فسق سے بہر حال کفر اور خروج از سلام مراد ہے کیونکہ اس کا ایک قطعی قرینہ موجود ہے اور وہ ہے آیات الٰہیہ کی تکذیب کرنا اور ان کو جھٹلانا جو کہ کفر ہے۔

۵۰۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ ...الآیۃ۔

انبیاء ومرسلین اور آئمہ طاہرینؑ کے بارے میں عام لوگوں کا احمقانہ تصور

''نادان لوگوں کے ذہن میں ہمیشہ سے یہ احمقانہ تصور رہا ہے کہ جو شخص خدا رسیدہ ہو اسے انسانیت سے ماوراء ہونا چاہیے اس سے عجائب وغرایب صادر ہونے چاہیں وہ ایک اشارہ کرے تو پہاڑ سونے کا بن جائے وہ حکم دے تو زمین خزانے اگلنے لگے۔ اس پر لوگوں کے اگلے پچھلے سب حالات روشن ہوں۔ وہ بتادے کہ گم شدہ چیز کہاں رکھی ہے۔ مریض بچ جائے گا یا مر جائے گا حاملہ کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ؟ اس کو انسان کی کمزوریوں اور محدودیتوں سے بھی بالاتر ہونا چاہیے بھلا وہ بھی کوئی خدا رسیدہ ہے جسے بھوک اور پیاس لگے۔ جس کو نیند آئے جو بیوی بچے رکھتا ہو جو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے خرید وفروخت کرتا ہو پھر جسے کبھی قرض لینے کی ضرورت پیش آئے اور کبھی وہ مفلسی اور تنگدستی میں مبتلا ہو کر پریشان حال رہے؟ اس قسم کے تصورات نبی کے معاصرین کی ذہنیت پر مسلط تھے۔ وہ جب آپ سے پیغمبری کا دعویٰ سنتے تھے تو آپ کی صداقت جانچنے کیلئے آپ سے غیب کی خبریں پوچھتے تھے۔ خوارق عادات کا مطالبہ کرتے تھے اور آپ کو تمام انسانوں جیسا ایک انسان دیکھ کر اعتراض کرتے تھے کہ یہ اچھا پیغمبر ہے جو کھاتا پیتا ہے بیوی بچے رکھتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے انہی باتوں کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے (تفہیم القران)۔

الغرض کفار ومشرکین کے ان مطالبات پر گہری نگاہ ڈالی جائے جو وہ مختلف اوقات میں پیغمبر اسلامؐ سے کیا کرتے تھے کہ اگر آپ واقعاً اللہ کے نبی ہیں تو ہمارے لئے دنیا بھر کے خزانے جمع کردیں

ہمیں ہمارے آنے والے واقعات بتادیں تاکہ ہم مفید چیزوں کو حاصل کرسکیں اور مضر چیزوں سے بچ سکیں اور اگر آپ پیغمبرؐ ہیں تو ہماری طرح انسان کیوں ہیں جو ہماری طرح والدین سے پیدا ہوئے ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں اور ہماری طرح سوتے اور جاگتے ہیں اللہ نے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا جو ان بشری صفات سے ماوراء ہوتا۔ ان لوگوں کے انہی مطالبات کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ارشاد ہوتا ہے کہہ دیجئے کہ اللہ کے خزائن میرے پاس نہیں ہیں کہ میں تمہارے لئے جمع کردوں۔ ''لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ''(سورہ منافقون آیت......۷) آسمانوں کے خزانے اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔''وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ''(سورہ حجر آیت......۲۱) ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو بقدر معلوم نازل کرتے ہیں۔ اس لئے ''فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ''(عنکبوت آیت......۱۷) رزق اللہ سے طلب کرو۔ اور اس کی عبادت کرو۔ اور اس کا شکر کرو۔ آخر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ خاصان خدا یتعلیم اللہ بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں چنانچہ حضرت رسول خدا کو خدائے علام الغیوب نے ہزاروں غیب کی چیزوں کا علم عطا فرمایا تھا اور ان کو تمام کائنات سے زیادہ دولت علم سے نوازا تھا اور وہ مغیبات کثیرہ پر مطلع تھے مگر ہم سورہ آل عمران کی آیت ۱۷۹ (وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ) کی تفسیر کے ضمن میں علم غیب کا لغوی و اصطلاحی مفہوم بیان کرنے کے بعد بڑی تفصیل سے واضح کر چکے ہیں کہ عالم الغیب اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کا علم کلی واحاطی ہو یعنی کائنات کی ہر چیز کو محیط ہو اور وہ بھی ذاتی ہو کسی اور کا عطا کردہ نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی ہستی صرف اور صرف خالق کون ومکان اور خالق دوجہاں ہی کی ہے وبس۔ لہٰذا اس کے سوا کسی بھی مخلوق کو عالم الغیب کہنا شرعاً صحیح نہیں ہے۔ (اوائل المقالات شیخ مفیدؒ صفحہ ۱۹، شرح اصول کافی جلد ۶ صفحہ ۲۸ طبع تہران، فاضل مازندرانی مجمع البیان جلد اول صفحہ ۵۸۴ طبع ایران قدیم وغیرہ)۔

اسی لئے ایک دوسرے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے کہلوایا گیا ہے۔''وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ''(سورہ اعراف آیت......۱۸۸)۔ اگر میں غیب دان ہوتا تو میں بہت سا نفع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو صرف ایمان دار لوگوں کو ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں۔

''قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ط وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ''(سورہ النحل آیت......۶۵)۔اور میں نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

اس سے کچھ غلط اندیش لوگوں نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ فرشتے نبیوں سے افضل ہوتے ہیں مگر یہ استدلال محض غلط ہے۔ یہ بات اپنے مقام پر طے شدہ ہے کہ تمام انواع عالم میں سے افضل نوع انسانی نوع ہے اور انسان ہی مجموعہ اضداد اور پھر فاعل مختار ہونے کی بنا پر اشرف المخلوقات اور افضل الموجودات ہے اور انبیاء ومرسلین اسی اعلیٰ نوع کے افضل واکمل افراد ہوتے ہیں اور سرکار محمد وال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے افضل واکمل ہیں اس لئے فرشتے تو ان کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ عام لوگوں بالخصوص کافروں کے دل ودماغ میں ایک ناقص اور گمراہ انسان کا تصور موجود تھا۔ ان کو معلوم نہیں تھا کہ ایک انسان کامل کا مقام فرشتوں سے بدر جہا بلند وبالا ہے۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

مقام نبی کا مختصر تعارف؟

میں تو اس کی اتباع کرتا ہوں جس کی مجھے وحی ہوتی ہے مقصد یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ خاص اور اس کا رسول ہوں اس کا مد مقابل نہیں ہوں۔ اس طرح خداوند علیم وحکیم نے جہاں نادان لوگوں کی ذہنیت کی اصلاح کر دی وہاں ان کو مقام نبی ورسول کا اجمالی تعارف بھی کرا دیا کہ وہ ہر لحاظ سے ایک انسان کامل اور خاص بندہ خدا ہوتا ہے اور اس کی وحی ومشیت کا تابع ہوتا ہے یعنی معصوم عن الخطاء ہوتا ہے اور اس کے دین کا داعی اور مبلغ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس منصب کیلئے خدا کے خزانوں کا مالک ہونا یا عالم الغیب ہونا یا پھر فرشتہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ مگر اس کا کیا علاج ہے کہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد ''دین حق کے بارے میں انسان کی یہ عالمگیر گمراہی رہی ہے کہ ہمیشہ ماوراء فطرت عجائب وغرائب کا خواہشمند رہا ہے اور اس کی عجائب پسند طبیعت اس پر قانع نہیں ہوتی کہ سچائی اپنی سیدھی سادی شکل میں نمایاں ہو جائے۔ یہی گمراہی ہے جس نے پیروان مذاہب کی راہ کو تو ہم پرستوں کی راہ بنا دیا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اپنے داعیوں کو انسانیت کی سطح سے بلند کر کے الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا لیکن قرآن اس لئے آیا تھا کہ اس طرح کی تمام گمراہیوں کی راہ بند کر دے اس لئے آیت ۵۱ میں پیغمبر اسلامؐ کی حیثیت واضح کر دی ہے''(ترجمان القرآن)۔

۵۱۔قل ھل یستوی۔۔۔۔۔الآیۃ۔

کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوتے ہیں؟ یہ استفہام انکاری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس انداز تخاطب سے خداوند عالم ان لوگوں کو تنبیہ کرنا چاہتا ہے جو حضرت رسول خداؐ کو ان کے بشر و انسان ہونے کی وجہ سے عام بشری کمزوریوں میں آپ کو اپنے جیسا خیال کرتے ہیں گویا خدا یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ جتنا ایک اندھے اور آنکھوں والے میں فرق ہوتا ہے۔اتنا ہی فرق تم میں اور حبیب کبریاء میں ہے۔تمہارے نظریات تمہارے قیاسات اور ذاتی خیالات پر مبنی ہیں اور میرے معتقدات وحی ربانی کے مطابق ہیں۔لہٰذا جس طرح عالم و جاہل کبھی برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک نبی اور عام آدمی بھی مرتبہ و مقام میں برابر نہیں ہو سکتے۔

آیات القرآن

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۝۵۱ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ
مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝۵۲ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ
مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ۝۵۳ وَاِذَا
جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ
عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ
بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝۵۴

ترجمة الآیات

اور آپ اس (وحی شدہ قرآن) کے ذریعہ سے ان لوگوں کو ڈرائیں۔ جنہیں خوف (اندیشہ) ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف محشور ہوں گے۔ کہ اس (اللہ) کے سوا ان کا نہ کوئی سرپرست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی شاید کہ وہ متقی و پرہیزگار بن جائیں (۵۱) (اے رسول) ان لوگوں کو اپنے پاس سے نہ دھتکارو۔ جو اپنے پروردگار کی رضا جوئی کی خاطر صبح و شام اسے پکارتے ہیں۔ ان کا کچھ بھی حساب کتاب آپ کے ذمہ نہیں ہے اور نہ ہی آپ کا کچھ بھی حساب کتاب ان کے ذمہ ہے اور اگر آپ نے پھر بھی انہیں دھتکار دیا تو آپ بے انصافی کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے (۵۲) اس طرح ہم نے بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ وہ کہیں کہ کیا یہی وہ ہیں جن کو ہم میں سے اللہ نے اپنے (خاص) احسان سے نوازا ہے؟ کیا اللہ اپنے شکرگزار بندوں کو (ان سے) زیادہ نہیں جانتا ہے؟ (۵۳) اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں تو ان سے کہو سلام علیکم (تم پر سلامتی ہو)۔ تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم قرار دی ہے (لہٰذا) اگر تم میں سے کوئی شخص جہالت و نادانی کی وجہ سے کوئی برائی کرے پھر اس کے بعد توبہ کرلے۔ اور اپنی اصلاح کرلے تو بے شک وہ (اللہ) بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے (۵۴)

تفسیر الآیات

۵۲۔ وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ ..... الآية۔

مفسرین میں قدرے اختلاف ہے کہ ان کو ڈرائیں جو حشر سے ڈرتے ہیں۔ سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعض نے اس سے اہل ایمان اور بعض نے کفار مراد لئے ہیں اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو عقیدہ قیامت کے بارے میں تین قسم کے لوگ نظر آتے ہیں۔

۱۔ ایک جن کو قیامت کے آنے کا یقین ہے۔

۲۔ دوسرے وہ جن کو اس کے وقوع پذیر ہونے میں شک وتردد ہے۔

۳۔ تیسرے وہ جو بڑے شدومد کے ساتھ اس کا انکار کرتے ہیں۔

اگرچہ انبیاء ورسل کو انذار (ڈرانے) کا جو حکم ہے وہ عمومی ہے کہ تمام لوگوں کو ڈرائیں۔ مگر یہاں خصوصی طور پر آنحضرت کو پہلے طبقہ کو قرآن کے ذریعے سے ڈرانے کا جو حکم دیا جارہا ہے یہ اس لئے ہے تا کہ ان کے عقیدہ ایمان میں مزید پختگی اور اخروی زندگی کو سنوارنے کیلئے عمل وکردار میں اور درستگی آجائے اور ویسے دوسرے طبقہ کو بھی نظرانداز نہ کریں کیونکہ توقع ہے کہ وہ اس تبلیغ وانذار سے اثر لیں اور اس کی وجہ سے ان کا شک وتردد زائل ہوجائے اور دولت ایمان سے ان کا دامن بھر جائے حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا:

انذر بالقرآن من يرجون الوصول الى ربهم ترغبهم فيما عنده فان القران شافع مشفع لهم۔ یعنی قرآن کے ذریعہ سے ان لوگوں کو ڈرائیں جو خدا کی بارگاہ میں حاضری وحضوری کی امید رکھتے ہیں اور ان کو خدا کے اجر وثواب کی رغبت دلائیں کیونکہ ان کیلئے قرآن ایسا شفاعت کرنے والا ہے جو مقبول الشفاعہ ہے۔ (مجمع البیان)

اور آخر میں جو اللہ یہ فرمارہا ہے کہ ان کیلئے کوئی سرپرست اور سفارشی نہیں ہے۔ تو اگر تو حشر سے ڈرنے والوں سے کافر مراد لئے جائیں تو پھر تو بات واضح ہے کہ کافروں کا کوئی سرپرست اور سفارش کرنے والا نہیں ہے لیکن اگر اس سے اہل ایمان مراد لئے جائیں جیسا کہ ہم نے لئے ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے اذن واجازت کے بغیر ان کا کوئی سفارشی نہیں ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ''مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ'' کون ہے جو اس (اللہ) کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ (سورہ بقرہ آیت...... ۲۵۵)۔

۵۳۔ وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِیۡنَ...... الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول

بعض مفسرین نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار قریش کے چند بڑے آدمی پیغمبر اسلامؐ کے پاس سے گذرے دیکھا کہ آپ کی خدمت میں عمارؓ، بلالؓ، صہیبؓ اور خبابؓ جیسے غرباء ومساکین مسلمان بیٹھے ہوئے ہیں یہ منظر دیکھ کر بولے یا محمدؐ! یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے خصوصی احسان وانعام کیا ہے آپ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے تابع بن کر رہیں؟ آپ پہلے ان ناداروں اور گھٹیا قسم کے لوگوں کو اپنی بزم سے اٹھائیں تو پھر ہوسکتا ہے کہ ہم آپ کے پاس آئیں اور ممکن ہے ایمان بھی

لائیں۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(مجمع البیان بحوالہ تفسیر ثعلبی)۔

ہر دور کے طبقہ روساء کی ذہنیت کا تذکرہ

طبقہ روساء کی یہ پرانی روش اور ذہنیت ہے کہ وہ غریب و نادار لوگوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے میں اپنی توہین سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو شریف اور معزز سمجھتے ہیں اور غریب و نادار لوگوں کو رذیل جانتے ہیں۔

ہر دور میں اکثر دیندار لوگ غریب و نادار رہے ہیں

اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ ہر دور میں انبیاء و مرسلین کی تصدیق کرنے والے اور ان کی قدردانی کرتے ہوئے ان پر ایمان لانے والے زیادہ تر نادار ہی رہے ہیں جنہیں امراء و رؤسا ہمیشہ رذیل اور ذلیل کہا کرتے تھے۔قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے لے کر پیغمبر اسلامؐ کے عہد تک ہر دور میں اہل کفر و شرک کے اکابر کی غریب اہل ایمان کے ساتھ یہی روش و رفتار رہی ہے قرآن خبر دیتا ہے کہ جناب نوح علیہ السلام کے عہد میں ایسے ہی لوگوں نے کہا تھا:''قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ'' (شعراء آیت......۱۱۱) ہم کس طرح آپ پر ایمان لائیں حالانکہ آپ کے جو پیرو کار ہیں وہ رذیل لوگ ہیں۔

اور یہی ذہنیت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں بھی کارفرما نظر آتی ہے۔''يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ''(سورہ منافقون......۸) کہ جب ہم عزت دار لوگ مدینہ لوٹ کر جائیں گے تو وہاں سے ذلیل لوگوں کو باہر نکال دیں گے۔

سچ ہے کہ۔

ہر دور میں ہوتی رہی طاقت کی پرستش
ہر دور یزیدوں کا طرفدار رہا ہے

انبیاءؑ نے،قرآن نے اور پیغمبر اسلامؐ نے ہمیشہ یہ حقیقت واضح کی ہے کہ شرافت و رذالت کا معیار نہ پیشہ ہے نہ پیسہ ہے، نہ رنگ ہے نہ روپ ہے، نہ قد ہے نہ کاٹھ ہے، نہ نسل ہے نہ خاندان ہے، ہاں البتہ اگر اس کا میزان ہے تو ایمان ہے علم ہے، عمل ہے اور تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔

''وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ'' عزت تو بس اللہ کیلئے ہے اس کے رسول کیلئے ہے اور اہل ایمان کیلئے ہے مگر منافق لوگ جانتے نہیں ہیں۔(سورہ المنافقون آیت......۸)

الغرض کفار قریش کے ان بڑے سرداروں کے اس بے جا مطالبہ پر خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی اور اپنے پیغمبر اکرمؐ کو حکم دیا کہ خبردار ان لوگوں کو اپنے پاس سے نہ دھتکاریں جو خدا کی رضا جوئی کی خاطر صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں۔ان کے حساب و کتاب کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے اور نہ آپ کے حساب و کتاب کی ذمہ داری ان پر ہے ہر شخص اپنے عیب وصواب کا خود ذمہ دار ہے لہٰذا اگر آپ نے ان کو دھتکار دیا تو آپ بے انصاف لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔

تنبیہ

مخفی نہ رہے کہ اس ممانعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کافر رؤساء کا یہ مطالبہ قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے؟ (العیاذ باللہ) بلکہ خدائے علیم وحکیم نے اس قسم کا سخت لہجہ اختیار کر کے ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے اور ان کی زبان بندی کی ہے جو اس قسم کا غلط مطالبہ رحمۃ للعالمین سے کر رہے تھے۔اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کی امت کو بھی ایسا ہی طرز عمل اختیار کرنے کی ہدایت کر دی گئی ہے۔

۵۴۔ وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا ...الآیۃ۔

اس آیت کی تشریح سابقہ آیت کی تفسیر کے ضمن میں کر دی گئی ہے۔قوم قریش کے سرداران غریب اور مسکین اہل ایمان کے ساتھ حسد کرتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ سب سے پہلے ایمان لانے کا رتبہ انہوں نے کیوں حاصل کر لیا چونکہ یہ سب کچھ اس کی توفیق اور خذلان کے نتیجہ میں ہوا ہے اس لئے اس کی نسبت مجازاً خدا کی طرف دے دی گئی کہ سرمایہ داری اور سرداری کا گھمنڈ رکھنے والوں کو خدا نے ہی اس آزمائش کی کٹھالی میں ڈالا ہے۔

اسلامی طریقہ پر سلام کرنے کی تعلیم؟

۵۵۔ وَاِذَا جَآئَكَ الَّذِيْنَ ...الآیۃ۔

اسلامی طریقہ پر سلام کرنے کا حکم

اس آیت مبارکہ سے اسلامی طریقہ سے سلام کرنے کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ جب اہل ایمان ایک دوسرے سے ملیں تو پہل کرنے والے یوں کہیں سلام علیکم۔اور جواب دینے والا کچھ اضافہ سے جواب دے جیسے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور اگر سلام کرنے والا سلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو جواب دینے والا وبرکاتہ کا بھی اضافہ کرے جیسا کہ اس بات کی وضاحت سورہ نسا آیت مبارکہ ۸۶ ''وَاِذَا

حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا'' کی تفسیر کے ضمن میں کر دی گئی ہے اگرچہ السلام علیکم کہنا بھی شرعاً صحیح ہے مگر قرآن کی متعدد آیات سے سلام علیکم کہنے کی برتری واضح ہوتی ہے ان میں سے ایک آیت تو یہی ہے جس میں خالق دوجہان نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''سلام علیکم'' کہہ کر اہل ایمان کو سلام کرنے کی تعلیم دی ہے دوسری وہ آیت ہے جس میں فرشتوں اہل بہشت کو سلام علیکم کہہ کر سلام کرنے کا تذکرہ ہے ''والملائکة يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ يقولون سَلٰمٌ عَلَيْكُم'' (سورہ رعد آیت...... ۲۳،۲۴)

پیغمبر اسلام فرماتے ہیں:

''ادبنی ربی فاحسن تادیبی'' میرے پروردگار نے مجھے بہترین طریقہ پر ادب سکھایا ہے۔

اس لئے آپ نے اخلاق عالیہ کی عمارت کو اس کی تکمیل کی منزل تک پہنچا دیا۔

۵۶۔ كَتَبَ رَبُّكُمْ ......الآیة

اسی سورہ انعام کی آیت نمبر ۸ '' کتب علی نفسه الرحمة'' کی تفسیر کے ضمن میں اس آیت کی تفسیر بیان ہو چکی ہے اور واضح کیا جا چکا ہے۔ کہ خدا نے جو اپنی ذات پر اپنے بندوں پر رحمت کرنا واجب قرار دی ہے تو یہ وجوب کسی اور کی طرف سے نہیں ہے بلکہ اپنے فضل وکرم کی بنا پر اس نے اسے اپنے او پر لازم قرار دیا ہے لہٰذا بموجب رحمت حق بہانہ می جوید بہانمی جوید

اگر کوئی شخص جہالت کی وجہ سے کوئی برائی کرے اور اس کے بعد فوراً توبہ کر لے اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لے تو خدا بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔

شرائط توبہ اور اس کے طریقہ کار کا اجمالی بیان

ہم قبل ازیں سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۷ ''اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ'' کی تفسیر میں شرعی توبہ کا طریقہ کار اور اس کے قواعد وضوابط اور شرائط پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے یہاں ان مطالب کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے اور یہ حقیقت بھی وہاں الم نشرح کی جا چکی ہے کہ یہاں جہالت سے مراد سفاہت اور بے وقوفی ہے اور یہ کہ جو شخص بھی جان بوجھ کر اپنے پروردگار کی عصیان کاری کرتا ہے وہ اگرچہ عالم بھی کیوں نہ ہو۔ مگر وہ گناہ کرتے وقت جاہل ہی ہوتا ہے۔ فراجع

آیات القرآن

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کا راستہ بالکل واضح ہوجائے (۵۵) اے رسول کہہ دیجئے! کہ مجھے منع کیا گیا ہے بالکل کہ میں ان (معبودان باطل) کی عبادت کروں جن کو تم اللہ کے سوا خدا کہہ کر پکارتے ہو میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا۔ اس صورت میں تو میں گمراہ ہوجاؤں گا۔ اور ہدایت یافتہ لوگوں سے نہ رہوں گا (۵۶) کہہ دیجئے! کہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر قائم ہوں۔ اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے جس (عذاب) کی تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے فیصلہ کرنے کا اختیار اللہ کے پاس ہے وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے (۵۷) کہہ دیجئے! کہ جس عذاب کیلئے

تم جلدی کرتے ہو اگر وہ میرے پاس ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان کب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور اللہ ظالموں کو زیادہ بہتر جانتا ہے (۵۸) اور اس (اللہ) کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں۔ جنہیں اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور وہ اسے بھی جانتا ہے جو خشکی میں ہے۔ اور اسے بھی جانتا ہے جو تری میں ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہیں ہے اور نہ کوئی تر ہے اور نہ کوئی خشک ہے مگر یہ کہ وہ کتاب مبین میں موجود ہے۔ (۵۹)

تفسیر الآیات

۵۷۔ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ ...الآیۃ۔

خداوند علیم نے قرآن مجید میں صالحین کی صفات بھی بیان کر دی ہیں اور مجرمین کی علامات بھی واضح کر دی ہیں۔ اب ہر گز وہ اپنی صفات وعلامات سے با آسانی پہچانا جا سکتا ہے۔ ع

و بضدها تتبین الاشیاء

۵۸۔ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ ...الآیۃ۔

سابقہ آیت میں بدکاروں و گنہگاروں کے جس غلط راستہ کا اجمالاً ذکر کیا گیا تھا اس آیت میں اس کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے کہ گنہگاروں کا وہ راستہ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت و پرستش کرنا ہے۔ بجائے اس کے کہ کفار و مشرکین رب العالمین کی عبادت کرتے الٹا وہ توحید پروردگار کے سب سے بڑے علمدار اور سب سے بڑے خدا کے عبادت گذار یعنی اقلیم ختم رسالت کے تاجدار کے متعلق بھی یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ بھی خدا کی بجائے ان کے معبودان باطل اصنام واوثان کی عبادت کریں آنحضرت کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ کہیں کہ میں بینہ و برہان کے ساتھ خالق کون و مکان کی عبادت کرتا ہوں جبکہ تم اس کے منکر ہو تو اس کے باوجود محض تمہاری خواہش نفس کے مطابق میں تمہارے خود ساختہ باطل معبودوں کی عبادت کروں تو اس سے بڑھ کر اور کیا ضلالت و گمراہی ہوگی؟ آیا اس بات کا شرعاً یا عقلاً کوئی جواز ہے کہ عالم جاہل کی اور حق پرست باطل نواز کی پیروی کرے؟

۵۹۔ مَا عِنْدِيْ ...الآیۃ۔

جس چیز کی تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے اس سے مراد عذاب خداوندی ہے چونکہ

پیغمبر اسلامؐ جہاں بشیر تھے کہ ایمانداروں اور نیکو کاروں کو جنت الفردوس اور اجر و ثواب کی خوشخبری دیتے تھے وہاں نذیر بھی تھے کہ کافروں، مشرکوں اور بدکاروں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے بھی تھے کہ اگر تم نے کفر و شرک اور گناہ نہ چھوڑے تو خدا تم پر وہ عذاب نازل کرے گا جو تمہیں تباہ و برباد کر دے گا۔ تو سرکش لوگ چونکہ ثواب و عذاب کے منکر تھے اس لئے جواب میں کہتے تھے ہم کفر و شرک اور گناہ ترک نہیں کرتے تو آپؐ ہم پر وہ عذاب نازل کریں۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس کی صراحت موجود ہے کہ ''يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ'' (سورہ حج آیت ...... ۴۷، سورہ عنکبوت۔ ۵۳ و ۵۴) وہ آپ سے عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں۔ ایک اور جگہ ان کا ان الفاظ کے ساتھ عذاب الٰہی کو دعوت دینا مذکور ہے۔ ''فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ'' (سورہ انفال آیت ...... ۲۳)۔ کہ بے شک ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا دردناک عذاب لے آ۔ مگر ان کی اس جلد بازی کے جواب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا جاتا ہے کہ ان جلد بازوں سے کہو کہ عذاب نازل کرنے کا معاملہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے ورنہ اس کا فیصلہ کب کا ہو چکا ہوتا۔ بلکہ اس کا معاملہ اس خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے جو حکیم بھی ہے اور حلیم بھی لہٰذا وہ جلدی نہیں کرتا بلکہ گنہگاروں اور بدکاروں کو برابر مہلت پر مہلت دیتا رہتا ہے۔ تا کہ شاید وہ اپنی اصلاح کر لیں اور ان پر مکمل طور پر حجت تمام ہو جائے لہٰذا وہ اپنے مقررہ وقت پر عذاب نازل کرے گا مجھے اس میں تقدیم یا تاخیر کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ''اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ''۔

۶۰۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ...الآية۔

علم غیب کی مکمل بحث سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۸۹ ''ما كان الله ليطلعكم على الغيب'' کی تفسیر کے ضمن میں تفصیلاً اور ابھی اوپر آیت نمبر ۵۰ ولا اعلم الغيب کے ذیل میں اجمالاً گذر چکی ہے۔ لہٰذا اس کے اعادہ و تکرار کی ہرگز نہ گنجائش ہے اور نہ ہی ضرورت۔ مذکورہ بالا مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہاں صرف اتنا سن لیں۔ مفاتح مفتح کی جمع ہے اگر اسے میم کی زبر سے پڑھا جائے تو اس کے معنی خزانہ کے ہیں اور اگر اس کو میم کی زیر سے پڑھا جائے تو اس کی معنی کنجی کے ہیں بنابریں مطلب یہ ہوگا کہ غیب کے خزانے یا غیب کی کنجیاں اللہ رب العزت کے پاس ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ:

''ان مفاتح الغيب خمس ان الله عنده علم الساعة، ينزل الغيث ويعلم ما في الارحام وما تدري نفس ماذا تكسب غداً وما تدري نفس باي ارض تموت''۔

بے شک غیب کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں۔

۱۔قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے۔ ۲۔وہی جب چاہتا ہے بارش برساتا ہے۔
۳۔وہی جانتا ہے کہ عورتوں کے شکم میں کیا ہے۔ ۴۔کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟
۵۔اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا (تفسیر کاشف)۔

''وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ''۔آسمان وزمین کا کوئی ذرہ بھی آپ کے پروردگار سے پوشیدہ نہیں ہے (سورہ یونس آیت......۶۱)۔

اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اور وہی خشکی اور تری کی ہر چیز کو جانتا ہے اور علم کی اس گہرائی و گیرائی اور ہمہ گیری میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔نہ کوئی مومنِ ممتحن، نہ کوئی ملک مقرب اور نہ کوئی نبی مرسل۔ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ اِلَّا بِمَا شَآءَ۔(سورہ بقرہ آیت......۲۵۵)

اس کتاب مبین سے کیا مراد ہے؟ فریقین کے اکثر مفسرین نے اس سے لوح محفوظ مراد لی ہے اور بعض نے اس سے علم الٰہی مراد لیا ہے (تبیان، مجمع البیان وجلالین)

مگر مشہور یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔

مگر علامہ سید علی نقی اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں ''ابھی تک اس کا ماخذ میرے علم میں نہیں ہے'' (فصل الخطاب)

میں بھی اعتراف کرتا ہوں کہ بیسیوں کتب تفسیر وحدیث کی ورق گردانی کرنے کے باوجود نظر قاصر سے ایسی کوئی حدیث نہیں گذری جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ فقرہ ایک مستقل آیت کی حیثیت رکھتا ہے اور اس روشن کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ واللہ العالم۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلك امراً۔

آیات القرآن

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾

ترجمۃ الآیات

وہی (اللہ) ہے جو رات کے وقت تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے۔ اور تم دن میں جو کچھ کرتے ہو اسے جانتا ہے پھر تمہیں اس (دن) میں اٹھاتا ہے۔ تاکہ (زندگی کی) مقررہ مدت پوری ہو پھر تمہاری بازگشت اسی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ (بھلا یا برا) تم کرتے تھے (٦٠) اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے (اور پوری قدرت رکھتا ہے) اور وہ تم پر حفاظت (نگرانی) کرنے والے (فرشتے) بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے (٦١) پھر وہ اللہ کے پاس جو ان کا حقیقی مالک ہے لوٹائے جاتے ہیں۔ خبردار فیصلہ کرنے کا اختیار اسی کو حاصل ہے اور وہ سب سے زیادہ جلدی حساب لینے والا ہے (٦٢) (اے رسول) کہیئے کہ تمہیں صحرا و سمندر کے اندھیروں سے (مصیبتوں سے) کون نجات دیتا ہے؟ جب تم اسے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو۔ (اور دل میں کہتے ہو) کہ اگر وہ ہمیں ان (خطرات) سے نجات دے دے تو ہم شکرگزاروں میں سے ہوں گے۔ (٦٣)

تفسیر الآیات

٦١۔ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ ...الآیۃ۔

رات کے وقت وفات دینے کا حکم؟

ہم سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ (يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ) کی تفسیر میں وفات کے لغوی اور اصطلاحی معنوں، کی تحقیق پیش کر چکے ہیں کہ اس کے حقیقی معنی کسی چیز کو پورا لینے کے ہیں ہاں البتہ اس

کے ایک مجازی معنی موت کے ہیں اور دوسرے نیند چنانچہ یہاں یہ لفظ نیند کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی موت کی طرح انسان کے ظاہری اور باطنی حواس معطل ہوجاتے ہیں اسی بنا پر کہا جاتا ہے ''النوم اخت الموت'' کہ نیند موت کی بہن ہے۔اسی بنا پر خداوند عالم ایک اور مقام پر یہ فرماتا ہے:

''اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى '' اور اللہ لوگوں کی موت کے وقت ان کی روحوں کو قبض کرتا ہے اور جو ہنوز نہیں مرے (ان کی موت کا وقت نہیں آیا) تو ان کی روحوں کو نیند کے وقت قبض کرتا ہے پس جن کی موت کا خدا فیصلہ کر دیتا ہے ان کو روک لیتا ہے اور باقی روحوں کو مقررہ وقت تک واپس بھیج دیتا ہے۔(سورہ زمر آیت......۴۲)

بعینہ ہماری زیر قلم آیت مبارکہ کا یہی مطلب ہے کہ خدا رات کے وقت تمہاری روح قبض کر لیتا ہے پھر تمہیں اٹھاتا ہے یعنی نیند سے بیدار کرتا ہے۔تاکہ مقررہ معیاد پوری ہو۔اور پھر اسی کی بارگاہ میں پلٹ کر جانا ہے وہ تمہیں بتائے گا کہ تم دار دنیا میں کیا کیا کرتے تھے؟

نینداور موت میں فرق؟

اس بیان سے واضح وعیاں ہوگیا کہ موت کے وقت انسان کے تمام ظاہری اور باطنی حواس وقویٰ از کار رفتہ اور بالکل بے کار ہوجاتے ہیں اور جسم وجان کا رشتہ، بالکل منقطع ہوجاتا ہے مگر نیند کے وقت اس کا یہ تعطل اور جسم وجان کے رشتہ کا انقطاع عارضی ہوتا ہے چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

يخرج الروح عند النوم ويبقى شعاعها فی الجسد وبذلك يرى الرويا فاذا انتبه من النوم عادت الروح بأسرع من لحظة۔۔ نیند کے وقت روح جسم سے نکل تو جاتی ہے مگر اس کی شعاع جسم میں باقی رہتی ہے لہٰذا جب آدمی بیدار ہوگز ہے تو لحظہ سے بھی جلد واپس لوٹ آتی ہے۔(کاشف)

۶۲۔''وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ''

تم لوگ دن میں جو کچھ (اچھائی یا برائی) کرتے ہو۔اللہ اسے جانتا ہے۔اس بیان سے بظاہر خدائے تعالیٰ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جس طرح وہ نیند کے بعد تمہیں بیدار کرتا ہے۔اسی طرح موت کے بعد قیامت کے دن تمہیں زندہ کر کے محشور فرمائے گا اور تم دار دنیا کے شب وروز میں جو کچھ نیکی یا بدی کرتے ہو وہ تمہیں بتائے گا اور اس کے مطابق تمہیں جزا وسزا دے گا اور ہر شخص اپنے عمل کو یعنی اس کی جزا وسزا کو حاضر پائے گا۔

۶۳۔ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً...الآية۔

ملائکہ حافظین کا تذکرہ

اللہ تم پر نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے حفظہ، حافظ کی جمع ہے مفسرین اسلام میں اس بات کے بارے میں قدرے اختلاف ہے کہ ان نگہبانوں سے مراد کون سے فرشتے ہیں؟ عام طور پر مشہور یہی ہے کہ ان سے مراد کراماً کاتبین ہیں جو انسان کے ہر چھوٹے بڑے اور ہر نیک و بد کام کی نگرانی اور حفاظت کرتے ہیں۔ انہی کو خدا نے قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر حافظین کراماً کاتبین کہا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ۔ (سورہ انفطار آیت۔ ۱۰، ۱۱) یعنی تم پر بزرگ (فرشتے) لکھنے والے نگہبان مقرر ہیں تم جو کچھ کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے اس لفظ کو اس کے عموم پر باقی رکھا ہے اور اس سے وہ فرشتے مراد لئے ہیں جو آفات وبلیات سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ارشاد قدرت ہے: ''لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ''۔ انسان کے آگے اور پیچھے فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ (سورہ رعد آیت......۱۱)

کراما کاتبین کے لکھنے کا طریقہ کار کیا ہے

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ ان کراما کاتبین کے اعمال کو لکھنے اور ان کی حفاظت کرنے کا طریقہ کار کیا ہے؟ ہر مفسر نے اپنی فہم وفراست کے مطابق اس کے مفہوم کا تعین کیا ہے۔ جدید مفسرین میں سے بعض نے ان کے طریقہ کار کو خفیہ پولیس (سی۔آئی۔ڈی) کی طرح کاروائی قرار دیا ہے (تفسیر المنار والمراغی)

اور بعض نے گراموفون کی طرح ریکارڈنگ قرار دیا ہے کہ جسے قیامت کے دن چلا دیا جائے گا۔ اور آدمی کی زندگی کا صحیفہ اس کے سامنے رکھ دیا جائے (ضیاالقران)

اور بعض نے یہ کہہ کر اس بحث وتمحیص کا دفتر بند کر دیا ہے کہ ہم اس کی کیفیت معلوم کرنے کے مکلف نہیں ہیں (تفسیر کاشف) وھو فی محلّہ

اگرچہ اعمال ناموں کے دائیں بائیں ہاتھ میں دیئے جانے ان کے میزان عدل پر تولے جانے اور نبی وامام کی بارگاہ میں ان کے پیش کئے جانے کی آیات وروایات کے ظاہر سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کراماً کاتبین کی کاروائی خفیہ پولیس کی رپورٹ کی طرح کی کوئی کاروائی ہے واللہ العالم بحقیقة الحال۔

بہر حال موت کے بعد لوگ اپنے برحق مالک کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے۔ **وھوا سرع الحاسبین۔**

حضرت امیر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ خداوند عالم ایک وقت میں سب خلائق کا کس طرح حساب لے گا؟

فرمایا: جس طرح ایک ہی مرتبہ سب خلائق کو رزق پہنچاتا ہے (مجمع البیان، ونور الثقلین)

اس موضوع کی مزید تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد کی طرف رجوع فرمائیں۔

۶۴۔ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا...الآیۃ۔

بعض روایات میں وارد ہے کہ:

ایک بار کسی یہودی نے حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ "لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا" اگر یہ غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں بہت اختلاف ہوتا (سورہ نساء آیت...... ۸۲) یعنی اس میں اختلاف کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرماتا ہے "اَللهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ" (سورہ زمر آیت...... ۴۲)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ مارتا ہے ایک اور جگہ وارد ہے۔ "يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ" (سورہ سجدہ...... ۱۱)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت مارتا ہے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ "تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ" (سورہ محمدؐ آیت...... ۲۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے فرشتے مارتے ہیں۔

جناب امیر علیہ السلام نے جواب دیا کہ ان آیات میں کوئی اختلاف نہیں ہے اللہ کائنات کا حاکم اعلیٰ ہے اور چونکہ یہ سب کاروائی اسی کے حکم کے تحت ہوتی ہے لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ اللہ مارتا ہے اور اس محکمہ کا سربراہ چونکہ ملک الموت ہے لہٰذا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ ملک الموت مارتا ہے۔ مگر ملک الموت کے ماتحت بہت سا عملہ ہے جو یہ کام انجام دیتا ہے لہٰذا یہ کہنا بھی غلط نہیں ہے کہ فرشتے مارتے ہیں (بحار الانوار، احتجاج طبرسی)

صحیفہ کاملہ میں ملائکہ مقربین پر صلوات کے سلسلہ میں جو دعا مذکور ہے اس میں ہے "**و ملك الموت واعوانه**" یا اللہ ملک الموت اور اس کے انصار و اعوان (عملہ) پر رحمت نازل فرما۔

ایک غلط استدلال کا ابطال

اس تحقیق کے بعد وہ غلط استدلال ھباءً منثوراً ہو جاتا ہے جو کسی جسم دار کے ایک وقت میں ایک سے زائد مقامات پر حاضر ہونے کے غلط اور باطل نظریہ پر کیا جاتا ہے کہ ملک الموت ایک ہے اور کائنات میں مختلف مقامات پر ایک وقت میں کئی موتیں واقع ہوتی ہیں تو ملک الموت ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ صرف ملک الموت تو مارنے والا نہیں ہے اگر ایک وقت میں مرنے والے ہزاروں ہیں تو مارنے والے بھی ہزاروں ہیں۔ اسی طرح اس بے بنیاد موضوع پر یہ بے سروپا استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ شیطان ایک ہے اور وہ ایک وقت میں ہزاروں مقامات پر پہنچ کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ یہ استدلال بھی جہالت کی پیداوار ہے ورنہ شیطان ایک نہیں ہے بلکہ شیاطین کی تعداد بہت زیادہ ہے لہٰذا مختلف مقامات پر مختلف شیطان گمراہ کرتے ہیں "مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ" (سورہ ناس آیت......۶)۔ جو کچھ جنوں میں سے ہیں اور کچھ انسانوں میں سے ہیں۔

الغرض جو مخلوق جسم رکھتی ہے خواہ وہ نوری ہو یا ناری یا خاکی وہ ایک وقت میں ایک ہی جگہ ہو سکتی ہے جب وہاں سے منتقل ہوگی تو وہ جگہ خالی ہوگی اور دوسری جگہ موجود ہوگی ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا صرف خداوند عالم کی صفت خاصہ ہے کیونکہ وہ جسم و جسمانیات سے منزہ و مبرا ہے۔

۶۵۔ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ ...الآية۔

اس آیت کا مضمون اور مفہوم بالکل وہی ہے جو اسی سورہ کی آیت ۴۱،۴۲ کا تھا یعنی خالق فطرت نے یہ چیز انسان کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے کہ جب وہ مشکلات و مصائب کی دلدل میں پھنس جاتا ہے اور ہر طرف سے یاس و ناامیدی کے بادل اس کے دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں تو وہ اس وقت صرف اپنے خالق و مالک کی ہی بارگاہ میں داد و فریاد کرتا اور پھر دل کی گہرائیوں سے خدا سے عہد و پیمان باندھتا ہے کہ اگر وہ اسے اس مصیبت سے نجات دے تو وہ اس کا شکر گزار بندہ بن کے رہے گا مگر جب وہ اس ورطہ سے صحیح و سلامت نکل آتا ہے تو اپنے سارے عہد و پیمان بھول جاتا ہے اور پھر حسب سابق شرک کرنے لگ جاتا ہے اسی بنا پر ایسے غافل انسان سے پوچھا جا رہا ہے کہ مصائب و آلام کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے تمہیں کون نجات دیتا ہے؟ فرمایئے اللہ ہی ان سے اور ہر بلا و مصیبت سے تمہیں نجات دیتا ہے۔ مگر تم پھر بھی اس کے شریک ٹھہراتے ہو؟ رزق خدا کا کھاتے ہو اور گن دوسروں کے گاتے ہو؟ مصائب میں مدد اس سے مانگتے ہو اور شکر دوسروں کا بجا لاتے ہو۔

مشکل کشائی اس سے کراتے ہو اور نذریں نیازیں دوسروں کے نام کی چڑھاتے ہو؟ ع

شرم تم کو مگر نہیں آتی

فطرت انسانی کے احوال و واردات سے کیا بہترین استشہاد ہے۔

اسلام میں ذکر جلی کا کوئی تصور نہیں ہے

مخفی نہ رہے کہ اس آیت میں مذکور ہے کہ تدعونہ تضرعاً وخفیۃ، کہ تم گڑگڑا کر چپکے چپکے اس سے دعائیں مانگتے ہو اس کی تفسیر میں حضرت رسولؐ سے مروی ہے فرمایا:

خیر الدعا الخفی و خیر الرزق ما یکفی۔ کہ بہترین دعا وہ ہے جو مخفی ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو بقدر ضرورت ہو۔

نیز وارد ہے کہ:

ایک بار آنحضرتؐ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے جو با آواز بلند دعا مانگ رہے تھے آپؐ نے فرمایا کہ تم کسی بہرے یا غائب خدا سے دعا نہیں مانگ رہے ہو بلکہ اس سے مانگ رہے ہو جو بڑا سننے والا اور قریب ہے۔ (تفسیر نور الثقلین، مجمع البیان)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ذکر جلی کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ یہ صرف صوفیہ کی اختراع ہے۔

آیات القرآن

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيۡكُمۡ مِّنۡهَا وَمِنۡ كُلِّ كَرۡبٍ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ ۝٦٤ قُلۡ
هُوَ الۡقَادِرُ عَلٰٓى اَنۡ يَّبۡعَثَ عَلَيۡكُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ
اَرۡجُلِكُمۡ اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعًا وَّيُذِيۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ ؕ اُنۡظُرۡ
كَيۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَفۡقَهُوۡنَ ۝٦٥ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوۡمُكَ
وَهُوَ الۡحَـقُّ ؕ قُلۡ لَّسۡتُ عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍ ؕ ۝٦٦ لِكُلِّ نَبَاٍ
مُّسۡتَقَرٌّ ۚ وَّسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝٦٧ وَاِذَا رَاَيۡتَ الَّذِيۡنَ يَخُوۡضُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا
فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِىۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنۡسِيَنَّكَ

الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسول) کہئے۔اللہ تمہیں ان سے اور ہر رنج و غم سے نجات دیتا ہے پھر بھی تم شرک کرتے ہو(۶۴) کہہ دو وہ (اللہ) اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب نازل کرے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (بھیج دے)۔ یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کرکے اور باہم خلط ملط کر کے ٹکرا دے اور تم میں سے بعض کو بعض کی طاقت و سختی کا مزا چکھا دے۔ دیکھئے ہم کس طرح الٹ پھیر کر کے اپنی آیات (دلیلوں) اور نشانیوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں (۶۵) اور آپ کی قوم نے اس (قرآن) کو جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے کہہ دیجئے کہ میں تمہارا وکیل (نگہبان) نہیں ہوں اور ہر خبر (کے وقوع) کا ایک وقت مقرر ہے۔ اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا (۶۶) اور جب دیکھو کہ لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں نکتہ چینی اور بے ہودہ بحث کر رہے ہیں تو تم ان سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں اور (اے مخاطب) اگر کبھی شیطان تجھے بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ (۶۷) ان (غلط کار لوگوں) کے حساب و کتاب کی ذمہ داری پرہیز گار لوگوں پر نہیں ہے (جو ان برے کاموں سے بچتے رہتے ہیں) ہاں البتہ (ان کے ذمہ صرف) نصیحت کرنا ہے تاکہ وہ (برے لوگ) پرہیز گاری اختیار کریں۔(۶۹)

تفسیر الآیات

۶۶، قُلْ هُوَ الْقَادِرُ...الآية۔

سابقہ آیات میں اس چیز کا تذکرہ تھا کہ خشکی و تری کی آفات و بلیات کو خدا ہی ٹال سکتا ہے اور مصائب و آلام میں گرفتار لوگوں کو ان سے نجات دے سکتا ہے۔ اب اس آیت میں تصویر کا دوسرا رخ پیش کیا جا رہا ہے کہ

جو قادر مطلق اور رحمن ورحیم خدا مصائب۔ کو دور کر سکتا ہے وہ مجرموں اور سرکشوں کو مختلف قسم کے عذابوں وعقابوں میں مبتلا بھی کر سکتا ہے۔

عذاب خداوندی کے مختلف اقسام

اور یہ عذاب چند قسم کے ہو سکتے ہیں۔

۱۔ اوپر سے بھیجے جیسے بجلی کی کڑک اور طوفان بادوباران، جو سیلاب کی شکل میں قیامت ڈھا رہے ہیں اور پتھروں کی بارش جس طرح عاد، ثمود، قوم شعیبؑ اور قوم لوطؑ کے ساتھ کیا گیا تھا یا آج کل ایٹم بم۔ جو آبادیوں کو کھنڈرات بنا رہے ہیں۔

۲۔ نیچے سے بھیجے جیسے زلزلہ اور زمین کا دھسنا جس طرح قارون کے ساتھ کیا گیا تھا یا جیسے آج کل بارودی سرنگیں پھٹ رہی ہیں اور لوگوں کو تباہ کر رہی ہیں۔

۳۔ تمہارے اندر سے بھیجے۔ اور تمہارے درمیان سیاسی و مذہبی انتشار وخلفشار پیدا ہو جائے اور تم مختلف گروہوں میں بٹ جاؤ۔ اور تمہارے درمیان کبھی سیاسی بنیادوں پر اور کبھی مذہب کے نام پر فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑیں اور تم ایک خدا، ایک رسول، ایک اسلام اور ایک قبلہ وقرآن کے ماننے کے باوجود ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے لگو۔ یہ خدا کا عذاب نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

بعض اخبار وآثار سے واضح وآشکار ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے تین دعائیں مانگی تھیں ایک یہ کہ میری امت پر کسی اور امت کو اس طرح مسلط نہ کرنا جو انہیں برباد کر دے۔ دوسری یہ کہ میری امت کو بھوک و پیاس کی شدت سے ہلاک نہ کرنا۔ تیسری یہ کہ میری امت میں باہمی جنگ وجدال اور قتل وقتال نہ ہو۔ فرمایا! اللہ نے میری دو دعائیں تو قبول کر لیں۔ مگر مجھے تیسری دعا کرنے سے منع کر دیا گیا (مجمع البیان، مظہری) اور بعض آثار کے مطابق اس دعا کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ''الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ هُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ'' (سورہ عنکبوت آیت......۱، ۲)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد اس امت کا سخت امتحان لیا جائے گا تا کہ سچے اور جھوٹے میں امتیاز ہو جائے کیونکہ وحی کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا مگر افتراق اور لڑائی جھگڑا قیامت تک برقرار رہے گا۔ (مجمع البیان)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہبی افتراق اور اس کی وجہ سے باہمی جنگ وجدال اور تصادم ہوتا رہے گا جو کہ اہل اسلام کی ہر قسم کی نکبت وپسپائی اور ذلت ورسوائی کا باعث ہے۔ اور جو ہماری شامت اعمال کا ثمرہ ہے جس سے خدا اور رسول اور پیشوایان دین نے بے حد منع فرمایا اور اتحاد واتفاق اور اعتصام بحبل اللہ کی تاکید مزید

فرمائی ہے مگر اس تیرہ بختی کا کیا علاج کہ۔ ع

جنہیں ہوڈو بناوہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس آیت میں جو یہ وارد ہے کہ او یلبسکم شیعا۔ کہ وہ قدرت رکھتا ہے کہ تمہیں مختلف گروہوں کی شکل میں باہم دست بگر بیان کر دے۔ اور تم میں سے بعض کو بعض کی سختی کا مزہ چکھائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ براہ راست ایسا کرتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ باختیار خود ایسا کرتے ہیں مگر قادر مطلق اپنی قوت قاہرہ سے اس کا سد باب نہیں کرتا اور نہ وہ اپنی توفیق خاص ان کے شامل حال کرتا ہے کہ وہ ایسا کرنے سے باز آ جائیں۔ کیونکہ یہ عذاب انہی کی کج رفتاری اور ناہنجاری کا نتیجہ ہے۔ جو اس صورت میں ان پر مسلط ہوا ہے سچ ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے دلنے کا۔

اللھم رحم الاسلام و المسلمین وافعل بھم ما انت اھلہ ولا تفعل بھم ما ھم اھلہ بحق النبی الکریم والہ الطاھرین۔

ایضاح

واضح رہے کہ اوپر اور نیچے والے عذاب کی جو وضاحت ہم نے اوپر کی ہے۔ وہ ظاہری الفاظ کا سہارا لے کر عام مفسرین کے کلام کے مطابق کی گئی ہے۔ مگر بعض احادیث کے مطابق اوپر والے عذاب سے جابر حکمرانوں کے ہاتھ سے اور نیچے والے عذاب سے کمینے اور پست فطرت لوگوں کے ہاتھوں سے پہنچنے والے مظالم اور تکالیف مراد ہیں (تفسیر قمی وصافی)۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ اس مذموم اختلاف میں علماء وفقہاء کا وہ علمی اختلاف داخل نہیں ہے جو علم وشرافت کی حدود کے اندر ہو۔

۶۷۔ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ...الآیۃ۔

خدا اور رسولؐ جو خبر دیں اس کا ایک زمان بھی مقرر ہوتا ہے اور مکان بھی اور وہ دنیا یا آخرت میں پوری ہو کر رہتی ہے۔ اس میں نیکو کاروں کیلئے وعدہ بھی ہے اور بدکاروں کیلئے وعید و تہدید بھی کہ جس عذاب کی تمہیں خبر دی گئی ہے ابھی اس کے نزول کا وقت نہیں آیا۔

۶۸۔ وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ...۶۸ الآیۃ۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۴۰ کی ذیل میں کردی گئی ہے جو بالکل اس جیسی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ اوراس پوری تفصیل کا لب لباب یہ ہے کہ ان مجالس ومحافل میں شریک ہونا حرام ہے جن میں دینی حقائق اور مذہبی عقائد کا مذاق اڑایا جائے۔ الغرض برے لوگوں کی صحبت سے احتراز کرنا لازم ہے اچھی محافل میں شرکت کرنے کے فوائد اور بری محفل اور برے لوگوں میں بیٹھنے کے نقصانات پر مقام مذکور میں مفصل تبصرہ کردیا گیا ہے۔

۶۹۔ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ...۶۸ الآیۃ۔

مذہب شیعہ خیر البریہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء ومرسلین ہوں یا ان کے اوصیاء منتجبین ان کو شیطانی سہو ونسیان نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ہر قسم کے گناہ وخطاء اور شیطانی سہو ونسیان سے معصوم ہوتے ہیں بصورت دیگر ان کا قول وفعل دوسروں کیلئے حجت اور سند نہیں رہے گا اور نہ ہی ان کی سیرت اور روش ورفتار دوسرے لوگوں کیلئے مشعل راہ رہے گی بلکہ ان پر یہ مثل صادق آئے گی کہ۔

آن خویشتن گم است کرا رہبری کند؟

اور یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جس کا خود شیطان نے بھی اعتراف کیا تھا کہ ''اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ'' (سورہ حجر آیت......۴۰) میں سوائے تیرے مخلص بندوں کے باقی سب کو گمراہ کروں گا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے مخلص بندوں پر شیطان مسلط نہیں ہوسکتا۔ اور کبھی ان سے کوئی غلط کلام، کام یا اقدام نہیں کراسکتا، تو پھر انہیں بھلا کیسے سکتا ہے؟ لہٰذا یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ اگرچہ بظاہر یہ خطاب حضرت رسول خداؐ کو ہے۔ مگر اس سے مراد ان کی وہ عام امت ہے جس سے شیطانی سہو ونسیان ہوسکتا ہے قرآن مجید میں اکثر مقامات پر اس طرح کے واحد مخاطب کے صیغے استعمال ہوئے ہیں ان سے کوئی غیر معین مخاطب مراد ہے ہوسکتا ہے کہ اگر شیطان اسے بھلا دے اور وہ ایسی نامعقول بزم میں شامل ہو جائے تو یاد آجانے کے بعد ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھے۔ بفضلہ تعالیٰ یہ مطلب بالکل واضح ہے جس میں کوئی ایچ پیچ نہیں ہے۔

وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ...۶۹ الایۃ۔

مطلب یہ ہے کہ ان غلط کار لوگوں کا حساب وکتاب متقی اور پرہیزگار لوگوں سے نہیں لیا جائیگا۔ بلکہ وہ اپنے اعمال وافعال کے خود ذمہ دار اور جوابدہ ہیں۔ ہاں البتہ ان کو چاہیے کہ ان لوگوں کو وعظ ونصیحت کریں۔ ہوسکتا ہے کہ

اسطرح وہ بھی پرہیز گار بن جائیں۔

گر　نباید　بگوش　حقیقت　کس
بر　رسولاں　بلاغ　با　شدوبس

آیات القرآن

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ
وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا
كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا
وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى
الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ
هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمۃ الآیات

چھوڑو۔ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین و مذہب کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکہ و فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔اوران کو اس (قرآن) کے ذریعہ سے نصیحت کرو۔ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے کئے کے وبال میں پھنس جائے حالانکہ اللہ کے سوا اس کا نہ کوئی سرپرست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی۔اور اگر وہ اپنے چھٹکارے کیلئے معاوضہ دینا چاہے گا تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کے وبال میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے کفر کی وجہ سے ان کے پینے کیلئے کھولتا ہوا گرم پانی ہوگا اور دردناک عذاب کہئے!
(۷۰) کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکاریں جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اور بعد اس

کے کہ خدا ہم کو سیدھا راستہ دکھا چکا ہے ہم الٹے پاؤں پھر جائیں اس شخص کی طرح جسے شیطانوں (بھوتوں پریتوں) نے (کہیں) زمین میں بے راہ اور سرگردان کر دیا جبکہ اس کے کچھ ساتھی اسے سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہوں۔ کہ ہماری طرف آؤ مگر اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا کہو ھدایت وراہنمائی تو بس اللہ کی ہدایت وراہنمائی ہے۔ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں (۷۱)

تفسیر الآیات

۷۱۔ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا ...الآیة۔

دین کو کھیل و تماشا بنانے کا کیا مفہوم ہے۔

حسب ظاہر حضرت رسولؐ اور درحقیقت ان کے ساتھ ساتھ ان کے تمام کلمہ گوؤں اور پیروکاروں کو حکم دیا جارہا ہے۔ کہ ان لوگوں کو چھوڑ دیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ دین کو کھیل تماشا بنانے کا کیا مطلب ہے؟ سو واضح ہو کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسمی طور پر کسی دین کو اختیار تو کرے مگر اس کے تمام عقائد واحکام کا احترام نہ کرے۔ تو اس نے گویا دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ یا کوئی شخص کوئی دین اختیار تو کرے مگر اس کے کسی حکم کا مذاق اڑائے کہ یہ حکم عقل کے خلاف ہے یا ہماری افتار طبع کے خلاف ہے یا یوں کہے کہ یہ کیسا عجیب وغریب حکم ہے؟ اس کی واضح مثالیں اپنے گردوپیش کے حالات وواقعات پر نگاہ ڈالنے سے نظر آجاتی ہیں یہ ہندوؤں کی ہولی۔ دیوالی اور دوسہرہ جوان کے مقدس تہوار تھے اب ناچ گانے اور جوا کھیلنے اور مئے نوشی کرنے کے اڈے بن گئے ہیں۔ بلاتشبیہ جس طرح بعض مسلمان نوروز، میلاد النبیؐ یا جشن غدیر یا بعض بزرگان دین کے میلاد کی مقدس تقاریب یا ان کے عرسوں پر جن غیر شرعی منکرات کا مظاہرہ کرتے ہیں ڈر ہے کہ کہیں وہ بھی اس زمرے میں داخل اور اسی وعید وتہدید کے تحت نہ آجائیں؟ ''هَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ'' (سورہ قمر آیت......۱۵)

بہر حال اس بیماری کا اصلی سبب یہ ہے کہ ان لوگوں کو دنیوی زندگی اور اس کے عیش وآرام اور سازو سامان نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اور اب وہ اس طرح فریب خوردہ ہو چکے ہیں کہ انہیں اپنے نفع ونقصان اور سود وزیاں کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔

۷۲۔ وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ ...الآية۔

چونکہ آیت کے آغاز میں ایسے لوگوں کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا تھا جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے تو اس سے اندیشہ تھا کہ کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ اب ان لوگوں کو امر و نہی اور وعظ و نصیحت بھی نہیں کرنی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اس قرآن کے ذریعہ سے ان کو وعظ و نصیحت کرو اور انہیں آیات الٰہیہ پڑھ کر سناؤ اور ان تک احکام ربانیہ پہنچاؤ۔ اور انہیں قیامت کی ہولناکیوں اور خطرناکیوں سے ڈراؤ۔ تاکہ وہ اپنی بدعملیوں اور اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک و برباد نہ ہو جائیں۔ اور انہیں اچھی طرح سمجھاؤ کہ بروز قیامت نہ ان کا کوئی سرپرست ہوگا۔ نہ کوئی سفارشی ہوگا اور نہ ان سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا۔ پینے کیلئے کھولتا ہوا پانی ملے گا اور کھانے کیلئے تھوہر۔ اور دردناک عذاب کا سامنا ہوگا تاکہ اگر وہ اس وعظ و نصیحت سے کوئی اچھا اثر نہ لیں تو کم از کم ان پر حجت تو تمام ہو جائے۔

کفار کیلئے ولی و شفیع نہ ہونے اور ان سے فدیہ قبول نہ کیا جانے کا مفہوم

دنیا میں مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ظلم و زیادتی کی وجہ سے دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہو جائے یا قید و بند میں مبتلا ہو جائے تو وہ عموماً تین چیزوں میں سے کسی نہ کسی ایک کا سہارا لیتا ہے۔

۱۔ اپنی افرادی قوت و طاقت استعمال کرتا ہے۔

۲۔ کوئی سفارشی تلاش کرتا ہے۔

۳۔ اور اگر ان باتوں سے کام نہ چل سکے تو پھر بے تحاشا پیسہ خرچ کرتا ہے اور اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔

خداوند عالم نے بار بار واضح کیا ہے۔ اور ایک بار پھر کر رہا ہے۔ کہ قیامت کے دن کفار و مشرکین کے پاس ان تین سہاروں میں سے کوئی بھی سہارا نہیں ہوگا۔ نہ کوئی سرپرست ہوگا نہ کوئی سفارشی اور نہ ہی روپیہ کام آئے گا کیونکہ اولاً تو روپیہ ہوگا نہیں اور اگر بالفرض ہوا تو کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

فلاو الله ليس لهم شفيع
وهم يوم القيامته فى العذاب

۷۳۔ قُلْ اَنَدْعُوْا ....الآية۔

یہ بات تو واضح ہے کہ کفار چاہتے بھی تھے اور کہتے بھی تھے کہ مسلمان اسلام چھوڑ کر اپنے آباؤ اجداد

والے سابقہ دین کی طرف لوٹ آئیں بلکہ بعض روایات کے مطابق انہوں نے خود پیغمبرؐ سے بھی احمقانہ خواہش کا اظہار کیا تھا کہ آپؐ ان کے معبودان باطل کی عبادت کریں اور اس کے عوض وہ آپؐ کے پروردگار کی پرستش کریں گے۔ (تفسیر کاشف) بہر کیف اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم آپ کو حکم دے رہا ہے کہ وہ ان لوگوں کی اس احمقانہ پیشکش کے جواب میں کہیں کہ کیا ہم اپنے نفع ونقصان (اور موت وحیات) کے مالک ومختار پروردگار کو چھوڑ کر ان بے کس اور بے بس معبودوں کی عبادت کریں جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان بلکہ وہ خود اپنے سود وزیاں کے بھی مالک نہیں ہیں۔

حق وہدایت کا راستہ چھوڑ کر کفر وشرک اختیار کرنے والے کی مثال

اور اگر بفرض محال ہم ایسا کریں کہ حق وہدایت کی نورانی شاہراہ کو چھوڑ کر کفر وشرک کی تیرو تاریک راہ اختیار کریں تو پھر ہماری مثال اس نادان شخص جیسی ہوگی جو اپنے ایسے ساتھیوں کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا جو راستے کے تمام حالات سے واقف تھے کہ اچانک کوئی شیطان اور بھوت پریت بہکا کر اسے راستہ سے بھٹکا دے اور وہ زمین میں حیران وپریشان ہوجائے۔ ہر چند کہ اس کے ساتھی اسے ٹھیک راستہ کی طرف بلائیں کہ ہماری طرف آؤ (مگر وہ اپنی حیرانی وپریشانی کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہ کرسکے) ہم کبھی بھی ایسی حماقت نہیں کرسکتے کہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر تمہارے ٹیڑھے ترچھے راستہ پر گامزن ہوں۔

۷۴۔ قُلْ اِنَّ هُدَى ... الآية

کہیے: اللہ کی ہدایت وراہنمائی ہی حقیقی ہدایت ہے اور ہمیں تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم عالمین کے پروردگار کے سامنے اپنا سر جھکائیں۔ اور اس کے حقیقی مسلمان بن جائیں۔

آیات القرآن

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَالَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾
وَهُوَالَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ
فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَالْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ

اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾
وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ
الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ
اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور (ہم سے کہا گیا ہے کہ) نماز ادا کرو۔ اور اس سے (اس کی نافرمانی سے) ڈرو اور وہی وہ ہے جس کی بارگاہ میں تم محشور ہوگے وہی وہ (خدا) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا۔ جس دن وہ کہے گا کہ ہو جا بس وہ ہو جائے گا (۷۲) اس کا قول حق اور سچ ہے اور اسی کی حکومت ہوگی جس دن صور پھونکا جائے گا وہ غیب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے اور وہ بڑا حکمت والا ہے، بڑا باخبر ہے (۷۳) (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے باپ (یعنی چچا) آذر سے کہا۔ کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو؟ میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں (۷۴) اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت دکھارہے تھے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں (۷۵) چنانچہ جب ان (ابراہیم) پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ کو دیکھا کہا یہ میرا رب ہے؟ تو جب وہ ڈوب گیا تو کہا۔ میں ڈوب جانے والوں سے محبت نہیں کرتا (۷۶)

تفسیر الآیات

۷۵۔ وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ.........الآیة۔

اس کا عطف لنسلم پر ہے اور قیل کے تحت میں واقع ہے گویا اس کی تقدیر یوں ہے کہ امرنا ان نسلم و لان نقیم یعنی ہم سے کہا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے سامنے سر جھکائیں اور ہم نماز قائم کریں جو کافر و مسلمان مشرک و موحد کے درمیان حدِ فاصل ہے اور دین کا وہ محکم ستون ہے کہ اگر وہ گر جائے تو سارے

دین کی عمارت ڈھڑام سے گر جاتی ہے۔اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ جو عام عبادات اسلامی کی غرض وغایت ہے جیسا کہ ارشادِقدرت ہے:''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ الیه تحشرون''(سورہ بقرہ آیت......۲۱)۔اور جس پر تمام اعمال وعبادات کی قبولیت کا دارومداراور انحصار ہے۔''اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ''(سورہ مائدہ آیت......۲۷)۔اس کی طرف جمع کئے جاؤ گے ارشادِقدرت ہے''وَ جَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِیْدٌ''(سورہ ق......۲۱) ہر شخص اس حال میں میدانِ حشر میں آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا (جو ہانک کر لائے گا) اور دوسرا گواہ ہوگا۔ جو اس کی کارکردگی کی گواہی دے گا۔

۷۶۔وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ... الآیۃ۔

خدا نے آسمانوں اور زمین کو برحق اور حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔باقی کائنات کی ہر چیز کی طرح ان کی تخلیق بھی کوئی کھیل تماشا نہیں ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے۔ و ما خلقنا السماء والارض وما بینهما لا عبین ۔ کہ ہم نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو کھیل تماشا کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اپنی حکمت بالغہ کے تحت ایک عظیم مقصد کیلئے پیدا کیا ہے اور پھر انہیں محکم قوانین قدرت اور مضبوط آئین فطرت میں جکڑ کر حق وعدل کی ٹھوس بنیادوں پر قائم کیا ہے اس نظام ربوبیت میں باطل کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۷۷۔وَیَوْمَ یَقُوْلُ......الآیۃ۔

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کا قول برحق ہے کہ وہ جب کسی شے سے کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گی خواہ وہ خلقت کائنات کے آغاز کے وقت کہے یا بروز قیامت اسے زندہ کر کے محشور کرنے کے لئے کہے یا حشر بپا کرنے کے بارے میں کہے مقصد یہ کہ جب وہ کسی کام کے کرنے کا حتمی ارادہ کرلے تو اس کی مراد کے موجود ہونے میں دیر و درنگ نہیں ہوتی ''اصطلاح قرآنی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جو باتیں نظام عادت کے مطابق تدریجی طور پر وقوع میں آتی ہیں انہیں خلق'' کہا جاتا ہے اور جو باتیں قدرت الٰہی کے مظاہرہ کے طور پر ایک دم ہوتی ہیں انہیں ''کن فیکون'' کے تحت لایا جاتا ہے یعنی خالق نے کہا ہو جا وہ ہو گئیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیز اشارہ قدرت سے وقوع میں آئی ہے اس میں تدریجی اسباب والا نظام کارفرما نہیں ہے ابتدا میں آفرینش اشیاء نظام اسباب کے ساتھ ہوئی ہے۔اس لئے یہ کہا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ۔اور قیامت میں سب کو زندہ کرنا دوبارہ۔ یہ نظام امر کے ماتحت ہوگا یعنی صرف اشارہ قدرت سے۔اس لئے

اسے یوں کہا جارہا ہے وہ دن جب وہ کہے گا ہوجا اور سب کچھ ہوجائے گا۔(فصل الخطاب)

۷۸۔ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ...الآية۔

جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن اقتدار اور حکومت اسی کی ہوگی جیسا کہ ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ''(سورہ مومن آیت......۱۶)۔ اس دن حقیقی اور مجازی سب اختیارات اسی کے قبضہ قدرت میں ہوں گے اور آج کل دنیا میں بعض بندوں کے پاس جو مجازی اختیارات ہیں اس دن وہ بھی ختم ہوجائیں گے۔

صور پھونکا جانے کی کیفیت کا اجمالی بیان

اگرچہ بعض مفسرین نے نفخ صور (صور پھونکا جانے) کو قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرنے کا کنایہ قرار دیا ہے(تفسیر کاشف)

اور بعض نے یہ کہہ کر ''صور پھونکنے کی کیفیت کیا ہوگی اس کی تفصیل ہماری سمجھ سے باہر ہے'' (تفہیم القران)

اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

مگر اس کی جو کیفیت احادیث معتبرہ سے مستفاد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خداوند عالم جب دنیا کو ختم کر کے قیامت قائم کرنا چاہے گا تو اسرافیل کو حکم دے گا کہ زمین پر جا کر صور پھونکیں صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا وہ صور بہت بڑا اور نورانی ہے جس کا ایک سرا اور دو شاخیں ہیں چنانچہ اسرافیل زمین پر بمقام بیت المقدس قبلہ رو ہو کر صور پھونکیں گے پس جب اس کے اس سرے سے آواز نکلے گی جو زمین کی طرف ہے تو اہل زمین ہلاک ہوجائیں گے اور جب اس سرے سے آواز نکلے گی جو آسمان کی طرف ہے تو تمام اہل آسمان مرجائیں گے اس کے بعد اسرافیل کو حکم ہوگا کہ تو بھی مرجا چنانچہ وہ بھی مرجائیں گے۔اس وقت زمین وآسمان کا تمام نظام درہم برہم ہوجائے گا جس کی تصویر کشی قرآن مجید میں جا بجا کی گئی ہے۔اب جب تک خدا چاہے گا یہی کیفیت برقرار رہے گی اور جب اس کی مشیت اس کے دوبارہ زندہ کرنے کے متعلق ہوگی تو چالیس دن تک باران رحمت کا نزول فرمائے گا جس سے مردوں کے مختلف اجزاء جمع ہوں گے۔اور خدا کی قدرت کاملہ سے صور میں آواز پیدا ہوگی پس جب اس سرے سے آواز نکلے گی جو آسمان کی طرف ہے تو اہل آسمان زندہ ہوجائیں گے اور جب اس سرے سے آواز نکلے گی جو زمین کی طرف ہے تو اہل زمین زندہ ہوجائیں گے اور پھر دوسرا نظام قیامت قائم ہوجائے گا۔(احسن الفوئد فی شرح العقائد)

اس سے مزید تفصیلات کرنے کے خواہشمند ہماری اسی کتاب کی طرف رجوع فرمائیں۔

۷۹۔ عَالِمُ الْغَيْبِ...الآیۃ۔

خدا سے کائنات ارضی وسماوی کی کوئی چیز غیب نہیں ہے۔ بلکہ ہر چیز اس کے علم کے سامنے حاضر ہے یہ تقسیم بندوں کی نسبت سے ہے کہ خدا ہر اس چیز کا بھی عالم ہے۔ جو بندوں سے غائب ہے اور ہر اس چیز کا بھی عالم ہے۔ جو ان کے سامنے حاضر ہے۔

۸۰ وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ ۷۴...الآیۃ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد کا نام تارخ تھا

اس آیت میں آذر کو جو بت تراش وبت پرست تھا جناب ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہا گیا ہے۔ جس سے بعض ظاہر بینوں نے اسے جناب ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ سمجھ کر یہ ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا کہ دوسرے لوگوں کی طرح انبیاء مرسلین کے والدین بھی کافر ومشرک ہو سکتے ہیں (العیاذ باللہ)۔ ان لوگوں نے نہ عقلی دلائل پر نگاہ کی اور نہ قرآن وسنت اور تاریخ کے حقائق پر غور کیا۔ اور یہ بے تکا راگ الاپنا شروع کر دیا عقلی دلائل میں سے ایک مختصر دلیل یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہمیشہ مظروف کے مطابق ظرف ہوتا ہے پانی کا برتن پانی کے جب حالی ہوگا اور دودھ کا ظرف دود کے حال کے مطابق سونا رکھنے کی ڈبیہ اور ہوگی اور لوہار رکھنے کی جگہ اور۔ اور جب یہ بات مسلم ہے تو بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ۔ خدائے حکیم وعلیم انبیاء اوصیاء کے مقدس سلسلہ کو کفر وشرک کے ظروف میں رکھے؟ غور طلب بات یہ ہے کہ آیا خدائے قدیر یہاں مظروف کے مطابق پاک وپاکیزہ ظرف بنانے پر قادر تھا یا نہ؟ اگر چہ کہا جائے کہ قادر نہ تھا تو یہ بات اس کی قدرت کاملہ کے منافی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ قادر تو تھا مگر عمداً ایسا نہیں کیا۔ تو یہ بات اس کی حکمت کے منافی ہے۔ لہٰذا یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ اس نے مظروف کے مطابق ظرف بنائے تھے۔

آباء النبی کے مسلمان ہونے کے بعض دلائل کا تذکرہ

قرآن سے دلیل

ارشاد قدرت ہے وتقلبک فی الساجدین (شعراء۔ ۲۱۹) اے رسولؐ ہم ہمیشہ تمہیں سجدہ کرنے والوں میں الٹتا پلٹتا دیکھتے رہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کا نور نبوت ہمیشہ خدا کو سجدہ کرنے والوں کی پشتوں میں

منتقل ہوتا رہا ہے ان میں کوئی بھی کافر و مشرک نہ تھا۔ تو اگر جد النبی یعنی آنحضرتؐ کے جد امجد جناب خلیل علیہ السلام کے والد کافر ہوں (معاذ اللہ) تو خدا کا یہ کلام کس طرح صحیح رہے گا؟

حدیث سے دلیل

مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں، فاضل نیشاپوری نے غرائب القرآن میں اور علامہ سیوطی نے تفسیر درمنثور میں حضرت رسول خداؐ کی یہ حدیث نقل کی ہے۔ فرمایا:

لم یزل ینقلبنی اللہ من اصلاب الطاهرین الی ارحام المطهر ات حتی اخرجتی فی عالمکم ۔ خدا مجھے ہمیشہ پاک صلبوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا یہاں تک مجھے تمہارے اس عالم آب و گل میں پیدا کیا۔

تاریخی سے دلیل

علامہ فخر الدین رازی اور صاحب تفسیر مظہری نے مورخین کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد کا نام تارخ تھا۔ ''اور آذر ان کا چچا تھا۔ اور چچا کو باپ کہنا عربی محاورات میں عام ہے اسی محاورہ کے تحت آیت میں آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ فرمایا گیا ہے زرقانی نے شرح مواہب میں اس کے کئی شواہد نقل کئے ہیں'' (معارف القرآن، ج ۳، ص، ۳۷۰)

ان حقائق سے یہ حقیقت واضح و آشکار ہوگئی کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ گفتگو اپنے چچا آذر کے ساتھ کی تھی جو کہا جاتا ہے کہ نمرود کی وزارت کے بعد شرک میں مبتلا ہو گیا تھا۔ بہر حال شیعہ امامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ پیغمبرؐ کے تمام آباؤ و اجداد جناب آدمؑ تک سب کے سب موحد اور خدا پرست تھے۔ فاضل آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں تصریح کی ہے کہ وعلی هذا جم غفیر من السنة۔ کہ اہلسنت کے جم غفیر کا بھی یہی نظریہ ہے ''الحمد للہ''۔

متفق گردید رائے بوعلی با رائے من

خدائے قدیر کا جناب ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت سماوی وارضی دکھانا

۸۱۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ... الآية۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند عالم نے جناب ابراہیم علیہ

السلام کی آنکھوں کے سامنے سے زمین وآسمان کے حجاب ہٹا دے چنانچہ انہوں نے بچشم خود زمینوں کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے اور آسمانوں کو اور جو کچھ ان میں ہے ازقسم ملائکہ وحاملین عرش وغیرہ کو دیکھا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا تا کہ ان کو یقین کامل ہوجائے کہ خدا ہی ان چیزوں کا خالق و مالک ہے۔(مجمع البیان)

اور تفسیر قمی میں اسی قسم کی ایک روایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح خداوند عالم نے جناب ابراہیم علیہ السلام پر ان کی قوم کے کفر وشرک کی حقیقت منکشف کی تھی جس کی بنا پر انہوں نے اپنے چچا کو بڑی حکمت عملی سے اس سے منع کیا تھا بالکل اسی طرح ان کو زمین وآسمان کی تمام مخلوقات بھی اس طرح دکھائی کہ ان کو ان کے عجائبات کا مشاہدہ کرایا۔ چنانچہ بعدازیں انہوں نے مختلف اشیاء سے توحید پروردگار پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ بڑے سے بڑے منکر کو بھی یارائے انکار نہیں رہتا امام معصومؑ سے مروی ہے فرمایا:

''لولا ان الشیاطین یحومون حول قلب ابن ادم لنظر الی الملکوت'' یعنی اگر شیاطین نبی آدم کے دلوں کے ارد گرد نہ گھومتے (اور انہیں خراب نہ کرتے) تو وہ ملکوت (سماوی) پر نگاہ کر سکتے۔(غوالی اللئالی)

۸۲۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ... الآیۃ۔

اس آیت کی تفسیر حضرت امام رضا علیہ السلام کے بیان کی روشنی میں

جناب خلیل خدا علیہ السلام کے واقعہ کے بارے میں مفسرین نے عجیب وغریب موشگافیاں کی ہیں۔

ہم ان کا تذکرہ کرنے اور پھر ان پر نقد وتبصرہ کرنے کی بجائے مناسب جانتے ہیں کہ اس کا وہ مفہوم واضح کر دیں جو حضرت امام رضاؑ نے عصمت انبیاء کے متعلق مامون عباسی کے مختلف سوالات کے جواب دیتے ہوئے بیان فرمایا تھا۔ فرمایا ابراہیمؑ کے دور میں تین قسم کے مشرک لوگ رہتے تھے۔ (۱) ستارہ پرست (۲) ماہتاب پرست (۳) اور آفتاب پرست۔ یعنی بابل اور نینوا کی عظیم قومیں اجرام سماویہ کی پرستش میں مبتلا تھیں۔ آپ چاہتے تھے کہ انہیں شرک کے دلدل سے نکال کر توحید کی شاہراہ پر لائیں۔ لہٰذا انہوں نے مختلف اوقات میں بڑی لطیف حکمت عملی کے ساتھ ان لوگوں کو انکی غلطی سے آگاہ فرمایا ایک رات ایک ستارہ چمکتا ہوا دیکھا۔ کہا یہ میرا رب ہے مگر کچھ دیر کے بعد جب وہ ڈوب گیا۔ تو فرمایا میں ڈوبنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ خدا ایسا نہیں ہوسکتا جو کبھی ابھرے اور کبھی ڈوبے۔ پھر کسی رات چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے(؟)

مگر کچھ وقت کے بعد جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہا اگر میرے پروردگار نے مجھے ہدایت نہ کی تو میں گمراہوں سے ہو جاؤنگا۔ اس پیرایہ میں بتایا کہ یہ ماہتاب پرست گمراہ ہیں۔ اور یہ کہ غروب کرنے والا خدا نہیں ہو سکتا پھر جب کسی دن سورج کو جگمگاتے ہوئے دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ یہ سب سے بڑا ہے؟ مگر شام کے وقت وہ بھی ڈوب گیا۔ تو فرمایا اے میری قوم میں ان تمام چیزوں سے بری و بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک قرار دیتے ہو۔ ہاں وجهت وجهي للذي میں سب سے ہٹ کر اپنا رخ اس کی طرف موڑتا ہوں جو آسمان و زمین کا خالق و مالک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں (عیون الاخبار، بحار الانوار وغیرہ) اس بیان حقیقت ترجمان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ اس واقعہ میں بار بار ھذا ربی کی جو تکرار ہے یہ استفہام انکاری ہے۔ اور اس طرح ان لوگوں کے خودساختہ عقیدوں پر کاری ضرب لگا کر ان کو ان کی غلطی پر ٹوکنا اور ان کو خالق کائنات کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے وبس نہ یہ کہ معاذ اللہ آپ خود معرفت توحید کے بارے میں ادھر ادھر بھٹک رہے ہوں اور کفر وشرک کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہوں۔ جل مقام الانبیاء عن ذلك ان کا دامن نبوت مہد سے لیکر لحد تک کفر وشرک بلکہ (ہر قسم کے) گناہ وعصیاں کی آلودگیوں سے پاک وصاف ہوتا ہے۔

آیات القرآن

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ
رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝۷۷ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ
هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا
تُشْرِكُوْنَ ۝۷۸ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۷۹ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي
اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔا ۭ
وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ
اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ
سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۱

ترجمۃ الآیات

چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہا یہ میرا پروردگار ہے؟ لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا۔ تو کہا کہ اگر میرا پروردگار میری ہدایت وراہنمائی نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں (۷۷) پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا یہ میرا پروردگار ہے؟ یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہا اے میری قوم! میں اس شرک سے بری و بیزار ہوں جو تم کرتے ہو (۷۸) میں ہر طرف سے ہٹ کر اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں (۷۹) اور ان کی قوم ان سے بحث کرنے لگی۔ فرمایا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہو؟ حالانکہ وہ مجھے ہدایت دے چکا ہے اور میں ان سے نہیں ڈرتا جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ مگر یہ کہ میرا پروردگار کوئی بات چاہے میرا پروردگار علم کے اعتبار سے ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ (۸۰) اور بھلا ان سے کس طرح ڈروں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ تم نے ایسی چیزوں کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے جن کے متعلق اس نے تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں بھیجی ہے سو دونوں گروہوں میں سے کون امن واطمینان کا زیادہ حقدار ہے (بتاؤ) اگر تم کچھ علم رکھتے ہو (۸۱)۔

تفسیر الآیات

۸۳۔ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ... الآیۃ۔

آئین فطرت ہے کہ جب کوئی باطل نواز حق پرست کا علمی میدان میں مقابلہ نہیں کر سکتا تو وہ دھمکیاں اور گالیاں دینے پر اتر آتا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جس احسن انداز سے جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ستارہ اور آفتاب وماہتاب پرست قوم کے سامنے ان کے نظریہ کا بطلان اور عقیدہ توحید کو عیاں کیا تھا وہ اس کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے کہا تو صرف یہ کہ "وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ" (سورہ انبیاء آیت...... ۵۳) ہم نے اپنی قوم کو ان کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا ہے اس نامعقول بات کے جواب میں جناب خلیلؑ نے فرمایا:

''اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰہِ وَقَدْ ھَدٰانِ'' تم خدا کے بارے میں مجھ سے بحث کرتے ہو حالانکہ اسی نے مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت کی ہے ''قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی'' (سورہ بقرہ آیت ۔۱۲۰) (تقلید کی نہیں کوئی عقل کی بات کرو)۔ بہر حال جب ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو پھر دھمکیوں پر اتر آئے کہ اگر آپ نے ہمارے معبودوں کی توہین کرنا بند نہ کی تو ہم آپ کو ضرور زیاں پہنچائیں گے اور آپ ان کے قہر وغضب سے بچ نہیں سکیں گے۔ اس کے جواب میں جناب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا مجھے تمہارے ان عاجز معبودان باطل کا کوئی ڈر نہیں ہے جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ جو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ مگر یہ کہ میرا پروردگار مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے مثلاً کسی بت کو مجھ پر گرا کر مجھے زخمی کردے یا کوئی ستارہ مجھ پر گرا کر مجھے جلا دے ان حالات میں خدا سے ڈرنا چاہیے جو نفع ونقصان اور سود وزیاں کا مالک ہے نہ کہ ان بے بس معبودان باطل سے پھر فرمایا یہ عجیب بات ہے کہ تم مجھے اپنے عاجز معبودوں سے ڈراتے ہو۔ مگر خود قادر مطلق خدا سے نہیں ڈرتے؟ امن وامان کا کون زیادہ حقدار ہے خدائے قادر وقیوم کو ماننے والا؟ یا عاجز وناتواں معبودوان باطل کے ماننے والے؟ مالکم کیف تحکمون

آیات القرآن

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَھُمُ الْاَمْنُ
وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰھَآ اِبْرٰھِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ
دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَھَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ
وَیَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا ھَدَیْنَا ۚ وَنُوْحًا ھَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ
وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی
الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ
الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی
الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمۃ الآیات

جولوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کوظلم سے آلودہ نہیں کیا انہی کیلئے امن وامان ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں (٨٢) یہ تھی ہماری وہ دلیل جو ہم نے ابراہیم کوان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا، بڑا جاننے والا ہے (٨٣) اور ہم نے انہیں اسحاق جیسا (بیٹا) اور یعقوب (جیساپوتا) عطا فرمایا۔ ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور ان سے پہلے نوح کو ہدایت دی۔ اور ان (نوح یا ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون کو (بھی ہدایت دی) اور اسی طرح ہم نیکو کاروں کو جزا دیا کرتے ہیں (٨٤) اور زکریا یحییٰ، عیسیٰ، اور الیاس کو (بھی ہم نے ہدایت دی) جو سب صالحین میں سے تھے (٨٥) اور اسماعیل، یسع، یونس اور لوط کو بھی ہدایت دی) اور ان سب کو ہم نے تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ (٨٦)

تفسیر الآیات

٨٢۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ...الآیۃ۔

یہاں ظلم سے کیا مراد ہے؟

جولوگ ایمان لائے اور اس میں ظلم کی ملاوٹ نہیں کی۔ اس میں قدرے اختلاف ہے کہ یہاں ظلم سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے اس سے عملی برائی یعنی گناہ مراد لیا ہے۔ کیونکہ قرآن سے ثابت ہے کہ ہر گناہ ظلم ہے "وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ" (سورہ طلاق آیت ......١) مگر اس بنا پر تمام گنہگاروں کا بھٹہ بیٹھ جائے گا کیونکہ ایسا کون ہے جس نے کوئی نہ کوئی گناہ کر کے اپنے اوپر ظلم نہیں کیا؟ مگر اکثر مفسرین نے اس سے شرک مراد لیا ہے جسے قرآن کی زبان میں ظلم کہا گیا۔ "يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" (سورہ لقمان آیت ...... ١٣) چنانچہ ایک روایت سے بھی اس مطلب کی تائید مزید ہوتی جو عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ لوگوں پر بہت شاق گذری اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی تشویش کا ان لفظوں میں اظہار کیا کہ "اینا لم یظم نفسه"، ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے ظلم نہیں کیا

؟ آپؑ نے فرمایا اس سے وہ (گناہ) مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ بلکہ اس سے شرک مراد ہے جیسا کہ عبد صالح (لقمان) نے فرمایا: "یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ" (مجمع البیان، قرطبی)

۸۵۔ وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ ...الآیۃ۔

تلک کا اشارہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے اسی استدلال کی طرف ہے جو انہوں نے توحید پروردگار کے اثبات اور ستارہ، چاند اور سورج کی الوہیت کی نفی کے سلسلہ میں مختلف اوقات میں پیش کر کے اپنی مشرک قوم کا ناطقہ بند کیا تھا۔ اس استدلال کو خداوند عالم اپنی طرف نسبت دے رہا ہے اور اسے ان کے بلند درجات کا ثبوت قرار دے رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ حق کی نصرت و تائید میں بولتے ہیں خداوند عالم روح القدس سے ان کی تائید کرتا ہے مگر بعض لوگ اسے جناب ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ قرار دے رہے ہیں۔

برین عقل و دانش بباید گریست

مخفی نہ رہے کہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند درجات کا معیار علم اور ایمان ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے علم۔ "یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ" (سورہ مجادلہ آیت......۱۱) پس جتنا جس کا علم و ایمان زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کا درجہ و مقام بلند ہوگا۔

۸۶۔ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ...الآیۃ۔

خداوند عالم کا اپنے خلیل جناب ابراہیم علیہ السلام پر اپنی نوازشات کے سلسلہ میں آپ کے بیٹے اسحاق اور پوتے یعقوب کا تذکرہ کرنا جن کی اولاد سے ہزاروں نبی اور نیک بندے پیدا ہوئے۔ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صالح اولاد بھی اللہ کے احسانات میں سے ایک خاص انعام و احسان ہے۔

حضرات حسنین شریفین اور ان کی اولاد کا ذریت رسولؐ ہونا۔

وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ ...۸۴ الآیۃ۔

اس آیت میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے قرار دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ آپ کا انتساب صرف ماں کی طرف سے ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ نواسے نواسیاں بھی ذریت میں داخل ہوتے ہیں بنابریں حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام کو اور ان کی اولاد کو پیغمبر اسلام کی ذریت قرار دینا بنص قرآن صحیح ہے نیز آنحضرت کا ان دونوں شہزادوں کو اپنا فرزند کہنا ثابت ہے۔ "ابنائی هذان امامان قاما او قعدا"۔ اور امام حسن۔ کے بارے میں فرمایا: "ابنی هذا سید" یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام

ان شہزادوں کو یابن رسول اللہ! کہ کر خطاب کیا کرتے تھے (مجمع البیان)

صاحب معارف القرآن نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے چنانچہ وہ اس اعتراض کا کہ جب حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ تو وہ حضرت ابراہیم کی دختری اولاد میں سے ہیں یعنی پوتے نہیں بلکہ نواسے ہیں تو ان کو ذریت کہنا کیسے صحیح ہوگا؟ اس کے جواب میں رقمطراز ہیں اس کا جواب عام علماء وفقہاء نے یہ دیا ہے کہ لفظ ذریت پوتوں اور نواسوں دونوں کو شامل ہے اور اسی سے استدلال ہے کہ حضرت حسنین علیہم السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت میں داخل ہیں (معارف القران جلد ۳ صفحہ ۳۸۹)

۸۷۔ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا ...الآیۃ۔

ہم نے ان میں سے ہر ایک کو عالمین پر فضیلت دی اس سے ان کے اپنے دور کے عالم مراد ہیں۔ ہاں البتہ جو ذوات مقدسہ علی الاطلاق عالمین سے افضل ہیں وہ سرکار محمد وال محمد علیہم السلام ہیں۔ اور اس بات کی تفصیل مع الدلائل ہماری کتاب احسن الفوائد فی شراح العقائد میں دیکھی جا سکتی ہے۔

آیات القرآن

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ
فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ
فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى
لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ
مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى
لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ

مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان کے آباؤ اجداد اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی (کچھ کو ہدایت دی) اور ہم نے انہیں منتخب کیا اور سیدھے راستے کی ہدایت دی (۸۷) یہ اللہ کی خاص ہدایت ہے جس کے ذریعے سے وہ بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے راہنمائی کرتا ہے اور اگر انھوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کے وہ سب عمل برباد ہو جاتے جو وہ کیا کرتے تھے۔(۸۸) یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب کا حکم اور نبوت عطا کی اب اگر یہ (مکہ والے) ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں تو کوئی پروا نہیں ہے ہم نے ان چیزوں کا ذمہ دار ان لوگوں کو بنایا ہے جو انکار کرنے والے نہیں ہیں (۸۹) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ بھی ان کے راستہ اور طریقہ پر چلیں۔ کہہ دیجئے کہ میں اس پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا وہ (قرآن) تو تمام عالمین کیلئے نصیحت ہے۔(۹۰) ان لوگوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہیں کی جس طرح قدر کرنے کا حق تھا۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی ان سے کہیے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے موسیٰ لے کر آئے تھے؟ جو لوگوں کیلئے روشنی اور ہدایت (کا ذریعہ) تھی؟ جسے تم نے ورق ورق کر رکھا ہے۔ اسکا کچھ حصہ تو تم ظاہر کرتے ہو (مگر) بہت سا حصہ چھپاتے ہو۔ حالانکہ تمہیں وہ باتیں سکھائی گئی ہیں جو نہ تمہیں معلوم تھیں اور نہ تمہارے باپ دادا کو کہیے اللہ نے (وہ کتاب نازل کی تھی)۔ پھر ان کو چھوڑ دیجئے کہ وہ اپنی بے ہودہ نکتہ چینی میں کھیلتے رہیں۔(۹۱)

تفسیر الآیات

۸۸۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ ...الآیۃ۔

ان آیات مبارکہ میں خداوند عالم نے اٹھارہ انبیاء کرام اور ان کے آباؤ اور بعض ابناء کا ذکر خیر کیا

ہے۔جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی داخل ہیں اور یہاں کہا ہے کہ ان کو حکمت ،فصل القضا اور نبوت عطا فرمائی اور بعض پر بعض کتابیں بھی نازل فرمائیں جیسے صحف ابراہیم ،تورات ،انجیل ،اور زبور اس کے کئی مقاصد ہو سکتے ہیں مثلاً یہ کہ عربوں کو بتایا جائے کہ آپ کے جد امجد جناب خلیل خدا اور ان کی اولاد موحد تھے۔اور یہ کہ حضرت رسول خداؐ کو ان کی تاسی میں دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑے وہ اس پر صبر وضبط سے کام لیں۔اور دوسرے لوگ بھی ان کی سیرت وکردار اور روش ورفتار کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں اور ان کی اقتداء کر کے دنیا وآخرت میں فوز وفلاح پائیں (تفسیر کاشف)

واضح رہے کہ ان اٹھارہ انبیاء میں سے حضرت نوح تو حضرت ابراہیم کے جد بزرگوار ہیں مگر سولہ حضرات ان کی ذریت میں ہیں مخفی نہ رہے کہ جس ترتیب سے یہاں ان حضرات کے اسماء گرامی ذکر کیے گئے ہیں یہ ان کے زمان یا فضل وکمال کی ترتیب کے مطابق نہیں ہیں۔علاوہ بریں جناب لوط جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں لہٰذا قاعدہ تغلیب کی بنا پر ان کو ذریت میں شامل کر دیا گیا ہے۔

۸۹۔فَاِنْ یَّكْفُرْ بِهَا ...۱۸۹الآیۃ۔

اب کوئی ان حقائق کا انکار کرتا ہے تو اس کا اپنا نقصان وزیاں ہوگا ہم نے ان کے تسلیم کرنے اور ہمیشہ پرچم حق بلند رکھنے کیلئے ایک مخصوص قوم کا انتخاب کرلیا ہے۔جو یہ فریضہ بطریق احسن انجام دیتی رہے گی۔ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ (سورہ مائدہ آیت......۵۴)۔

۹۰قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ ...۱۹۰الآیۃ

اس آیت سے اجر مانگنے کی نفی ظاہر ہوتی ہے۔مگر آیت مودت (قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى......سورہ شوریٰ آیت...... ۲۳) سے اجر مانگنے کا ثبات ہوتا ہے۔لیکن اگر تھوڑا سا غور وفکر کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں اثبات ونفی میں کوئی تنافی نہیں ہے۔بلکہ ان کا محل ومورد جدا جدا ہے مطلب یہ ہے کہ جو اجر مانگا ہے وہ اپنے فائدہ کیلئے نہیں مانگا بلکہ کائنات کی ہدایت اور ان کے فائدہ کیلئے مانگا ہے۔اور جس اجر کی نفی ہو رہی ہے وہ ہے جو آپ کے اپنے فائدہ کیلئے ہے اس بیان کی تصدیق اس ارشاد قدرت سے ہوتی ہے۔"مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ" (سورہ سبا آیت......۴۷) میں نے تم سے جس اجر کا سوال کیا ہے۔وہ تمہارے ہی فائدہ کیلئے کیا ہے۔

۹۱۔وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ...۱۹۱الآیۃ۔

جب خود خالق کائنات اور مالک موجودات کو شکایت ہے کہ اس کے بندوں نے اس کی کما حقہ قدر نہیں کی۔ تو پھر کوئی مخلوق کسی مخلوق سے کیا توقع رکھ سکتی ہے کہ وہ اہل قدر کی قدر کرے گی جب نبیوں، رسولوں کی قدر نہ کی گئی وصیوں، ولیوں کی قدر نہ کی گئی شہیدوں صدیقوں کی قدر نہ کی گئی علماء کاملین کی قدر نہ کی گئی اور عباداللہ الصالحین کی قدر نہ کی گئی۔ فکیف انا؟ پھر میں کون ہوں؟

قیل ان الالہ ذوولد
وقیل ان اکروں قدکہا
اذاماجی اللہ والرسول معاً
من لسان الوری فکیف نا

غالبؔ برا نہ مان گرواعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

بلکہ دنیا کی ہمیشہ سے یہی رسم و ریت رہی ہے کہ ہوتی آئی ہے کہ

اچھوں کو برا کہتے ہیں

باایں ہمہ اپنی تو یہ عادت ہے کہ حالات جیسے بھی ناساعد ہوں دشمن جس قدر چاہیں اذیت پہنچائیں اور احباب جس قدر چاہیں چڑ کے لگائیں اور بے وفائی فرمائیں ہمیشہ یہی کہہ کر دل کو تسلی دی ہے کہ۔

تیری بندہ پروای سے میرے دن گذر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ

سچ تو ہے کہ

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آسان ہو گئیں

ہاں البتہ یہ سوال ہمیشہ تشنہ جواب رہے گا۔ کہ

ہم کہاں کے دانا تھے
کس نہر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا

بہر حال اللہ کی بے قدری کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ اس نے کسی انسان (پیغمبر اسلام) پر کچھ نہیں اتارا ارشاد ہوتا ہے کہ ان سے پوچھو کہ موسیٰ پر وہ کتاب (توراۃ) کس نے اتاری تھی جس میں لوگوں کیلئے نور اور ہدایت تھی جسے تم متفرق کاغذوں کی صورت میں رکھتے ہو۔ اور جس کا کچھ حصہ تو تم لوگوں کے سامنے لاتے ہو جو تمہاری مرضی کے مطابق ہے مگر اس کا بہت سا حصہ چھپا دیتے ہو جو تمہاری منشا کے خلاف ہے تو اگر وہ کتاب اللہ نے اتاری تھی اور ایک بشر پر ہی اتاری تھی تو یہ کتاب یعنی قرآن مجید بھی عالمین کیلئے ذریعہ ہدایت بنا کر ایک بشر پر اتاری ہے تو جب تم اس کو مانتے ہو تو اس کا انکار کیوں کرتے ہو؟

حالانکہ قرآن مجید کے ذریعہ سے وہ علم دیا گیا ہے جو اس سے پہلے نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے آباؤ اجداد جانتے تھے ہے اس کا تمہارے پاس کوئی معقول جواب؟ ''وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا'' (سورہ نمل آیت ...... ۱۴) آخر میں فرمایا کہ اگر یہ لوگ آپ کی بات نہیں مانتے تو ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں تا کہ وہ اپنی بے ہودہ باتوں سے کھیلتے رہیں۔ تو وہ خود بخود اپنے کیفر کردار تک پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

آیات القرآن

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹۲ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۹۳

ترجمۃ الآیات

اور یہ وہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے جو اپنے سے پہلے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے (اس لئے نازل کی ہے) کہ تم مکہ اور اس کے اطراف وجوانب والے لوگوں کو ڈراؤ۔ اور جو لوگ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں (اسے برحق) مانتے ہیں وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں پر پابندی کرتے ہیں (۹۲) اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو خدا پر جھوٹا بہتان باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نہ کی گئی ہو اور (اس سے بڑا ظالم کون ہے) جو کہے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے ایسا میں بھی نازل کروں گا۔ (یعنی نازل کرسکتا ہوں) اے کاش! تم وہ منظر دیکھو جب کہ ظالم لوگ موت کے سکرات (سختیوں) میں ہوں گے اور موت والے فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) اپنی روحوں کو ان (سکرات) سے نکالو۔ آج تمہیں ذلت آمیز عذاب کیا جائے گا تمہارے خدا کے بارے میں غلط باتیں کرنے اور اس کی آیتوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے کی پاداش میں (۹۳)۔

تفسیر الآیات

۹۲۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ ۹۲ ...الآية۔

پہلی آیت میں یہ ثابت کرنے کے بعد کہ ایک بشر پر کلام اللہ نازل ہوسکتا ہے۔ الغرض اس آیت میں قرآن مجید کی چند خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً اس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بڑی بابرکت کتاب ہے اس میں ایک طرف عقائد حقہ بیان کئے گئے ہیں تو دوسری طرف احکام الٰہیہ ذکر کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب بڑی بابرکت ہے کہ اس میں انسان کی دنیا وآخرت کو سنوارنے وسدھارنے کیلئے زرین اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے بایں معنی کہ وہ برحق ہیں۔ اور یہ کہ وہ بھی اسی طرح نازل ہوئی ہے اور اس نبی امی پر نازل ہوئی ہے جس طرح ان آسمانی کتابوں س میں مذکور ہے۔ اور اس کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسری سماوی کتابوں کی طرح خواب غفلت

میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگاتی ہے اور بحر عصیان میں غوطہ زن لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اس سے باہر نکالنے کی کامیاب کوشش کرتی ہے ارشاد قدرت ہے "لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا" (تاکہ تم مکہ اور اس کے ارد گرد کے رہنے والوں کو ڈراؤ) مشہور یہ ہے کہ مکہ مکرمہ ربع مسکون کے وسط میں واقع ہے۔ اس لحاظ سے اس کا ارد گرد تمام ربع مسکون یعنی تمام معمورہ ہستی کو شامل ہے۔ آخر میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ ضرور اس (قرآن) کو بھی مانتے ہیں اور وہ اپنی نمازیں پابندی سے پڑھتے ہیں اور جو بے فکرے آخرت کو نہیں مانتے وہ قرآن پر کس طرح ایمان لائیں گے ظاہر ہے کہ قرآن کے مطالب و معانی میں وہی غور کرے گا اور انہیں مانے گا جس کو قیامت اور اس کے حساب و کتاب کا خوف ہوگا۔ جو اسے اسلامی و قرآنی حقائق پر غور و فکر کرنے پر امادہ کرے گا جس کا قدرتی نتیجہ ایمان ہے۔

تعریف قرآن بزبان امام علیہ السلام

حضرت امیر علیہ السلام قرآن کی تعریف میں فرماتے ہیں:

"تعلموا القرآن فانه احسن الحديث وتفقهوافيه فانه ربيع القلوب و استشفو ابنوره فانه شفاء الصدور و احسنو تلاوته، فانه احسن القصص"

قرآن کو سیکھو کہ وہ احسن الحدیث ہے اسے سمجھو کہ وہ دلوں کیلئے بہار ہے۔ اور اس کی روشنی سے شفا حاصل کرو کہ وہ شفاء الصدور ہے اور اچھی طرح اس کی تلاوت کرو کہ وہ احسن القصص ہے۔ (نہج البلاغہ)

۹۳۔ وَمَنْ اَظْلَمُ... ۱۹۳ الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول میں مفسرین اسلام کے درمیان قدرے اختلاف ہے کہ یہ کس کے متعلق نازل ہوئی ہے اس سلسلہ میں دو روایتیں ملتی ہیں ایک میں وارد ہے کہ یہ مسلیمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ اور کچھ رطب و یابس جمع کر کے قرآن کا معارضہ کرنے کی ناکام کوشش کی (تفسیر تبیان)

اور ایک روایت میں وارد ہے کہ یہ عبداللہ بن معد بن ابی سرح کے متعلق اتری ہے جو اپنی خوشنویسی کی وجہ سے کاتب وحی مقرر ہوا تھا۔ جب آنحضرت اسے وحی لکھوانا چاہتے تو وہ آیت کا آخری فقرہ اپنے ذوق کے مطابق لکھ دیتا اور آنحضرت اس کی تصحیح کر دیتے مگر کبھی ایسا بھی ہوا کہ آنحضرت نے اسے نہیں بدلا۔ وہ اسی بات پر گمراہ ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ میں بھی قرآن جیسی آیات تیار کر کے اتار سکتا ہوں۔ (تفسیر قمی)

اس سے معلوم ہوا کہ واقعاً اس بدبخت سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں ہے۔ جو اپنی تک بندی اور من گھڑت باتوں کو خدا کی وحی کی شکل میں پیش کرے۔ یہ دعویٰ کرے کہ میں بھی قرآن کی طرح کلام نازل کر سکتا ہوں۔ تعالی اللّٰہ عن ذلک علوا کبیرا۔ خلاصہ یہ کہ چونکہ "المورد لا یخصص الوارد" بنابریں اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ کے بارے میں وہ بات کہے جس کا قرآن وسنت سے کوئی ثبوت نہ ہو یا اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام یا حرام کردہ کو حلال ٹھہرائے یا نبوت وامامت کا دعویٰ کرے جبکہ وہ نبی وامام نہ ہو۔ (تفسیر عیاشی)

۹۴۔ وَلَوْ تَرٰۤی ...الآیۃ۔

کاش تم وہ موقع دیکھو جب ایسے گستاخ اور ظالم لوگ موت کے سکرات میں ہوں گے اور ملک الموت کے انصار واعوان فرشتے ان کی روح قبض کرنے کیلئے ہاتھ پھیلائے ہوں گے ان کی زجر و توبیخ کرتے ہوئے ان افتراء پرداز ظالموں سے کہیں گے کہ اپنی روحوں کو سکرات وشدائد سے نکالو! مخفی نہ رہے کہ بعض اخبار وآثار میں ان ظالموں کی تفسیر آل محمد علیہم السلام پر ظلم کرنے والوں کے ساتھ کی گئی ہے (تفسیر قمی)

پھر فرماتا ہے کہ آج تمہیں خدا پر ناحق بہتان باندھنے اور اس کی آیتوں کے مقابلہ میں انہیں ماننے سے تکبر کرنے کی وجہ سے ذلت آمیز عذاب دیا جائے گا جو اس قیامت صغریٰ یعنی موت سے لے کر قیامت کبریٰ تک بلکہ اس کے بعد بھی مسلسل جاری رہے گا۔

آیات القرآن

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾

ترجمۃ الآیات

اورتم اسی طرح ہماری بارگاہ میں تن تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا تھا۔ اور اپنے پیچھے چھوڑ آئے جو کچھ ساز وسامان ہم نے تمہیں عطا کیا تھا۔ اور (آج) ہم تمہارے ساتھ وہ سفارشی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں؟ (آج) تمہارے باہمی تعلقات منقطع ہو گئے ہیں اور جو تمہارا گمان فاسد تھا وہ غائب ہو گیا (۹۴) بے شک اللہ ہی ہے جو دانہ اور گھٹلی کو شگافتہ کرنے والا ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے یہ ہے اللہ تم کدھر بہکے جاتے ہو؟ (۹۵) وہ (رات کے اندھیرے سے) صبح کا برآمد کرنے والا ہے۔ اور اسی نے رات کو سکون وراحت کیلئے بنایا اور سورج و چاند کو (ماہ وسال کے) حساب کیلئے بنایا۔ یہ غالب اور بڑے علم والے (خدا) کا مقرر کردہ نظام ہے (۹۶)۔

تفسیر الآیات

۹۵۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا... الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول

بعض روایات میں وارد ہے کہ بعض کفار جیسے نظر بن حرث بن کلدہ نے کہا تھا۔ مجھے آخرت کی کیا فکر ہے لات وعزیٰ میری سفارش کریں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مجمع البیان، روح المعانی آلوسی)

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ ہر انسان جب شکم مادر سے باہر آتا ہے تو بالکل یکتا وتنہا ہوتا ہے۔ نہ مال ومنال ہمراہ ہوتا ہے نہ کوئی جاہ وجلال نہ اولاد ساتھ ہوتی ہے اور نہ جائیداد پھر دنیا میں آکر اللہ کے فضل وکرم اور اپنی جدوجہد اور کدوکاوش سے بہت کچھ بناتا ہے اور حاصل کرتا ہے۔ اور بالآخر جب موت آتی ہے تو پھر سب بنایا ہوا اور کمایا ہوا چھوڑ کر یکہ وتنہا اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے۔ ع

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت

اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

اس آیت مبارکہ میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے کہ تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آؤ گے جس طرح ہم نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا تھا۔ اور ہم نے تمہیں جو کچھ عطا کیا تھا وہ سب کو پیچھے چھوڑ آؤ گے آج ہم تمہارے وہ سفارشی نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تمہارا خیال تھا کہ وہ ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ افسوس آج تمہارے تمام باہمی تعلقات بالکل منقطع ہو گئے۔ اور وہ تمہارے کچھ کام نہ آئے۔

دو باتوں کی مختصر وضاحت

بڑے اختصار کے ساتھ یہاں دو باتوں کی وضاحت کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ حشر و نشر کے قائلین میں قدرے اختلاف ہے کہ قیامت میں انسان کی صرف روح محشور ہوگی یا جسم مع الروح کے ساتھ انسان محشور ہوگا؟ جمہور اہل اسلام کا یہی آخری عقیدہ ہے کہ جسم و روح دونوں کے ساتھ انسان محشور ہوگا اور اسے ہی معاد جسمانی کہا جاتا ہے مگر بعض لوگ پہلے قول کے قائل ہیں کہ صرف انسان کی روح محشور ہوگی۔ اس آیت سے جمہور اہل اسلام کے نظریہ کی تائید مزید ہوتی ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ تم اسی طرح میرے پاس آؤ گے جس طرح میں نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ پہلی بار صرف روح پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ انسان جسم و روح کے ساتھ پیدا ہوا تھا دوسری یہ کہ کوئی کوتاہ اندیش اس سے یہ نہ سمجھے کہ اس سے شفاعت کی نفی ہو رہی ہے کیونکہ یہاں ان خود ساختہ شفیعوں کی شفاعت کی نفی کرنا مقصود ہے جن کو مشرک لوگ خدا کا شریک سمجھتے تھے اور زندگی بھر ان کی پرستش کرتے رہے اور وہ ان سے جو توقعات رکھے ہوئے تھے قیامت کے دن ان پر پانی پھر جائے گا۔ اس سے خود خدا کے مقرر کردہ شفاعت کرنے والے حضرات کی شفاعت کی نفی ہرگز نہیں ہوتی جو اس کی اجازت سے صحیح العقیدہ مگر گنہگار اہل ایمان کی شفاعت کریں گے۔ ''وَ لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی'' (سورہ انبیاء آیت......۲۸)۔

۹۶۔ اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ...الآیۃ۔

ان چند آیات شریفہ میں خدائے علیم و حکیم اپنے علم و فضل اور اپنی حکمت بالغہ و قدرت کاملہ کے چند کرشمے اور عظیم کارنامے بیان کر کے غافل انسان کو خواب غفلت سے جگاتے ہوئے اسے اپنی عظیم عظمت اور کامل قدرت کا قائل کر کے اس سے اپنی توحید کا اقرار کرانا چاہتا ہے اور بلا شرکت غیرے اپنی عبادت کرانا چاہتا ہے۔

پہلا کرشمۂ قدرت

چنانچہ اس کا ایک کرشمہ قدرت یہ ہے کہ دانے اور گٹھلی کو شگافتہ کر کے اس کے اندر جو درخت چھپا ہوا

ہے اپنی قدرت کاملہ سے اسے برآمد کرتا ہے۔ انسان زمین کا سینہ چاک کر کے ایک خشک دانہ یا ایک خشک گٹھلی اس میں رکھ دیتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس سے ایک نرم و نازک کونپل نکلتی ہے جو رفتہ رفتہ ایک تناور درخت کا روپ دھار لیتی ہے یا دانہ گندم سے گندم کا پودا نکلتا ہے جس کی کئی بالیاں ہوتی ہیں اور پھر ہر بالی پر ایک خوشہ ہوتا ہے اور ہر خوشہ میں سینکڑوں دانے ہوتے ہیں بے شک حسب ظاہر یہ سب کچھ طبعی علل و اسباب کے تحت وجود میں آتا ہے مگر غور طلب بات یہ ہے کہ آخر مسبب الاسباب کون ہے؟

ءانتم تزرعونه ام نحن الزارعون؟

دوسرا کرشمہ قدرت

یہ ہے کہ وہ بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو پیدا کرتا ہے اس سے مراد کیا ہے؟ اس کی وضاحت سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۲۷ (تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّت...) میں کی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ ''ذالکم الله فانی توفکون'' یہ اللہ ہے جو یہ کام کرتا ہے تم کدھر بھٹکتے پھرتے ہو؟

۹۷۔ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ...الآیۃ۔

تیسرا کرشمہ قدرت۔

رات کی گہری اندھیری چادر کو پھاڑ کر سفیدہ صبح نمایاں کرتا ہے یہ کام بھی ان کاموں میں سے ایک ہے جو قادر مطلق خدا کے سوا اور کوئی بھی جن و ملک یا انسان انجام نہیں دے سکتا اس نے رات کو سکون و اطمینان اور راحت کیلئے بنایا ہے اور شمس و قمر کو حساب کا ذریعہ بنایا ہے واضح ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب سے شب و روز بنتے ہیں اور ان سے ہفتے اور چاند کے بطور ہلال نمودار ہونے اور پھر آخر میں کچھ وقت کیلئے غائب ہو کر دوبارہ طلوع ہونے سے مہینے وجود میں آتے ہیں اور ان سے سال تشکیل پاتے ہیں الغرض سورج ۱۲ برجوں کو تین سو پینسٹھ دنوں میں طے کرتا ہے جس سے سال بنتا ہے اور چاند بارہ برجوں کو (تیس دنوں میں) طے کرتا ہے جس سے مہینہ بنتا ہے اور پھر انہی کی گردش سے شب و روز اور ان سے ہفتے و مہینے اور سن و سال بنتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حساب کتاب کیلئے صرف شمسی مہینے کافی نہیں ہیں بلکہ حساب کتاب میں چاند کو داخل کرنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کا سارا نظام حساب و کتاب قمری تاریخوں پر ہے اور سوائے بعض استثنائی صورتوں کے شمسی تاریخیں معتبر تسلیم نہیں کی گئی ہیں ماہ رمضان کے روزے ہوں یا مناسک حج یا محرم الحرام کا سوگ ہو یا ربیع الاول کا میلاد النبی سب کا

دارومدار قمری مہینوں پر ہے۔ ''هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ'' (سورہ یونس آیت......۵) ذلك تقدير العزيز العليم۔

آیات القرآن

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ
مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ
كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ
النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ
وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ
وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمة الآيات

اور وہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعہ سے خشکی اور تری کے اندھیروں میں راہنمائی حاصل کرو۔ بے شک ہم نے علم رکھنے والوں کیلئے دلائل کھول کر بیان کر دیے ہیں (۹۷) اور وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے تم (سب) کو ایک شخص (آدم) سے پیدا کیا ہے پھر ہر ایک کیلئے ایک قرارگاہ ہے (باپ کی پشت) اور ایک سونپے جانے کا مقام ہے (رحم مادر) اور ہم نے سمجھ بوجھ رکھنے والوں کیلئے (اپنی قدرت کی) نشانیاں تفصیل سے بیان کر دی ہیں (۹۸) وہ وہی تو ہے جس نے آسمان کی (بلندی) سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نباتات اگائے پھر اس سے ہری بھری شاخیں نکالیں کہ ہم اس سے تہ بتہ (گھتے ہوئے) دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے شگوفوں

سے گچھے نکالتے ہیں جو زمین کی طرف جھکے ہوتے ہیں اور ہم نے انگور، زیتون اور انار کے باغات پیدا کئے جو باہم مشابہ بھی ہیں اور غیر مشابہ بھی اور اس کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے (پکنے کی کیفیت) کو دیکھو اور بے شک اس میں ایمان لانے والوں کیلئے (اللہ کی توحید و قدرت کی) نشانیاں ہیں۔(۹۹)۔

تفسیر الآیات

۹۸۔ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ... الآیۃ۔

چوتھا کرشمہ قدرت

یہاں ستاروں سے سورج و چاند کے علاوہ دوسرے ستارے مراد ہیں جن سے لوگ خشکی وتری میں راہنمائی حاصل کرتے ہیں یعنی کشتی بان سمندر میں موٹر والے خشکی میں اور ہوائی جہاز والے فضا میں اور مختلف قافلوں والے اپنے خشکی وتری کے سفروں میں اور راتوں کی تاریکی میں انہی ستاروں سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے اپنے سفر کی سمت متعین کرتے ہیں۔ آج کمپیوٹر اور مشینی دور میں بھی انسان ستاروں کی راہنمائی سے بے نیاز نہیں ہے الغرض یہ جگمگ جگمگ کرتے ہوئے ستارے بھی کسی صناع ازل کے وجود کا پتہ بتا رہے ہیں اور اہل علم و عقل کو اس کے وجود ذی جود پر راہنمائی کر رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ستاروں کی یہ راہنمائی ہے تو سب کیلئے مگر ان سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو ستاروں کی (علامات اور ان کے طلوع) غروب وغیرہ باتوں کا علم رکھتے ہیں۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۔

۹۹۔ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ... الآیۃ۔

تخلیق کائنات کے شاہکار حضرت انسان کو خداوند عالم نے ایک تنفس سے کسی طرح پیدا کیا؟ اس کی تفصیل سورہ نساء کی پہلی آیت یا ایھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ الآیۃ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اور وہیں جناب حواء کی خلقت کی کیفیت اور پھر آگے بنی نوع انسان کے بڑھنے کی نوعیت پر بھی مفصل گفتگو ہو چکی ہے کہ کس طرح ایک بھائی کیلئے ایک حوریہ اور دوسرے بھائی کیلئے ایک جنیہ کا قادر مطلق نے انتظام کیا اور بطریق حلال نسل آدم کو چلایا۔ اور یہ جو تفسیر نمونہ وغیرہ بعض تفاسیر میں بھائی بہن کے باہمی عقد و ازدواج کے نتیجہ میں نسل آدم علیہ السلام کے بڑھنے کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کا بطلان کلام امامؑ کی

روشنی میں واضح وعیاں کر دیا گیا ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے ہم ان مطالب کا اعادہ کر کے کتاب کا حجم نہیں بڑھانا چاہتے۔

۱۰۰۔ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ... الآیۃ۔

یہ مستقر یعنی جائے قرار اور مستودع یعنی جائے امانت۔ ان دو چیزوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف قول ہیں۔ اکثر مفسرین اسلام نے لکھا ہے کہ مستقر سے آباؤ اجداد کی پشتیں مراد ہیں جہاں نطفہ برقرار رہتا ہے اور مستودع سے ماؤں کے رحم مراد ہیں جہاں کچھ وقت کیلئے آدمی رہتا ہے اور بعض مفسرین نے مستقر سے دارالآخرہ یعنی جنت یا دوزخ مراد لیا ہے جہاں انسان نے ہمیشہ کیلئے رہنا ہے اور مستودع سے دنیا کی چندروزہ حیات مستعار مراد لی ہے۔ چنانچہ

چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے

مگر چونکہ ان اقوال میں سے کوئی قول بھی کسی امام معصوم سے مروی نہیں ہے اس لئے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ واللہ العالم

ایمان مستقر اور ایمان مستودع

مستقر و مستودع کی مناسبت سے حضرت سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے کلام و بیان کی روشنی میں ایمان کی دو قسموں کا بیان کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے ایک بار امامؑ نے فرمایا کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ایمان مستقر۔ یعنی ثابت اور پختہ ایمان جو زندگی میں بھی مومن کے ساتھ ہوتا ہے اور مرنے کے بعد بھی ساتھ ہوتا ہے اور حشر ونشر میں بھی ساتھ رہے گا دوسرا ایمان مستودع یعنی امانتی ایمان۔ جو دنیا کی چند روزہ زندگی میں تو مومن کہلانے والے کے ہمراہ ہوتا ہے مگر موت کے وقت اس سے الگ ہو جاتا ہے لہٰذا مرتے وقت ایمان یہیں رہ جاتا ہے۔ اور آدمی بے ایمان ہو کر مرجاتا ہے۔ امام کا یہ کلام سنکر حاضرین ڈر گئے اور سوال کیا کہ فرزند رسولؐ! ہمیں کس طرح پتہ چلے کہ ہمارا ایمان کس قسم کا ہے؟ فرمایا:

من کان فعله لقوله موافقا فاثبت له الشهادة ومن کان فعله لقوله مخالفا فانما ذلك مستودع۔ جس کا فعل اس کے قول کے مطابق ہو یعنی جو زبان سے کہہ دے وہ اپنے عمل سے کر کے دکھا دے تو اس کے متعلق گواہی دے دو کہ اس کا ایمان مستقر ہے اور جس کا فعل اس کے قول کے مخالف ہو۔ یعنی جو کہے کچھ اور اور کرے کچھ اور تو اس کا ایمان امانتی ہے (اصول کافی)

۱۰۱۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ۔۔۔ الآیۃ

استقرار اور استکمال ایمان کی بعض دعائیں

حضرت شیخ طوسی باسناد خود محمد بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے شیعہ کہتے ہیں کہ ایمان دو قسم کا ہے مستقر اور مستودع۔ تو آپ مجھے کوئی ایسی دعا تعلیم فرمائیں جسے پڑھوں تو میرا ایمان کامل ہو جائے فرمایا:

ہر نماز کے بعد پڑھا کر

''رضيت بالله ربا وبمحمد صلى الله عليه وآله وسلم نبيا و بلا سلام ديناً وبا لقرآن كتاباً وبعلی ولياً واما ماً وبالحسن و بالحسين والائمة صلوات الله عليهم ائمةً اللهم انی رضيت بهم ائمةً فارضنی لهم انك علی كل شے قدير''۔ (تہذیب الاحکام وتفسیر البرہان)

نیز اس مقصد کیلئے اور ہر قسم کی گمراہی سے بچنے کیلئے ہر نماز کے بعد ایک بار دعائے غریق کے پڑھنے کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ جو یہ ہے۔ يا الله يا رحمن يا رحيم يا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دينك۔ (الفقیہ)

۱۰۲۔ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ...الآیۃ۔

اس آیت مبارکہ میں بھی خدائے خبیر وقدیر نے اپنی قدرت کاملہ کی کرشمہ سازیوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ انسان کی بقاء کیلئے چند چیزوں کی ضرورت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے روٹی، کپڑا اور مکان۔ یہاں تفصیل کے ساتھ اس کی خوراک کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ بارش برسا کر یعنی پانی سے دانے، سبزیاں اور پھل فروٹ اگاتا ہے۔ اور ان سے انسان کی شکم سیری کا انتظام فرماتا ہے تا تو لقمہ بدست آری و بغفلت نخوری۔ کپڑے اور مکان کا تذکرہ دوسری مختلف آیات میں کیا گیا۔ ''اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ'' (سورہ نحل آیت......۷۹) بیشک ان چیزوں میں ایماندار لوگوں کیلئے خدا کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں۔

آیات القرآن

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ
عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى
يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ
فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ
الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ
جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ
فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ
وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنایا ہے حالانکہ اس نے انہیں پیدا کیا ہے اور انہوں نے اس کیلئے جہالت کی وجہ سے بیٹے اور بیٹیاں تراش کر رکھی ہیں۔ وہ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جو وہ اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں (۱۰۰) وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اس کیلئے اولاد کیونکر ہو سکتی ہے حالانکہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں ہے۔ اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے (۱۰۱) یہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے وہی ہر چیز کا خالق ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر چیز کا وکیل و کفیل ہے (۱۰۲) نگاہیں اسے نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہ لطیف (جسم و جسمانیات سے مبرا ہے) اور خبیر (بڑا باخبر) ہے (۱۰۳) تمہارے

پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرتیں (روشن دلیلیں) آ چکی ہیں اب جو بصیرت سے کام لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا۔ اور جو اندھا بنا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا۔ اور میں تمہارے اوپر نگران نہیں ہوں (۱۰۴) اور ہم اپنی آیتیں یونہی الٹ پھیر کر بیان کرتے ہیں اور اس لئے کرتے ہیں کہ یہ لوگ کہیں کہ آپ نے (کسی سے) پڑھا ہے اور تا کہ ہم اسے علم رکھنے والوں کیلئے واضح کر دیں (۱۰۵)۔

تفسیر الآیات

۱۰۳۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ... الآیۃ۔

مشرکین کی مختلف اقسام کا بیان

مشرکین عرب کی کئی قسمیں تھیں کچھ بتوں کو معبود سمجھتے تھے کچھ ستاروں کو عبادت میں شریک خدا قرار دیتے تھے۔ کچھ ابلیس کے بچاری تھے اور کچھ جنات کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے۔ گو ہمیں کسی ایسی خاص جماعت کا علم نہیں ہے جس نے جنات کا خدا سے شرک والا رشتہ جوڑا ہو۔ مگر جب یہاں بھی اور ایک اور جگہ بھی خدا فرما رہا ہے: ''وَ جَعَلُوْا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجِنَّۃِ نَسَبًا'' (سورہ صافات آیت ...... ۱۵۸) وہ خدا اور جنوں میں رشتہ جوڑتے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس جن سے ابلیس مراد لیا ہے کیونکہ وہ جنات میں سے تھا۔ ''کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ'' (سورہ کہف آیت ...... ۵۰) بنا بریں عبادت سے مراد اطاعت ہوگی کہ وہ اس کی یوں اطاعت کرتے تھے جیسے خدا تعالیٰ کی کی جاتی ہے اور اگر جن سے مراد آنکھوں سے پوشیدہ مخلوق مراد لی جائے تو پھر اس سے فرشتے بھی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر ان کی پرستش کرنے والے مشرکین بھی موجود تھے بہر نوع مشرکین کا یہ گمان تھا کہ دنیا کے انتظام میں کچھ پوشیدہ ہستیاں بھی شریک خدا ہیں۔ کوئی بارش برساتا ہے تو کوئی فصلیں اگاتا ہے اور کوئی بیماری دور کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے مشرکانہ نظریات مشرک قوموں میں روحوں، شیطانوں اور دیوتاؤں، دیویوں کے بارے میں موجود رہے ہیں اور ہیں تو خدائے علیم و حکیم نے ان کے اس زعم باطل کی رد ایک جملہ میں کی ہے۔ ''وَ خَلَقَھُمْ'' جن کو یہ لوگ خدا کا شریک قرار دیتے ہیں وہ تو اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ نے ان کو خلق کیا ہے اور بھلا کوئی مخلوق بھی اپنے خالق کی شریک ہو سکتی ہے۔ حاشا وکلا۔

خدا کے بیٹے اور بیٹیاں ٹھہرانے والوں کی ردّ

۱۰۴۔ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ ...۱۰۰ الآیۃ۔

چنانچہ مشرکین عرب یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہود کہتے تھے کہ جناب عزیر اللہ کے بیٹے ہیں جبکہ عیسائی یہ کہتے تھے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں خدا نے ان سب کے اس زعم باطل کو ایک جملہ میں باطل قرار دیا ہے جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے تو پھر بیٹے اور بیٹیاں کہاں سے آئیں گی؟ اس استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مختلف باطل نظریات رکھنے والوں میں سے کوئی خدا کی بیوی کا قائل نہیں تھا اسی لئے خدا نے بیوی کے نہ ہونے کو اولاد کے نہ ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ **سبحانه وتعالیٰ عما یصفون۔** اس نے آسمانون اور زمین کو بغیر کسی سابقہ مثال کے پیدا کیا ہے۔ اور وہ ہر شے کا خالق اور وہ ہر چیز کا ہمہ گیر علم رکھتا ہے اور اس کے علم میں اس کی کوئی اولاد نہیں ہے۔

۱۰۵۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ...الآیۃ۔

جب ساری کائنات کا خالق و مالک اور مدبر اللہ ہے تو پھر عبادت صرف اسی کی کرنا چاہیے۔ اور کسی چیز کو نہ اس کا شریک قرار دینا چاہیے اور نہ کسی مخلوق کو اس کی اولاد یا بیوی ٹھہرانا چاہیے۔ اور وہی ہر چیز کا کارساز ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (سورہ شوریٰ آیت......۱۱)

۱۰۶۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ...الآیۃ۔

خدا آنکھوں سے نظر نہیں آتا

اس موضوع پر سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۵۵ **واذقلتم یموسیٰ لن نومن لك حتیٰ نرالله جهرة۔** کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جا چکی ہے اور عقلی و نقلی دلائل و براہین سے واضح وعیان کیا جا چکا ہے کہ خدا دنیا و آخرت میں ان مادی آنکھوں سے نظر نہیں آ سکتا۔ کیونکہ کسی بھی چیز کو دیکھنے کیلئے چھ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ وہ شئی دیکھنے والے کی جہت مقابل ہو۔ ۲۔ وہ چیز کوئی شکل وصورت رکھتی ہو۔

۳۔ کوئی رنگ بھی رکھتی ہو۔ ۴۔ کسی مکان میں ہو۔

۵۔ دیکھنے والے اور اس میں زیادہ فاصلہ نہ ہو اسی طرح درمیان میں بھی کوئی چیز حائل نہ ہو۔

٦۔ روشنی بھی ہو تاریکی نہ ہو۔

اور یہ بات بدیہی ہے کہ یہ سب صفتیں جسم کی ہیں۔ مگر یہ بات اپنے مقام پر یعنی علم کلام وعقائد میں نا قابل رد دلائل و براھین سے ثابت ہو چکی ہے کہ خدا جسم و جسمانیات اور ان کے آثار سے منزہ ومبرا ہے اور یہی لطیف کا صحیح مفہوم ہے کہ وہ مادہ کی کثافتوں سے مبرا ہے لہٰذا اس کے بارے میں دیکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب جناب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے اس احمقانہ سوال اور پھر اس پر اصرار سے مجبور ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا کہ رب ارنی۔ تو خدا نے ان کو جواب دیا تھا۔ لن ترانی اے موسیٰ تم مجھے کبھی نہیں دیکھ سکتے۔ اس طرح اس آیت نے ابدالاباد تک باری تعالیٰ کے دیکھے جانے کی نفی کر دی ''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ''۔

١٠٧۔ قَدْ جَآئَكُمْ بَصَآئِرُ...١٠٤ الآية۔

جسم کیلئے بصر اور روح کیلئے بصیرت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلائل و بینات آ چکے۔ تو جو ان کی اتباع کرے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو اندھا بنا رہے گا تو وہ اپنا نقصان وزیاں کرے گا۔ پیغمبر اسلامؐ کی زبان حق ترجمان سے کہلوایا جا رہا ہے کہ میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں بلکہ صرف بشیر ونذیر اور داعی الی اللہ اور مبلغ قرآن واسلام ہوں۔ وکیل، رقیب اور حفیظ صرف خدا ہے۔ یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا'' (بنی اسرائیل آیت۔۔۔٧) اگر اچھے کام کرو گے تو اپنے فائدہ کیلئے اور اگر برے کام کرو گے تو بھی اپنے ہی (نقصان) کے لئے۔

١٠٨۔ وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ...الآية۔

خداوند عالم تو جاہل عربوں کے سامنے طرح طرح اور مختلف انداز سے حقیقتیں بیان کرتا تھا تا کہ وہ حق وحقیقت کو تسلیم کریں اور اس پر ایمان لائیں مگر بموجب مرد ناداں پر کلام نرم ونازک بے اثر۔ انہوں نے اس کا الٹا اثر لیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کہنے لگے کہ یہ قرآن جو مختلف علوم وفنون اور مختلف دلائل و براھین پر مشتمل ہے آپ نے کسی آدمی سے پڑھا ہے یہ خدا کا کلام نہیں ہے بنا بریں ''لیقولون'' کے اول میں جو لام ہے یہ لام عاقبت ہے جو کسی بات کے نتیجہ کو ظاہر کرتی ہے جیسے جناب موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ ''فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا'' (سورہ قصص آیت......٨) فرعونیوں نے انہیں دریا سے نکال لیا تا کہ وہ ان کیلئے دشمن اور باعث حزن قرار پائیں۔ حالانکہ ان کا مقصد یہ نہ تھا مگر نتیجہ یہی برآمد

ہوا سچ ہے کہ ''وَمَا تُغۡنِی الۡاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنۡ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ''(سورہ یونس آیت......۱۰۱)۔
مگر بعض فضلاء کو اصرار ہے کہ یہ لام غایت ومقصد ہی کیلئے آتی ہے اور اس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ وہ کہیں کہ آپ نے خوب پڑھا ہے یعنی ان کا ضمیر اس کی گواہی دے یا اگر کبھی زبان سے بھی اس کا اقرار کرلیں یہی سیاق وسباق دونوں کا تقاضا ہے کیونکہ اتمام حجت ہونے کا ذکر ہورہا ہے (فصل الخطاب)
تاکہ ہم صاف صاف بیان کردیں اور واضح کردیں علم ودانش رکھنے والوں کیلئے لہٰذا اگر وہ فائدہ اٹھانا چاہیں گے تو اس میں تمام سامان ہدایت پائیں گے اور اگر کوئی جہالت وضلالت کا مظاہرہ کرے گا اور ان حقائق کو قبول نہیں کرے گا۔ تو اس پر حجت تو تمام ہوجائے گی اور اس کا عذر تو قطع ہو ہی جائے گا۔ گویا مفہوم یہ ہے کہ۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

آیات القرآن

اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ وَاَعۡرِضۡ عَنِ
الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَاۤ اَشۡرَکُوۡا ؕ وَمَا جَعَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ
حَفِیۡظًا ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِوَکِیۡلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ
مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ کَذٰلِکَ زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ
عَمَلَہُمۡ ۪ ثُمَّ اِلٰی رَبِّہِمۡ مَّرۡجِعُہُمۡ فَیُنَبِّئُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾
وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ جَآءَتۡہُمۡ اٰیَۃٌ لَّیُؤۡمِنُنَّ بِہَا ؕ قُلۡ
اِنَّمَا الۡاٰیٰتُ عِنۡدَ اللّٰہِ وَمَا یُشۡعِرُکُمۡ ۙ اَنَّہَاۤ اِذَا جَآءَتۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾
وَنُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَہُمۡ وَاَبۡصَارَہُمۡ کَمَا لَمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٖۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ
وَّنَذَرُہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾

ترجمۃ الآیات

آپ اس وحی کی پیروی کریں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کو کی جاتی ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اور مشرکوں سے بےتوجہی اختیار کریں (١٠٦) اور اگر خدا (زبردستی) چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ ہی آپ ان کے ذمہ دار ہیں (١٠٧) اور (خبردار) تم ان کو گالیاں نہ دو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ورنہ یہ لوگ اپنی جہالت و ناسمجھی کی بنا پر حد سے گزر کر اللہ کو گالیاں دیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے عمل کو (اس کی نظروں میں) آراستہ کیا ہے۔ پھر ان کی بازگشت ان کے پروردگار کی طرف ہے پھر وہ انہیں بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے (١٠٨) اور انہوں نے اللہ کے نام کی بڑی سخت قسمیں کھائی ہیں اگر ان کی مرضی کے مطابق کوئی معجزہ ان کے پاس آجائے تو وہ ضرور ایمان لائیں گے۔ کہہ دیجیے کہ معجزہ تو بس اللہ ہی کے پاس ہے جب کوئی ایسا معجزہ آ بھی جائے گا تو یہ جب بھی ایمان نہیں لائیں گے (١٠٩) (تمہیں کیا خبر کہ) ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیں گے (تہ و بالا کر دیں گے) لہٰذا جس طرح وہ اس قرآن پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تھے اب بھی نہیں لائیں گے اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے تاکہ یہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے پھرتے رہیں گے (١١٠)

تفسیر الآیات

پیغمبر اسلامؐ لوگوں کے ناظر و نگران نہیں ہیں

١٠٨۔ اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ... الآیۃ۔

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم اس پیرایہ میں اپنے حبیب مصطفیٰ ؐ کو تسلی دے رہا ہے کہ آپ کفار و مشرکین کے کفر و شرک پر غمگین نہ ہوں اور آپ اس بات کی پروا نہ کریں کہ کون آپ کی بات مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔ بس آپ اپنے پروردگار کی وحی کی اتباع کریں کیونکہ آپ کی ذمہ داری قرآن کے ذریعہ سے بشارت و نذارت کرنا اور اس پر مداومت کرنے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور وہ آپ نے پوری

کر دی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی بد بخت کفر وشرک کرتا ہے تو کیا کرے۔ آپ ان سے روگردانی کریں۔ آپ ان کے پہریدار ونگہبان اور ٹھیکے دار ونگران نہیں ہیں کہ زبردستی ان کو کفر وشرک سے باز رکھیں۔ اگر اس طرح زبردستی ارادۂ تکوینی (کن فیکون) سے ان کو مومن بنانا مقصود ہوتا تو پھر کوئی بھی مشرک نہ ہوتا۔ مگر ایسا کرنا اللہ کی حکمت بالغہ کے منافی ہے اس لئے وہ ایسا نہیں کرتا۔

وَلَاتَسُبُّوا الَّذِیْنَ ۱۰۸...الایۃ

اس آیت کی شان نزول

کہا جاتا ہے کہ مسلمان کفار ومشرکین کے بتوں کو گالیاں دیا کرتے تھے تو خداوند حکیم نے یہ آیت نازل کی کہ وہ ایسا نہ کریں ورنہ وہ بھی جواب میں ان کے معبود برحق کو گالیاں دیں گے۔ (مجمع البیان)

خلاصہ یہ کہ تم بت پرستوں کو دعوت حق ضرور دو مگر ان کے بتوں کو برا بھلا نہ کہو ورنہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ خدا کو برا بھلا کہیں گے۔ پھر طلب حق کی بات نہیں رہے گی۔ باہمی گالی گلوچ شروع ہو جائے گا۔

تبلیغ حق کا صحیح طریقۂ کار؟

اکثر وبیشتر دیکھا جاتا ہے۔ کہ مبلغین اپنے دین ومذہب کی تبلیغ کرنے میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اور فریق مخالف اور اس کے بزرگوں اور اس کے نظریات کی رد کے سلسلہ میں وہ غلط انداز گفتگو اختیار کرتے ہیں کہ جس سے مدمقابل کے مذہبی جذبات مجروح ہوتے ہیں اور اس سے نفرت اور تعصب میں تو ضرور اضافہ ہوتا ہے مگر مبلغ کی تبلیغ کا کوئی مثبت اثر نظر نہیں آتا۔ اس آیت شریفہ میں ان لوگوں کو جو اسلام وایمان کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں صحیح عقلی واسلامی خطوط پر تربیت دی جارہی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں ہرگز معقولیت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اور حکمت ومتانت اور احسن انداز سے اپنے مشن کی تبلیغ کریں یعنی بڑی حکمت اور شائستگی کے ساتھ اپنے دین ومذہب اور اپنے پیشواؤں کے فضائل وکمالات سے لوگوں کو روشناس کرائیں۔ اور بہتر تو یہ ہے کہ دوسرے مذہب اور اس کے پیشواؤں کا ذکر ہی نہ کریں اور اگر ان کا ذکر نا گزیر ہو تو پھر دلائل وبراہین سے احسن اور علمی مہذب طریقہ سے ان کے مذہب اور ان کے پیشواؤں کی کمزوریاں بیان کریں تاکہ وہ لوگ سوچنے اور سمجھنے پر مجبور ہو جائیں۔ بھونڈے انداز میں طعن وتشنیع اور گالم گلوچ سے مکمل طور پر اجتناب کریں کیونکہ ایسا کرنے کے دو واضح نقصان ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ اس طرح تبلیغ غیر موثر ہو جاتی ہے اور سامعین کے دل ودماغ میں نفرت کے جذبات

پیدا ہوجاتے ہیں۔

۲۔دوسرا یہ کہ جب سننے والوں کے جذبات کوٹھیس لگے گی تو وہ بھی مشتعل ہوکر مبلغ کے مذہب اور اس کے معبود اور اس کے پیشواؤں کے بارے میں وہی لب ولہجہ اور وہی گالم گلوچ اختیار کریں گے جو اس نے اختیار کیا ہے۔جس سے فائدہ کی بجائے الٹا نقصان وزیاں ہوگا سچ ہے۔ کما تدین تدان۔

عام حالات میں بھی کسی کے بزرگوں کو علانیہ برا نہیں کہنا چاہئے

حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنی امالی میں روایت کرتے ہیں کہ ایک بار کسی شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؑ کا ایک نام لیوا ہے۔ جو شہر کے چوراہے پر جا کر کھڑا ہوجاتا ہے اور آپ کے مخالفوں کو نام بنام گالیاں دیتا ہے۔

امام لیٹے ہوئے تھے جب یہ واقعہ سنا تو سیدھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور غضبناک لب ولہجہ میں فرمایا:

''مالہ لعنہ اللہ یعرض بنا الناس'' اس شخص کو کیا ہوگیا ہے خدا اس پر لعنت کرے۔ وہ لوگوں کو ہمارے برخلاف بھڑکاتا ہے؟

پھر یہ حکیمانہ حکم دیا:

''لا تسبوھم فیسبوا علیکم'' ان کو گالیاں نہ دو ورنہ وہ تمہارے علی علیہ السلام کو گالیاں دیں گے (امالی الشیخ صدوق)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لاکھ برائی کے قابل ہو مگر اسے علانیہ برا نہیں کہنا چاہئے۔ ورنہ اگر ان کے نام لیوا حقیقی پیشوایان برحق کے خلاف بدگوئی و ہرزہ سرائی کریں گے تو اس کی ذمہ داری اس روش کا مظاہرہ کرنے والے پر عائد ہوگی۔ دعا ہے کہ خداوند عالم مسلمانوں کو تحمل و برداشت اور رواداری کا مظاہرہ کرنے اور ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا پاس کرنے کی توفیق عطا فرمائے اگر ایسا ہوجائے تو اس سے بہت سے مفاسد کا سدباب ہوجائے گا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ایک حدیث کے ضمن میں فرمایا: ''من سب ولی اللہ فقد سب اللہ'' جو اللہ کے کسی ولی کو گالی دے اس نے دراصل خدا کو گالی دی ہے۔ (تفسیر عیاشی وصافی وبرہان)۔

ہم نے ہر قوم کیلئے اس کا عمل آراستہ کیا ہے کا صحیح مفہوم کیا ہے

۱۱۰۔ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا... الآية۔

ہم نے اسی طرح ہر قوم کا عمل اس کیلئے آراستہ کر دیا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا جس طرح مسلمانوں کیلئے اسلام و توحید کو آراستہ کیا ہے اسی طرح کافروں کیلئے کفر و شرک کو آراستہ کیا ہے؟ یہ مفہوم یقیناً غلط ہے کیونکہ کافرین و مشرکین کیلئے کفر و شرک اور گنہگاروں کیلئے گناہ و عصیان کو آراستہ کر کے پیش کرنا شیطان کا کام ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: ''وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ ''(سورہ نمل آیت...... ۲۴) شیطان نے ان کے برے اعمال ان کی نظروں میں آراستہ کر دیئے ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ''(سورہ انعام آیت...... ۴۳) شیطان نے ان کی نگاہوں میں ان کے عملوں کو آراستہ کر کے پیش کیا۔ بنابریں اس کے صحیح مفہوم دو ہیں ایک یہ کہ ہم نے تو ہمیشہ نگاہوں میں صحیح عمل و کردار کو ہی آراستہ کر کے پیش کیا ہے۔ ان کی مرضی کہ وہ اس پر عمل کریں یا نہ کریں دوسرا یہ کہ ہر قوم جو کچھ کر رہی ہے وہ اس میں مست ہے اور اس کو اچھا سمجھ رہی ہے۔ کیونکہ آئین فطرت یہ ہے کہ ''كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ''(سورہ مومنون آیت...... ۵۳) یعنی ہر گروہ اپنی چیز پر خوش و خرم ہے یعنی۔

عاقل بعقل خود ناز دو مجنون بجنوں

کل حزب بما لدیہم فرحون

بہر حال یہاں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کہ دنیا میں اختلاف فکر و عمل ناگزیر ہے کوئی سب انسانوں کو ایک ہی فکر و عمل اختیار کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا تمہاری نظر میں کوئی راہ کتنی ہی بری ہو مگر دوسرے کی نظر میں یہ راہ اچھی ہے اس لئے ضروری ہے کہ لڑائی جھگڑے کی بجائے تحمل و برداشت سے کام لیا جائے اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے بھی ان کو ان کی غلط راہ روی کی وجہ سے اپنے حال پر چھوڑ رکھا ہے اور مجبور کر کے ان کو راہ راست پر نہیں لگایا۔ اس لئے مجازاً اس آراستہ کرنے کی نسبت خدا کی طرف دے دی گئی ہے۔ ہاں بروز قیامت بارگاہِ خدا میں حاضری و حضوری کے وقت ان کو بتایا جائے کہ وہ کیا کیا کرتے تھے اور پھر ان کا محاسبہ بھی ہوگا۔

۱۱۱۔ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ...۱۰۹ الآیۃ۔

اسی سورہ کی آیت ۳۴،۳۵ کی تفسیر میں واضح کیا جا چکا ہے کہ کفار قریش کس طرح حضرت رسولؐ سے فرمائشی معجزے طلب کرتے تھے اور قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کا مطلوبہ معجزہ ان کو دکھایا گیا تو وہ ضرور ایمان لائیں گے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام پتھر پر عصا مارتے تھے تو پانی کے چشمے جاری ہو جاتے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ آنحضرتؐ نے فرمایا تم کیا معجزہ چاہتے ہو؟ کہا صفا نامی پہاڑی کو سونے کا بنا دیں ہمارے بعض مردوں کو زندہ کریں تا کہ ہم ان سے آپ کے بارے میں

سوال کریں یا ہمیں فرشتے دکھائیں جو گواہی دیں کہ آپ برحق ہیں یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک معجزہ دکھادوں تو تم ایمان لاؤ گے؟ تو اس پر سب نے قسمیں کھا کر کہا کہ ہم آپ کی تصدیق واتباع کریں گے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کرنے کیلئے کھڑے ہوئے کہ وہ صفا کو سونا بنادے۔ کہ جبرئیل امین بحکم رب العالمین حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ خدا فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو میں صفا کو سونے کا تو بنادوں گا مگر اس فرمائشی معجزہ کو دیکھنے کے بعد بھی کوئی اگر ایمان نہیں لائے گا تو میں اسے ہلاک و برباد کردوں گا۔ اور اگر آپ چاہیں تو ان کو اپنے حال پر رہنے دیں تا کہ جب کوئی چاہے تو کفر سے توبہ کر کے اسلام لائے۔ بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی دوسری صورت کو اختیار فرمایا (مجمع البیان وتفسیر قرطبی)

۱۱۲۔ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ...۱۰۹ الآیۃ

معجزات صرف اللہ کے پاس ہیں اور ان کا فاعل حقیقی وہی ہے

حضرت رسولؐ کو حکم دیا جارہا ہے کہ کفار قریش کے مطالبہ کے جواب میں صاف صاف کہہ دیں کہ معجزات تو صرف خدا کے پاس ہیں وہی اپنی قدرت وطاقت اور اپنی خاص حکمت ومصلحت کے تحت ظاہر کرتا ہے۔ وہ جب مصلحت دیکھے گا تو ظاہر کرے گا الغرض معجزہ دکھانا مجھ سے متعلق نہیں ہے ''لیس شئیٌ منها بقدرتی وارادتی'' اس کا تعلق میری قدرت اور میرے ارادہ سے نہیں ہے (تفسیر صافی)۔

بلکہ خدا سے متعلق ہے۔ اس سے بھی بعبارۃ النص واضح ہوتا ہے کہ معجزہ کا فاعل حقیقی خدا ہے۔ جو اپنی مصلحت اور صوابدید کے مطابق نبی یا اس کے وصی کے دعوائے نبوت وولایت کے وقت ان کی تصدیق کی غرض سے ظاہر کرتا ہے وبس۔ اور چونکہ کچھ اہل ایمان بھی یہ چاہتے تھے۔ کہ آنحضرتؐ کفار کو ان کا مطلوبہ معجزہ دکھائیں تا کہ وہ اپنی قسموں کے مطابق ایمان لائیں تو خدا تعالیٰ ان سے فرمارہا ہے کہ ''وما یشعرکم'' (تمہیں کیا خبر) اگر بالفرض ان کا مطلوبہ معجزہ آ بھی جائے۔ تو یہ ایسے ہٹ دھرم اور حجت باز ہیں کہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور کوئی بہانہ تلاش کرلیں گے کیونکہ خوئے بدرا بہانہ بسیار جیسا کہ ذرا آگے چل کر آٹھویں پارے کے آغاز میں اس بات کی صراحت کردی گئی ہے۔ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ (سورہ اعراف آیت......۷۱)۔

۱۱۳۔ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ ...الآیۃ۔

اس آیت مبارکہ میں یہ حقیقت واضح کی جا رہی ہے کہ کفار کا یہ دعویٰ کہ چونکہ ہمیں کوئی معجزہ نہیں دکھایا اس لئے ایمان نہیں لائے۔ صحیح نہیں ہے اتمام حجت کی خاطر بقدر ضرورت معجزے آ چکے اور وہ دیکھ چکے ہیں۔ مگر جس طرح وہ پہلی بار ایمان نہیں لائے۔ (ولم یومنوا بہ اول مرۃ) مطلب یہ کہ وہ اب بھی اپنی سابقہ ذہنیت اور اپنے سابقہ عناد و ہٹ دھرمی کی بنا پر اسلام نہیں لائیں گے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے کہ وما یدریکم انہا اذا جأت لا یومنون؟۔ اس لئے تمہیں کیا خبر کہ ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیں اور تہہ و بالا کر دیں اور ان کو اس حال میں چھوڑ دیں کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے بھٹکتے رہیں۔ کیونکہ وہ حق و ہدایت کے طلبگار ہی نہیں ہیں بلکہ ضلالت و گمراہی کے خریدار ہیں یہاں ان کو اسی طرح اپنے حال پر چھوڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے جیسا کہ متعدد آیات میں یہ مضمون وارد ہے کہ: "فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَ يَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ" (سورہ زخرف آیت...... ۸۳) تم انہیں (اپنے حال پر) چھوڑ دو کہ وہ بک بک کرتے رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں یہاں تک کہ وہ دن ان کے سامنے آ جائے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا۔

وقت صبح ہمچو روز روشن شود یرتو
کہ باکہ باختہ عشق درشب دیجور

آیات القرآن

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ۝۱۱۱ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ۝۱۱۲ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ۝۱۱۳ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۝۱۱۴

ترجمۃ الآیات

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے بھی نازل کر دیں اور ان سے مردے بھی کلام کریں اور خواہ ہم ہر چیز کو ان کے سامنے لا کھڑا کر دیں تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں مگر یہ کہ اللہ (اپنی قدرت قاہرہ سے) چاہے۔لیکن اکثر لوگ جاہل ہیں (۱۱۱) اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن قرار دیا ہے جو ایک دوسرے کو دھوکہ وفریب دینے کیلئے بناوٹی باتوں کی سرگوشی کرتے ہیں اور اگر آپ کا پروردگار (زبردستی) چاہتا، تو یہ ایسا نہ کرتے پس آپ انہیں اور جو کچھ وہ افترا کر رہے ہیں اسے چھوڑ دیں (۱۱۲) تا کہ ان (بناوٹی باتوں) کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہوں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور تا کہ وہ اسے پسند کریں اور تا کہ وہ ان (برائیوں) کا ارتکاب کریں جن کے یہ مرتکب ہو رہے ہیں (۱۱۳) کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو فیصل اور منصف تلاش کروں؟ حالانکہ وہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل اور واضح کتاب نازل کی ہے۔اور ہم نے جن کو (آسمانی) کتاب دی وہ (اہل کتاب) جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوا ہے پس آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں (۱۱۴)۔

تفسیر الآیات

۱۱۴۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ ...الآیۃ۔

ابھی اوپر آیت نمبر ۱۱۰ ''وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ '' کی تفسیر میں وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ کفار ومشرکین پیغمبرؐ سے مختلف معجزوں کی فرمائش کیا کرتے تھے اور پھر سخت قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اگر ہمارے یہ مطلوبہ معجزے دکھا دیئے جائیں تو وہ ضرور ایمان لائیں گے اور بعض اہل اسلام کی بھی یہ خواہش تھی کہ ان کی فرمائش پوری کر دی جائے تا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس بہانہ سے ایمان لائیں۔مگر خدا نے ان لفظوں میں انہیں جواب دیا۔''وما یشعرکم ......'' (تمہیں کیا خبر) اگر یہ معجزے آ بھی جائیں تو یہ ایمان نہیں لائیں گے۔یہاں اسی بات کی مزید وضاحت کی جا رہی ہے کہ اگر بالفرض ان کی سب فرمائشیں پوری کر دی جائیں حتیٰ

کہ آسمان سے فرشتے اتر آئیں، مردے زندہ ہوکر ان سے ہمکلام ہوجائیں اور کائنات کی ہر چیز کو ان کے سامنے لا کھڑا کریں۔ تو یہ ایسے ہٹ دھرم اور ضدی ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ ان میں حق جوئی اور ہدایت طلبی کا جذبہ ہی نہیں ہے۔ تو راہ راست پر کیوں کر آئیں گے ہاں البتہ ان کے ایمان لانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ان سے ارادہ اختیار کی قوت سلب کر لی جائے اور اس طرح انہیں بے اختیار کر کے عمل تکوینی یعنی قدرت قاہرہ سے کن فیکون کے طریقہ پر ایمان لانے پر مجبور کر دیا جائے مگر یہ بات حکیم علی الاطلاق کی حکمت بالغہ کے خلاف ہے جس کے تحت اس نے انسان کو فاعل مختار بنایا ہے۔

ہٹ دھرم لوگوں کی کج فطرتی کا تذکرہ

بات دراصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی انانیت یا اپنے کسی ذاتی مفاد کے تحت حق کو تسلیم نہ کرنا چاہے تو پھر بے شک حق جس قدر عقلی یا حسی دلائل کے ساتھ اس کے سامنے پیش کیا جائے وہ اسے الٹے رخ سے ہی دیکھتا ہے اور اسے نہ ماننے کیلئے کوئی نہ کوئی بہانہ تراش لیتا ہے اور بعض الفاظ کا سہارا لے لیتا ہے مثلاً وہ عقلی دلائل کے جواب میں داعی حق سے کہے گا کہ کیا تمہارے سوا دوسرے سب بزرگ باطل ہیں؟ یا کیا ہمارے اسلاف حق سے محروم تھے؟ اور حسی مشاہدہ کی رد میں کہہ دے گا کہ یہ سب فریب نظر اور نگاہ کا دھوکہ ہے۔ الغرض اس قسم کے لوگ نفسیاتی بیمار ہوتے ہیں اور سرکش اس لئے وہ ہر حالت میں اپنے کو اونچا دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ مگر جب وہ دیکھتے ہیں کہ داعی حق دنیا کے ظاہری جاہ وجلال اور دنیوی مال ومنال سے خالی ہے تو وہ اس کی بات ماننے اور اپنے کو اس کے تابع بنانے میں اپنی کسر شان جانتے ہیں اور جب اس کے ساتھ ذاتی مفادات کا بھی چکر چل جائے تو وہ حق کے قبول کرنے کی سعادت سے محروم رہتے ہیں اور کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر حق کا انکار کر دیتے ہیں سچ ہے۔ انہا لا تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یومنون۔

۱۱۵۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا ... الآیۃ۔ ۱۱۲

اس آیت میں خداوند کریم اپنے حبیب مصطفیٰ ؐ کو تسلی دے رہا ہے کہ اگر جنی وانسی شیطان آپ کی عداوت اور مخالفت پر کمر بستہ ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے یہ آپ سے پہلے انبیاء ومرسلین سے بھی عداوت کرتے چلے آرہے ہیں اور مخالفت بھی۔ لہٰذا آپ اس سے پریشان خاطر نہ ہوں یہاں چند باتیں قابل غور ہیں۔

ا۔ شیطان دو قسم کے ہوتے ہیں جنی اور انسی

قرآن اور سنت کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ شیطان دو قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔جناتی شیطان۔ظاہر ہے کہ اصلی شیطان جنوں میں سے تھا جو اپنے پروردگار کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے شیطان قرار پایا۔

۲۔انسانی شیطان۔جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ''مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ'' (انسانی شیطان کی پہچان کیا ہے؟) چونکہ شیطان کا کام سرکشی کرنا، نیکی کے کام سے روکنا، برائی کا حکم دینا اور لوگوں کے دل و دماغ میں غلط خیالات پیدا کر کے انہیں دین و دیانت اور مذہب اور اس کی متعلقہ حقیقتوں سے بدگمان کرنا ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے ''الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ'' اور ایک دوسرے کو فریب دینے کی غرض سے ملمع کی ہوئی باتیں کرنا جیسا کہ اسی آیت میں وارد ہے ''يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا''۔لہٰذا انسانوں میں سے جو شخص بھی یہ کام کرے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ انسان کے روپ میں چھپا ہوا شیطان ہے جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ **الشیطان کل عاد متمرد من الانس والجن** (تفسیر کبیر)۔

۲۔شیطانوں کو انبیاء کا دشمن بنانے کی نسبت خدا کی طرف کیوں دی گئی ہے؟

جب یہ حقیقت ہے کہ جنی اور انسی شیطانوں کا انبیاء و مرسلین سے عداوت رکھنا اور ان کی مخالفت کرنا ان کا اپنا ذاتی اور اختیاری فعل ہے تو پھر اس کی نسبت خدا نے اپنی طرف کیوں دی ہے؟ کہ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن قرار دیا ہے'' تو اس کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نسبت یقینا مجازی ہے حقیقی نہیں اور ظاہر ہے کہ مجازی نسبت کے جواز کیلئے علماء عربیت کے نزدیک چوبیس ۲۴ علاقوں میں سے کسی ایک علاقہ کا پایا جانا کافی ہوتا ہے اور یہاں تو دو علاقے پائے جاتے ہیں ایک یہ کہ چونکہ انبیاء نے خدا کے حکم سے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور اس کا پیغام حق بندوں تک پہنچایا۔اور چونکہ ان کا یہ اعلان ان شیطانوں کے مفادات سے متصادم تھا اس لئے وہ ان کے دشمن ہو گئے لہٰذا اگر خدا انبیاء سے اعلان نبوت نہ کراتا اور نہ ان کو پیغام حق پہنچانے پر مامور فرماتا تو نہ یہ شیطان ان کے دشمن ہوتے اور نہ ان کی مخالفت کرتے تو گویا اللہ نے ان کو ان کا دشمن بنایا دوسرے یہ کہ جب خدا نے نبیوں کو حکم دیا کہ وہ کفار و مشرکین سے دشمنی رکھیں تو اس بات نے کفار و مشرکین کو بھی انبیاء و مرسلین سے عداوت رکھنے پر آمادہ کیا۔اس لئے ان کی دشمنی رکھنے کو اپنی طرف نسبت دے دی وھذا واضح۔

۱۱۶۔ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ ...الآية۔ ۱۱۲

وحی کے معنی چونکہ کلام خفی کے ہیں اس لئے خداوند عالم نے شیطانوں کی ملمع کی ہوئی خوشنما جھوٹی باتوں کو "زخرف القول" قرار دیتے ہوئے ان کی اس باہمی وسوسہ اندازی کو وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر بھی ایسا کیا ہے "وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِهِمْ" (سورہ انعام آیت ...... ۱۲۱)۔

۳۔ اس شیطانی وحی کے مقاصد کیا ہیں؟

اس آیت میں اس شیطانی وحی کے تین اغراض و مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ لوگوں کو فریب اور دھوکہ میں مبتلا کرنا۔

۲۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ ان باتوں کی طرف مائل ہوں کیونکہ ان شیطانوں سے وہی لوگ متاثر ہوتے ہیں جو فکر آخرت سے خالی ہوں اس لئے کہ آخرت کا اندیشہ آدمی کو سنجیدہ بنا دیتا ہے اور ایسا شخص بے حقیقت باتوں سے متاثر نہیں ہوتا۔

۳۔ چاہتے ہیں کہ جو کام یہ شیطان کر رہے ہیں دوسرے لوگوں کو بھی اسی راستہ پر چلائیں اور اسی غلط روش پر لگائیں۔

مخفی نہ رہے کہ یہ جو درمیان میں فقرہ ہے کہ اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے اس سے مراد وہی مشیت قاہرہ ہے کہ جس سے انسان کا ارادہ و اختیار سلب ہو جاتا ہے جو اللہ کی حکمت کے خلاف ہے۔

۱۱۷ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ ...الآیۃ۔ ۱۱۴

اس آیت کا تعلق پیغمبر اسلام اور کفار قریش کے اس باہمی نزاع سے ہے کہ وہ فرمائشی معجزے دکھانے کا مطالبہ کرتے تھے کہ جن سے وہ فیصلہ کرسکیں کہ آپ برحق نبی ہیں۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ جب خدائے علیم و حکیم نے قرآن مجید مفصل و مکمل کتاب بطور معجزہ خالدہ کے مجھ پر نازل کر کے میری صداقت کا فیصلہ کر دیا ہے تو کیا میں کوئی اور منصف اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں جو میری حقانیت کا فیصلہ کرے؟ مزید براں اہل کتاب کے علماء کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ ان کے پاس کتب سماویہ (تورات و انجیل وغیرہ) موجود ہیں جو میری نبوت و رسالت کی علامتوں سے لبریز ہیں اور میری صداقت کی شاہد صادق ہیں کیونکہ ان کے علماء اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن مجید منزل من اللہ ہے یہ اور بات ہے کہ وہ جو کچھ جانتے ہیں وہ سب کچھ مانتے نہیں ہیں۔ بلکہ کچھ مانتے ہیں اور اکثر نہیں مانتے ہیں۔ "یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ" (سورہ بقرہ آیت ...... ۱۴۶)۔ لیکن "یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا" (سورہ نحل آیت ...... ۸۳) بنا بر مشہور گو خطاب حضرت رسول خداؐ

کو ہے مگر مراد دوسرے لوگ ہیں جس سے مبالغہ اور تاکید مطلوب ہے کہ قرآن کے حقائق و معارف شک و شبہ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ بلکہ سراسر حق ہیں اور واجب القبول ہیں۔

آیات القرآن

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۱۵ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝۱۱۶ اِنَّ
رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۱۷
فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۸ وَمَا لَكُمْ
اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ
اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ بِغَيْرِ
عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝۱۱۹

ترجمۃ الآیات

اور آپ کے پروردگار کی بات صدق وسچائی اور عدل وانصاف کے لحاظ سے مکمل ہے اور اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور وہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے (۱۱۵) (اے رسول) اگر آپ زمین کے رہنے والوں کی اکثریت کی اطاعت کریں گے۔ (ان کا کہنا مانیں گے) تو وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے یہ لوگ پیروی نہیں کرتے مگر گمان کی اور وہ محض تخمینے لگاتے اور اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں (۱۱۶) بے شک آپ کا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی راہ سے بھٹکا ہوا کون ہے؟ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو (۱۱۷) پس جس (ذبیحہ) پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اس میں سے کھاؤ۔ اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو (۱۱۸) اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس (ذبیحہ) میں سے نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا

ہے؟ حالانکہ اس نے جن (جانوروں) کو تم پر حرام قرار دیا ہے ان کو تمہارے لئے تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ سوائے اس کے جس کے کھانے کی طرف تم مضطر و مجبور ہو جاؤ (تو پھر حرام بھی کھا سکتے ہو) اور یقینا بہت سے لوگ علم کے بغیر محض اپنی خواہشات کی بنا پر گمراہ کرتے ہیں بے شک آپ کا پروردگار حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے (۱۱۹)

تفسیر الآیات

۱۱۸ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ ... الآیۃ۔

یہ کلمہ اگر چہ مفرد ہے مگر ان کلمات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو باہم مربوط ہوں اور ایک ہی مقصد سے متعلق ہوں جیسے کہا جاتا ہے کہ ''قال زهير في كلمة'' زہیر نے اپنے کلمہ یعنی اپنے قصیدہ میں کہا تھا جو کہ بہت سے اشعار کا مجموعہ ہے یا قال قس فی کلمتہ قس بن ساعدہ نے اپنے کلمہ یعنی اپنے خطبہ میں کہا ہے جو کہ بہت سے کلمات کا مجموعہ ہے یہاں کلمہ سے مراد قرآن ہے یا اسلام جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ''كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا'' (سورہ توبہ آیت...... ۴۰) سے مراد اسلام ہے۔

قرآنی حقائق اور احکام نا قابل ترمیم و تنسیخ ہیں

قرآن میں یا قصص و واقعات اور وعدہ وعید ہیں یا اوامر ونواہی ہیں بہر حال قرآن واقعات و حالات اور وعد و وعید کے اعتبار سے صدق وسچائی پر اور اوامر و احکام کے اعتبار سے عدل و انصاف پر مبنی ہے اور ہر لحاظ سے کامل و اکمل ہے بنابریں ''تمت'' کے معنی ہوں گے ثابت اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا اور ان میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ اور تغیر و تبدل کرنے والا نہیں ہے کیونکہ جب وہ صدق وسچائی اور عدل و انصاف کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں تو پھر اس میں رد و بدل کی ضرورت نہیں ہے اور نہ خدا نے کسی کو یہ اختیار دیا ہے حضرت جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''حلال محمد حلال الى يوم القيامة و حرام محمد حرام الى يوم القيامة''

حلال محمدی قیامت تک کیلئے حلال اور حرام محمدی قیامت تک کیلئے حرام ہے (اصول کافی)

عددی اکثریت معیار حق نہیں ہے

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ ...الآیۃ ۔ ۱۱۴

قرآن مجید کی دوسری بہت سی آیات بینات کی طرح اس آیت مبارکہ نے بھی نام نہاد جمہوریت کے گلے پر چھری پھیر دی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ حق و باطل کے معاملہ میں انسانوں کی قلت و کثرت معیار نہیں ہوسکتی بلکہ حق کا معیار دلیل و برہان اور سنت وقرآن ہے کیونکہ ہمیشہ اکثریت عوام کالانعام کی ہوتی ہے جن کے نظریات علمی واستدلالی بنیادوں پر استوار نہیں ہوتے بلکہ زیادہ تر بے بنیاد و خیالات اور ظنون واوہام پر ہوتے ہیں۔ ''اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ'' (سورہ یونس......۳۶،سورہ نجم......۲۸)۔ یہی وجہ ہے کہ تمام قرآن اکثریت کی مذمت سے لبریز نظر آتا ہے اور اولین ہوں یا آخرین ہر جگہ اکثریت کا تذکرہ کافرین، مشرکین، فاسقین، فاجرین، اور ضالین کے روپ میں کیا گیا ہے ارشاد قدرت ہے۔ **ولقد ضل قبلهم اكثر الاولين** یعنی اولین میں سے اکثر گمراہ ہو گئے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے وما اكثر الناس ولوحرصت بمومنین جس قدر چاہو حرص کرو۔ اکثر لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے الغرض مشاہد شاہد ہے کہ کائنات کی اکثریت گمراہی کے راستہ پر گامزن ہے لہٰذا زندگی کے کسی بھی شعبہ میں بالعموم اور دین و مذہب کے معاملہ میں بالخصوص اکثریت سے متاثر ومرعوب ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے کیونکہ کہ

از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

لہٰذا اگر آنکھیں بند کر کے اکثریت کا اتباع کرو گے تو وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے۔ کیونکہ وحی الٰہی اور علوم لدنیہ کے سواء دنیا میں جو کچھ موجود ہے وہ محض ظن اور تخرص ہی ہے۔ ''وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا'' (سورہ نجم آیت......۲۸)، ''وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' (سورہ فصلت آیت...... ۳۳)

جس حلال جانور پر ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جائے اس کا کھانا جائز ہے

۱۱۹۔ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ ...الایۃ۔

جن جانوروں کا کھانا شرعاً حرام ہے ان کا تذکرہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۳ سورہ مائدہ سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۴۵ وسورہ نحل آیت نمبر ۱۱۵ میں کر دیا گیا ہے ان کے علاوہ جو جانور ہیں ان کا کھانا حلال ہے بشرطیکہ ذبح کرتے وقت ان پر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ اور نام لینے والا (ذابح) مسلمان ہو اور ذبح بھی روبقبلہ کرے۔

چونکہ جاہلی دور میں عرب مردار کھاتے تھے اور اپنے ذبیحوں پر اپنے بتوں کے نام لیتے تھے اور ان کی ملمع کی ہوئی دلفریب مگر جھوٹی باتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ مسلمانوں پر زبان اعتراض دراز کرتے ہوئے کہتے تھے کہ جس چیز کو خدا مارے تم اسے حرام جانتے ہو اور جسے تم خود مارو اسے حلال سمجھتے ہو۔ حالانکہ ہر جاندار کا مارنے والا اللہ ہے مگر اس نے حلال وحرام کے کچھ قوانین مقرر کئے ہیں اور انہی قوانین میں سے ایک قانون یہ بھی ہے کہ ذبیحہ پر اللہ کا ذاتی یا کوئی صفاتی نام لیا جائے اس لئے فرمایا جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اس میں سے کھاؤ۔ اگر تم اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو؟ کیونکہ اللہ کی آیات واحکام پر ایمان لانے کا مطلب ہی یہی ہے کہ اس کے حلال کردہ کو حلال اور حرام کردہ کو حرام سمجھا جائے کما لا یخفی نیز یہود، مشرکین اور زمانہ جاہلیت کے عربوں نے بعض حلال جانوروں کو محض رسم ورواج کے طور پر حرام قرار دے رکھا تھا جیسے بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ وغیرہ جن کا تذکرہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۰۳ میں کیا جا چکا ہے لہٰذا خداوند عالم ان کے بالمقابل یہ فرما رہا ہے کہ یہ سب پابندیاں محض غلط ہیں بس جس حلال جانور کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہو تم بلا تردد اسے کھاؤ۔

۱۲۰۔ وَمَا لَكُمْ ...الآیۃ۔

اگر چہ کفار ومشرکین کے اس ایراد میں کہ مسلمان اپنے ہاتھ کے مارے ہوئے حیوان کو حلال اور خدا کے مارے ہوئے کو حرام جانتے ہیں لفظی تک بندی کے سوا کوئی دلیل نہیں تھی۔ مگر حالات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض سادہ لوح مسلمان یہ بات سنکر دھوکہ میں آگئے اور اسلامی ذبیحہ کا کھانا ترک کر دیا اور اسلام اور اس کے احکام کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنے لگے اس آیت میں ایسے ہی لوگوں کو زجر وتوبیخ کی جاری ہے ہر دور میں ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں جو کسی چیز کی اصل حقیقت کو سمجھتے ہیں ورنہ اکثر لوگ تو صرف الفاظ کے گورکھ دھندے میں گم رہتے ہیں اور وہ خیالی باتوں کو اسلئے حقیقی سمجھ لیتے ہیں کہ ان کو خوشنما الفاظ کے غلاف میں لپیٹ کر پیش کیا جاتا ہے۔

ذبیحہ پر خدا کا نام لینے کی حکمت؟

بہر حال انسان کی طرح ہر چیز اور ہر جانور کا خالق اور مالک خدا ہے وہی انہیں پیدا کرتا ہے اور وہی ان کی پرورش کرتا ہے وہ اسی صورت میں ہمارے لئے حلال ہو سکتے ہیں جب انہیں ان کے حقیقی مالک کے حکم کے تحت ذبح کیا جائے تو ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا کوئی لفظی رسم نہیں ہے یہ دراصل جانور کے اوپر خدا کی مالکانہ حیثیت کو تسلیم کرنا اور اس کے عطیہ پر اس کا شکر ادا کرنا ہے ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا اسی اعتراف وتشکر کی ایک علامت ہے۔ اور یہی اعتراف وتشکر وہ قیمت ہے جس کو ادا کرنے سے مالک کے نزدیک اس کا

ایک جانور ہمارے لئے حلال ہوجاتا ہے۔(تذکیرالقران)۔

اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ توہماتی خیالات ہیں جن کا خدا کے ایک فرمانبردار بندے کیلئے چھوڑنا واجب ولازم ہے۔کیونکہ

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزاء ایمان ہوگئیں

مخفی نہ رہے کہ وہ اضطرار مجبوری جس کے تحت حرام جانور کا کھانا جائز ہوجاتا ہے۔اس کی وضاحت سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۳ کی تفسیر میں کی جاچکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ
سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ
عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ
لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ اَوَمَنْ كَانَ
مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى
الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا
فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور(اے لوگو) تمام گناہوں کو چھوڑ دوخواہ علانیہ ہوں اور خواہ خفیہ بے شک جو لوگ گناہ کما (کر) رہے ہیں عنقریب ان کو بدلہ دیا جائے گا اس کا جس کا وہ ارتکاب کرتے ہیں (۱۲۰)اور اس (جانور) کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔کہ یہ (کھانا) فسق

(نافرمانی) ہے اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کو خفیہ اشارے کرتے ہیں (پٹی پڑھاتے ہیں) تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کرلی (ان کا کہنا مانا) تو یقیناً تم مشرک ہوجاؤ گے (۱۲۱) اور کیا وہ شخص جو (پہلے) مردہ تھا پر پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کیلئے ایک نور بنایا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے اور ان سے نکل نہیں سکتا۔ جس طرح مومن کی نگاہ میں ایمان اراستہ کیا گیا ہے اسی طرح کافروں کی نگاہ میں ان کے اعمال آراستہ کردیئے گئے ہیں (۱۲۲) اور (جس طرح ہم نے مکہ کے فاسقوں کو بڑا بنایا) اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرمین کو بڑا سردار بنایا ہے تاکہ وہ ہاں مکروفریب کیا کریں حالانکہ وہ فریب نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ (۱۲۳)

تفسیر الآیات

۱۲۱۔ وَذَرُوْا ظَاهِرَ ...الآیۃ۔

اس میں قدرے اختلاف ہے کہ ظاہری اور باطنی گناہ سے کیا مراد ہے مشہور یہ ہے کہ اس سے مراد وہ گناہ ہیں جو علانیہ یا خفیہ طور پر کئے جائیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے ظاہری گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق انسانی اعضاء و جوارح کے ساتھ ہے۔ اور باطنی گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق انسانی دل و دماغ ہے جیسے شرک وشک وغیرہ۔ (تفسیر قمی و مجمع البیان)

الغرض اسلام ایک ایسا پاک و پاکیزہ معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے جس میں اسلام کے ہر نام لیوا کی جلوت وخلوت یکساں طور پر پاکیزہ ہو اور اس کا ظاہر و باطن ہر قسم کے ظاہری گناہوں کی کثافت اور ہر قسم کی باطنی بدعقیدتیوں کی نجاست سے پاک وصاف ہو۔ الغرض اسلام میں کسی قسم کے گناہ وعصیان کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور وہ گنہگاروں کو صاف وصریح دھمکی دیتا ہے کہ جو لوگ گناہ کا کسب واکتساب کرتے ہیں وہ اپنی اس بری کمائی کا برابدلہ پاکر رہیں گے۔

۱۲۲۔ وَلَا تَاْكُلُوْا ...الآیۃ۔ ۱۲۱

آیت نمبر ۱۱۸ میں اہل ایمان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدا کے حلال کردہ جانوروں کو اپنے غلط توہمات کی بنا

پرحرام قرار نہ دو۔ بلکہ جس جانور پر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہے۔ اسے حلال سمجھ کر کھاؤ۔ اور اس آیت میں ایک دوسرے رخ سے یہ تنبیہ کی جا رہی ہے کہ خدا کے حرام کردہ جانوروں کو حلال سمجھ کر نہ کھاؤ۔ یعنی جس پر ذبح کے وقت عملاً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو خواہ کسی اور کا نام لیا گیا ہو یا نہ؟ وہ حرام ہے اور اس سے اجتناب واجب ہے۔ خداوند عالم نے ایسے جانور کے کھانے کو فسق اور گناہ فرما کر یہ واضح کر دیا ہے کہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا واجب ہے۔

ایضاح

اب اگر کوئی ذابح عمداً (جان بوجھ کر) ذبیحہ پر خدا کا نام نہ لے تو شافعیہ کے سوا باقی تمام اسلامی مکاتب فکر کے فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس جانور کا کھانا حرام ہے اور وہ مردار ہے اور اگر سہواً (بھول کر) نام نہ لے تو اس میں اختلاف ہے شیعہ۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہے اور مالکیہ کے نزدیک حرام (تفسیر کاشف)۔

۱۲۳۔ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ... الآیۃ۔

یہاں شیطان سے کیا مراد ہے؟

یہاں شیطان سے وہ کفر و شرک کے جنی وانسی علماء ورؤسا مراد ہیں جو اپنے چیلوں چانٹوں کو پٹی پڑھاتے ہیں تا کہ وہ لوگوں سے کج بحثی کریں اور اس طرح سادہ لوح لوگوں کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کر کے چاہ ضلالت و گمراہی میں گراتے رہیں۔ چنانچہ بعض اخبار و آثار میں وارد ہے کہ فارس کے مجوسیوں نے مشرکین عرب کو پیغمبر اسلامؐ پر اعتراض کرنے کیلئے جو سوالات سکھائے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ کہ ان سے کہو یہ کیا بات ہے کہ جسے خدا مارے وہ حرام اور جسے تم مارو وہ حلال ہے۔ جیسا کہ اوپر اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اور جناب ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہاں شیاطین سے ابلیس اور اس کے لشکری مراد ہیں جو انسانوں میں سے اپنے ہم نوالہ وہم پیالہ اولیاء کو ایسی باتوں کا القاء کرتے ہیں (مجمع البیان)۔

اس سے ان شیطان صفت لوگوں کی ذہنیت کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کس طرح سادہ لوح عوام کے ذہنوں میں اس قسم کے شکوک وشبہات ڈال کر کس طرح انہیں گمراہ کرنے کی سعی نا فرجام کرتے تھے؟ آیت کے آخر میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ "اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ مستقل بالذات مطاع صرف خداوند عالم ہی ہے لہٰذا اگر اس اطاعت مطلقہ میں کسی کو شریک تسلیم کیا گیا تو یہ اعتقادی طور پر شرک فی الطاعہ ہوگا اور اگر قلبی طور پر تو ان کو ایسا مستقل بالذات مطاع تسلیم نہ کیا مگر مقام عمل میں

خدا کا حکم پس پشت ڈالکران شیاطین کی اطاعت کی گئی تو یہ عملی طور پر شرک فی الطاعہ ہوگا۔ ''اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ'' (سورہ لقمان آیت...... ۱۳)۔

۱۲۴۔ اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا ...الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول

بعض مفسرین نے بروایت ابن عباسؓ یہ بیان کیا ہے کہ یہ آیت جناب حمزہ اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے ایک بار ابوجہل نے حضرت رسول خداؐ کو اذیت پہنچائی۔ جب جناب حمزہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ آئے تو اس وقت ان کے ہاتھ میں کمان تھی وہ اس زور سے ابوجہل کے سر پر ماری جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا۔ اور آپ ایمان بھی لائے۔ اور بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ آیت جناب عمار بن یاسرؓ اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب عمارؓ ایمان لائے اور ابوجہل اس سعادت سے محروم رہا۔ (مجمع البیان)

بہر حال شان نزول جو بھی ہو۔ بموجب **المورد لا یخصص الوارد** اس سے ہر مومن اور ہر کافر مراد ہے اس آیت شریفہ میں خداوند علیم وحکیم نے مومن وکافر میں موازنہ کیا ہے اور یہ موازنہ ایسا ہے جیسے موت وحیات، جہالت اور علم اور نور وظلمت میں ہوتا ہے چنانچہ کافر گویا مردہ ہے۔ اور جب ایمان لاتا ہے تو گویا اب پیدا ہوا ہے، اس کا ایمان نور ہے جس کی روشنی میں وہ چلتا پھرتا ہے اور جو کافر ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہو اور اسے راستہ نہ مل سکے۔ جو کافر ہے وہ جاہل ہے اور جو مومن ہے وہ عالم ہے۔ یہ ایمان کی روشنی ہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ایک بندہ مومن کی ہر نقل وحرکت نمایاں ہوتی ہے۔ اور دیدہ بینار کھنے والے اس سے متاثر ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہوتے ہیں۔

الغرض مومن ہدایت کے راستہ پر خراماں خراماں چل رہے ہیں کیونکہ ان کو یہ راستہ صحیح معلوم ہوا ہے اور کافر گمراہی کے راستہ پر چل رہے ہیں کیونکہ ان کو یہ راستہ بھلا معلوم ہوا ہے۔ سچ ہے۔ **کل حزب بما لدیھم فرحون**۔ مخفی نہ رہے کہ کئی روایات میں زندہ سے معرفت حق رکھنے والا اور نور سے امام برحق اور مردہ سے حق کی معرفت نہ رکھنے والا مراد لیا گیا ہے۔ (تفسیر قمی ونور الثقلین۔)

۱۲۵۔ وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنَا ...الآیۃ۔

خدا کے ہر بستی کے مجرموں کو بڑا (سردار) بنانے کا صحیح مفہوم

خداوند عالم کا یہ فرمانا کے ہم نے ہر بستی کے مجرموں کو بڑا بنایا تا کہ وہ وہاں مکروفریب کریں۔ یہ نسبت

مجازی ہے اور ''لیمکروا'' میں جو لام ہے یہ لام عاقبت ہے جس سے کسی کام کا انجام بیان کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ''وہ پیدا تو ان منصوبہ سازیوں کیلئے نہیں گئے تھے مگر چونکہ نتیجۃً انہوں نے پیدا ہونے کے بعد یہ وطیرہ اختیار کیا اس لئے ان کی پیدائش پر مرتب شدہ نتیجہ کو ان الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ ہم نے یہ مجرم قرار دیئے ہیں کہ جو طرح طرح کے منصوبے بناتے ہیں''(فصل الخطاب)

ظاہر ہے کہ جب بھی کسی آبادی میں کوئی داعی حق کھڑا ہوتا ہے تو وہاں کے سردار محسوس کرتے ہیں کہ اگر اس کی دعوت حق کامیاب ہوگئی تو ان کے ظالمانہ اقتدار و اختیار کا خاتمہ ہو جائے گا اس لئے وہ اس کے خلاف طرح طرح کی مکاریاں کرتے ہیں تا کہ لوگ اس کی دعوت حق کو قبول نہ کریں۔ گویا اس عنوان سے حضرت رسول خداؐ کو تسلی دینا مقصود ہے۔ کہ صرف آپ کے ساتھ ایسا نہیں ہوا کہ مکہ کے بڑے رئیس اور چودھری آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں بلکہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے کہ قانون فطرت کے مطابق مجرمین میں سے بڑے بڑے سردار پیدا ہوتے رہے ہیں اور وہ خدائی رہبروں و راہنماؤں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہے ہیں۔ مگر وہ اپنی بےشعوری کی وجہ سے یہ سمجھ نہیں سکے کہ وہ اپنے جال میں پھنس رہے ہیں اور اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں کیونکہ جو لوگ خود ساختہ چیزوں کو خدا کا دین و مذہب بتا کر عوام کا مرجع بنے ہوتے ہیں وہ ہر ایسی آواز کے دشمن بن جاتے ہیں جو لوگوں کو دین برحق کی طرف دعوت دے یہ وقت کے بڑے لوگ اس دعوت حق میں اور خود داعی میں ایسے شوشے نکالتے ہیں جس سے وہ عوام کو اس سے متاثر ہونے سے روک سکیں اور وہ داعی کی ذات پر بےبنیاد الزامات لگا کر اسے خوب بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ لوگوں کو اس سے دور کر سکیں مگر ان کی اس قسم کی کوششیں خود ان کے جرم میں اضافہ کرتی ہیں مگر وہ دعوت و داعی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ زود یا بدیر حقیقت پوری آب و تاب کے ساتھ کھل کر عوام کے سامنے آجاتی ہے اور آخری فتح حق اور اہل حق کی ہوتی ہے۔ والحمد للہ۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ مترجمین و مفسرین کو اس آیت کا ترجمہ و تفسیر کرنے میں خاصی دقت پیش آئی ہے جس کی وجہ سے ایک سے دوسرے کا ترجمہ نہیں ملتا۔ اور اس کی وجہ اس آیت کی محوری ترکیب میں پیچیدگی ہے اور اسے سمجھ لینے کے بعد کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ سو فعل جلعنا متعدی بدو مفعول ہے۔ جس کا پہلا مفعول **مجرمیھا** ہے اور دوسرا اکابر۔ بعد ازیں مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے اور قصور واروں کو سردار بنانے کی حکمت واضح ہے تا کہ عام لوگوں کا امتحان قدرے سخت ہو جائے کیونکہ عوام بالعموم اپنے بڑوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں

۔لہٰذا ان کی اطاعت چھوڑ کر خدا کے ان نمائندوں کی اتباع کرنا جو بظاہر دنیاوی اقتدار سے محروم ہوتے ہیں۔ کوئی معمولی کام نہیں ہے بلکہ اس کیلئے بہت بڑی توفیق الٰہی اور جرأت ایمانی درکار ہے۔

آیات القرآن

وَإِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ
اللّٰهِ ۘؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا
صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ
اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ
صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ
الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ
فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ
وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب ان کے پاس کوئی معجزہ آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم کو بھی وہی نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے (اس کا اہل کون ہے؟) عنقریب مجرموں کو اللہ کے یہاں ذلت نصیب ہوگی اور سخت عذاب بھی ہوگا ان کی ان مکاریوں کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے (۱۲۴) پس جب اللہ کسی کو ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے سینہ کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑ نا چاہتا ہے تو اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے جیسے کہ وہ زبردستی آسمان پر چڑھ رہا ہے (اس کی طرف اونچا ہو رہا ہے) اسی طرح اللہ ان لوگوں پر کثافت مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے (۱۲۵) یہ تمہارے پروردگار کا

سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت قبول کرنے والوں کیلئے آیتوں کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔(۱۲۶) ان کیلئے سلامتی کا گھر ہے ان کے پروردگار کے ہاں اور ان کے اچھے اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں اللہ ان کا سرپرست ہے۔(۱۲۷)

تفسیر الآیات

۱۲۵۔ وَاِذَا جَآئَتْهُمْ ...الآية۔

اس آیت کی شان نزول

ایک روایت کے مطابق یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا گر نبوت برحق ہوتی تو میں اس کا زیادہ مستحق تھا اس لئے کہ میں سن وسال میں اور مال ومنال میں بھی آپ سے بڑا ہوں اور بروایتے ابوجہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی جس نے کہا تھا کہ ہم نے مجد وشرف میں ڈٹ کر بنی ہاشم کا مقابلہ کیا ہے۔ مگر اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں نبی مبعوث ہوا ہے جس کی طرف وحی آتی ہے۔ ہم ہرگز ان پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہماری طرف بھی اسی طرح وحی نہ آئے جس طرح ان کے پاس آتی ہے۔(مجمع البیان)

ان کا مقصد یہ تھا کہ خدا ہمیں نبی کیوں نہیں بناتا اور وہ سب کچھ ہمیں کیوں عطا نہیں کرتا جو وہ نبیوں کو عطا کرتا رہتا ہے۔

معیار نبوت کیا ہے؟

اس کے جواب میں خداوند عالم فرماتا ہے کہ نبوت ہر شخص کو نہیں مل سکتی یہ ایک عطیہ الٰہی ہے اور ہدیہ ربانیہ اور اس کیلئے نبی بننے والے کا نفس قدسیہ کا مالک ہونا اور کچھ ایسے صفات جلیلہ وجمیلہ کا حامل ہونا اور ان سے متصف ہونا ضروری ہے۔ جنہیں کما حقہ صرف خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کس میں پائے جاتے ہیں اور کون اس عہدہ جلیلہ کا مستحق ہے؟ اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبوت کبرسنی سے نہیں ملتی بلکہ عقل وخرد سے ملتی ہے کیونکہ بزرگی بعقل است نہ بسال، وہ مال ومنال کی کثرت سے بھی نہیں ملتی بلکہ دل ودماغ کے وفور اور علم وعمل کی کثرت سے ملتی ہے کیونکہ تونگری بدل است نہ بمال۔ وہ ذاتی کردار اور اخلاق واطوار کی بلندی سے ملتی ہے نہ کہ صرف خاندانی وجاہت وبلندی سے کیونکہ کسی انسان کی عظمت کا راز اس کے حسب اور ذاتی کردار میں پنہاں ہے نہ کہ نسب اور اس کی رفتار میں۔

کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء کی رفعت و بلندی مقام ان کی نبوت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کی نبوت و رسالت ان کے اوصاف و کمالات کا نتیجہ ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ بتقاضائے حکمت و مصلحت اس منصب کے عطا کرنے کا اعلان مقدم ہو اور عالم دنیا میں ان صفات و کمالات کا ظہور متؤخر۔ بہرحال اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ نبوت ہو یا امامت یہ ایک عطیہ الہٰیہ اور موہبت ربانیہ ہے جس میں بندہ کے کسب و اکتساب اور مجاہدہ و ریاضت کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ ''ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ'' (سورہ حدید آیت......۲۱)۔ اور یہ کہ ''اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسٰلَتَهٗ'' اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنا منصب رسالت کہاں رکھے اور یہ عہدۂ جلیلہ کہاں قرار دے؟ ہاں یہ ضروری ہے کہ خدا جسے اس منصب جلیل پر فائز کرنا چاہتا ہے اس میں پیدائشی طور پر ایسے خصائص و اوصاف ودیعت کر دیتا ہے جن سے اس میں نبوت و رسالت اور وصایت و امامت کی صلاحیت موجود ہوتی ہے باقی فعلیت اور اس منصب پر فائز ہونے کا اعلان کرنا کرانا تو یہ اس کی صوابدید پر منحصر ہے کہ گہوارے میں کرا دے یا پانچ سال کی عمر میں کرائے یا چالیس سال کے بعد۔

فی المھد ینطق عن سعادۃ جدہ

اثر النجابۃ ساطع البرھان

آیت کے آخر میں جو وارد ہے کہ مجرموں کیلئے ذلت اور سخت عذاب ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ذلت ان کے تکبر کا اور عذاب ان کے مکر و فریب کرنے کا نتیجہ اور اس کا وضعی اثر ہے جو کسی چیز سے جدا نہیں ہوتا۔

فخر رازی کے غلط استدلال کا ابطال

۱۲۷۔ فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ...الآیۃ۔ ۱۲۵

فاضل رازی چونکہ برادران اسلامی کے اشعری مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ خیر و شر اور ضلالت و ہدایت کا مصدر و ماخذ خدا کی ذات کو قرار دیتے ہیں اس لئے ان کی عادت ہے کہ وہ کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ جب بھی کسی متشابہ آیت سے جبر کا ذرا سا بھی وہم ہوتا ہے وہ جھٹ سے اس سے اپنے مسلک پر استدلال کرنے لگتے ہیں چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں بھی لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ضلالت و ہدایت اللہ کی طرف سے ہے یعنی گمراہ بھی اللہ کرتا ہے اور ہدایت بھی اللہ کرتا ہے (تفسیر کبیر)

مگر اس فاضل نے آنکھوں پر مسلکی تعصب کی پٹی باندھ لینے کی بنا پر اتنا نہ سوچا کہ اگر گمراہی اور ہدایت اللہ کی طرف سے ہے اور بندہ مجبور محض ہے تو پھر تو شرعی تکلیف اور اس کی وجہ سے جزا و سزا ہی ختم ہو جائیگی کیونکہ اللہ کی شان اس سے بہت اجل وارفع ہے کہ کوئی برا کام خود کرے اور پھر محاسبہ دوسرے کا کرے اور سزا دوسرے کو دے جبکہ وہ خود فرماتا ہے کہ **لا تزر وازرۃ وزر اخری** (کسی کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا) در اصل بات یہ ہے کہ خداوند علیم وحکیم نے اس آیت میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں کیا کہ ضلالت وھدایت کس کیطرف سے ہے بلکہ صرف ایک حقیقت واقعہ بیان کی ہے کہ لوگ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو بآسانی اور کشادہ دلی سے ہدایت قبول کر لیتے ہیں اور دوسرے وہ جن کو ہدایت کے حصول میں تنگ دلی محسوس ہوتی ہے۔ یہ الفاظ جو ہیں کہ ''اللہ جس کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے''۔

''اللہ جس کی گمراہی کا ارادہ کرتا ہے''۔ یہ نسبت مجازی ہے اور یہاں سب مجاز کارفرما ہے سابقہ بیانات میں کئی مقامات پر اس بات کی وضاحت کی جاچکی ہے۔ کہ اللہ کا یہ ارادہ انسان کی اپنی ذاتی روش ورفتار اور اس کے کردار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یعنی جو لوگ کد وکاوش اور جدوجہد کر کے ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ خداوند عالم اپنی توفیق ان کے شامل حال کر دیتا ہے۔ جسے یہاں شرح صدر سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ بڑی آسانی سے راہ ہدایت پر جادہ پیما ہو جاتے ہیں اور جو لوگ اپنی ذاتی کج روی اور ناہنجاری کی وجہ سے ہدایت حاصل ہی نہیں کرنا چاہتے پھر اللہ بھی ان سے اپنی توفیق سلب کر لیتا ہے جس کی وجہ سے ان کو اس راستہ پر چلنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔ جسے یہاں تنگی سینہ سے اور آسمان پر چڑھنے سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی ان کو حق کا قبول کرنا بہت ہی شاق گذرتا ہے۔ بہرحال یہ مسئلہ عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے کہ انسان فاعل مختار ہے اور وہ اپنے اچھے یا برے اعمال وافعال کا خود ذمہ دار ہے۔

الغرض حق اپنی ذات میں اسقدر واضح ہوتا ہے کہ اس کا سمجھنا کسی آدمی کیلئے مشکل ہی نہیں ہوتا۔ مگر اس کے باوجود کچھ لوگ حق کو قبول نہیں کرتے تو اس کا سبب کچھ نفسیاتی، سیاسی اور معاشی رکاوٹیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں۔ ع

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

اس بات کی وضاحت کہ اللہ کن کو ہدایت کرتا ہے اور کن کو گمراہی میں چھوڑتا ہے؟

۱۔ ارشاد قدرت ہے ''فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ''(سورہ زمر آیت...... ۱۷، ۱۸)۔ (اے رسول) میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دو۔ جو (کسی کہنے والے کی) بات کو توجہ سے سنتے ہیں اور پھر عمدہ بات کی پیروی کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو خدا ہدایت دیتا ہے اور یہی لوگ عقلمند ہیں۔

۲۔ ''وَ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا''(سورہ عنکبوت آیت...... ۶۹)۔ جو لوگ ہماری راہ میں (تلاش حق میں) جدوجہد کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (صحیح) راستوں کی ہدایت کردیتے ہیں۔

۳۔ نیز فرماتا ہے۔ ''وَ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ''(سورہ محمد آیت...... ۱۷) جو لوگ ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا کرتا ہے۔

۴۔ نیز ایک جگہ فرماتا ہے۔ ''وَ يَزِيْدُ اللهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى'' (سورہ مریم آیت...... ۷۶) مطلب وہی ہے۔

۵۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے۔ ''رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا'' (سورہ آل عمران آیت...... ۱۹۳) اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک منادی کو ندا دیتے ہوئے سنا جو ندا دے رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ۔ سو ہم ایمان لائے ہیں۔ علامہ طبرسیؒ فرماتے ہیں کہ روایت صحیحہ میں وارد ہے کہ:

''جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسول خداؐ سے دریافت کیا گیا کہ شرح صدر کیا ہے؟ فرمایا: نور یقذف اللہ فی قلب المومن (وہ ایک نور ہے جسے خدا بندہ مومن کے دل میں ڈال دیتا ہے جس سے اس کا دل کشادہ ہو جاتا ہے)۔

عرض کیا گیا کہ آیا اس کی کوئی علامت نہیں ہے؟

فرمایا: ہاں! وہ یہ ہے کہ الانابۃ الی دار الخلود. والتجافی عن دار الغرور والاستعداد للموت قبل نزول الموت'(مجمع البیان)

ہیشگی والے گھر کی طرف توجہ، دھوکہ والے گھر سے گریز اور موت کے آنے سے پہلے اس کیلئے تیاری
ان آیات سے روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان خوش نصیب لوگوں کو ہدایت کی دولت عطا فرماتا ہے جو خلوص نیت اور صدق دل سے اس کے متلاشی اور طلبگار ہوتے ہیں وہ ایسے لوگوں کو راہ راست کی راہنمائی سے ہرگز محروم و مایوس نہیں کرتا۔ اور جو بدقسمت ہدایت حاصل کرنا ہی نہیں چاہتے اور نہ حق و ہدایت کی جستجو کرتے ہیں خدا بھی ایسے مورکھوں کو زبردستی ہدایت کے راستہ پر نہیں لگاتا۔

۱۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ ''مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَ هُمْ یَلْعَبُوْنَ '' (سورہ انبیاء آیت...... ۲) جب ان کے پاس خدا کا کوئی نیا حکم آتا ہے تو وہ اسے سن تو لیتے ہیں مگر اس کا ہنسی کھیل اڑاتے ہیں۔

۲۔ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ ''فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ'' (سورہ زمر آیت...... ۲۲) افسوس ہے ان لوگوں پر جن کے دل یاد خدا سے غافل ہو کر سخت ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اب ان کی حالت یہ ہے کہ ان میں حق و ہدایت کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔

۳۔ ارشاد قدرت ہے۔ ''وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ'' (سورہ انفال آیت...... ۲۳) اگر اللہ ان میں نیکی کی کوئی (خوبو) دیکھتا تو ضرور ان کو سناتا۔ (مگر وہ ایسے بدطینت ہیں کہ) اگر وہ ایسا کرتا تو یہ اس سے منہ پھیر کر بھاگ جاتے۔ ع

سزائے ایں چنیں دو ناں بجز دوزخ کجا باشد؟

اس لئے ایسے لوگوں پر خدا عنایت کی نظر نہیں کرتا۔ جس کا نتیجہ گمراہی اور اس کا نتیجہ عذاب کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اس لئے آخر میں فرماتا ہے۔ کذلك یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یومنون۔ اسی طرح خدا ان لوگوں کیلئے عذاب قرار دیتا ہے۔ جو ایمان نہیں لاتے۔ اور ان پر انجام کار ایسی پھٹکار پڑ جاتی ہے۔ کہ حق بات ان کے دل و دماغ میں داخل ہی نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی ان پر حق کا کوئی اثر ہوتا ہے۔

۱۲۸۔ وَهٰذَا صِرَاطُ... الآیة۔

صراط مستقیم سے مراد دین اسلام ہے جو دین قرآن بھی ہے اور دین رحمان بھی یہی وہ دین ہے جس میں کسی قسم کی کوئی کجی اور کمی نہیں ہے جیسا کہ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ ارشاد قدرت ہے ''قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ''۔ ہم نے اسلام اور قرآن کی صحت و صداقت پر تفصیلی دلائل و براہین پیش کر دیئے ہیں مگر ان سے استفادہ وہی خوش قسمت لوگ کریں گے جو اس پر غور و فکر کر کے پہلے اسے سمجھیں گے اور پھر اس کے

مطابق عمل درآمد کریں گے اور انہی کیلئے اپنے پروردگار کے ہاں دارالسلام (جنت الفردوس ہے اور وہی ان کا ولی وسرپرست ہے۔ کیونکہ ارباب علم ودانش کیلئے یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ خدا کے یہاں جو کچھ قدر وقیمت ہے وہ ایمان کے بعد عمل کی ہے کسی اور چیز کی نہیں ہے لہٰذا جو شخص عملی طور پر خدا کی فرمانبرداری کرے گا۔ وہی اس قابل ٹھہرے گا کہ خدا اس کی دستگیری کرے اور اسے دارالسلام تک پہنچائے جہاں آدمی ہر دکھ درد اور ہر تکلیف وآفت سے محفوظ رہ کر ابدی زندگی گذارے گا۔

آیات القرآن

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ
الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا
بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ
نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ
وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ
وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا
وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا
كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰي بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا
غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور (وہ دن یاد کرو) جس دن وہ (اللہ) سب (جن وانس) کو محشر میں جمع کرے گا (اور جنات سے خطاب کر کے فرمائے گا) کہ اے گروہ جن! تم نے بہت انسانوں کو گمراہ کیا (اس

وقت) وہ آدمی جو ان (جنات) کے دوست و رفیق ہوں گے کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم سب نے ایک دوسرے سے خوب فائدہ اٹھایا اور اب ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے ہیں جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔ اللہ فرمائے گا اب تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں تم ہمیشہ رہو گے۔ سوائے اس کے جسے اللہ (بچانا) چاہے گا۔ بے شک تمہارا پروردگار حکیم و علیم ہے (بڑی حکمت اور بڑے علم والا ہے) (۱۲۸) اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو ان کے اعمال (کرتوتوں) کی وجہ سے بعض کا سرپرست بناتے ہیں (یا ایک دوسرے پر مسلط کرتے ہیں) (۱۲۹) اے گروہ جن وانس! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے (میرے) کچھ رسول نہیں آئے تھے جو تمہیں میری آیتیں سناتے تھے۔ اور تمہیں اس دن کی پیشی سے ڈراتے تھے؟ وہ جواب میں کہیں گے کہ ہم اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں ان کو دنیوی زندگی نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا تھا اور اب وہ اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ بیشک کافر تھے (۱۳۰) یہ (رسولوں کا بھیجنا) اس لئے ہے کہ تمہارا پروردگار بستیوں کو ظلم و جور سے ہلاک نہیں کرتا جبکہ ان کے رہنے والے بے خبر ہوں۔ (۱۳۱)

تفسیر الآیات

۱۲۹۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ... الآية۔

خدا کس طرح شیاطین جنی سے کلام کرتا ہے

اس دن کو یاد کرو جب خداوند عالم جنات سے فرمائے گا۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ کہ باتفاق مفسرین اسلام یہاں شیاطین سے مراد جنی شیاطین ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں مگر قابل غور بات یہ ہے کہ یہ خطاب کس طرح ہوگا؟ اس میں دو احتمال ہیں۔

۱۔ خدا کوئی آواز خلق کرے گا جسے وہ سنیں گے۔

۲۔ فرشتے ان سے کلام کریں گے اور اس طرح خدا نے فرشتوں کے کلام کو اپنا کلام قرار دیا ہے۔

۱۳۰۔ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ... الآية۔ ۱۲۸

جنی شیطانوں کے دوست یعنی ان کے مطیع و فرمانبردار انسان کہیں گے کہ پروردگار ہم نے ایک

دوسرے سے فائدہ اٹھایا۔ اور اپنی مقررہ میعاد (موت یا قیامت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔

جنوں کے انسانوں سے اور انسانوں کے جنوں سے فائدہ اٹھانے کی وضاحت

جنوں نے تو انسانوں سے وہ فائدہ اٹھایا جو ایک رئیس اپنے رعایا سے اور حاکم اپنے محکوموں سے اٹھاتا ہے کہ وہ ان کو گمراہ اور بدراہ کرتے رہے اور یہ ہوتے رہے اور ان کے دام ہم رنگ زمین میں گرفتار ہوتے رہے اور انسانوں نے جنوں سے دو طرح فائدہ اٹھایا ایک تو یہ کہ انہوں نے ان سے مختلف گناہوں سے لطف اندوز ہونے کے طور طریقے سیکھے اور دوسرے بعض سفلی عمل کر کے جنوں کو تابع کیا اور بعض ناجائز کاموں میں ان سے مدد حاصل کی اس طرح اپنی موت اور آخرت کو بھول گئے اور ساری زندگی غفلت و عصیاں کاری میں گذار دی۔

۱۳۱۔ قَالَ النَّارُ... الآیۃ۔

غفلت شعاری اور عصیاں کاری کا انجام اس استثناء کا کیا مطلب ہے؟

اسلامی عقائد کے مطابق کافر، مشرک اور منافق یعنی وہ لوگ جن کا عقیدہ فاسد ہوگا وہ تو بلاشبہ ابدالآباد تک دوزخ میں رہیں گے تو پھر یہ استثناء کیسا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گنہگار مخلد فی النار نہیں ہوں گے بلکہ وہ اپنے برے اعمال کی سزا بھگت کر انجام کار خدا کے فضل و کرم سے جہنم سے نکل جائیں گے (مجمع البیان) بنابریں اس طرح لفظ ''ما مجاز امن'' کے معنی میں استعمال ہوئی ہے۔ کما لا یخفیٰ۔

۱۳۲۔ وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّيْ... الآیۃ۔

اس آیت کا مفہوم

اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ خدا ظالموں کا سرپرست نہیں ہے۔ قبل ازیں آیت نمبر ۱۲۸ میں گذر چکا ہے کہ اہل ایمان کا سرپرست اور ولی خدا ہے اور یہاں یہ فرما رہا ہے کہ بعض ظالم دوسرے ظالموں کے ولی ہیں یعنی اللہ کی ولایت اور سرپرستی سے خارج ہیں کیونکہ وہ دار دنیا میں کفر و ظلم میں باہم شریک تھے اور قیامت کے دن عذاب و عقاب میں بھی باہم شریک ہوں گے دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر ظالم اپنے ظلم و جور سے باز نہ آئے تو ہم ان پر اور ظالم مسلط کر دیں گے چنانچہ اس طرح ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

''ان اللہ اذا رضی عن قوم ولی امرھم خیارھم و اذا سخط علی قوم ولی امرھم شرارھم بما کانوا یکسبون'' جب خدا کسی قوم سے خوش ہوتا ہے تو ان کے اچھے لوگوں کو ان کا حاکم بنا دیتا

ہے اور جب کسی قوم پر ناراض ہوتا ہے تو ان کے برے لوگوں کو ان کا حاکم بنا دیتا ہے۔(مجمع البیان)۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔''اِنَّ اللہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ ''(سورہ رعد آیت......۱۱) یعنی ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

۱۳۳۔ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ...الآیۃ۔

ایک اشکال کا جواب

اس آیت مبارکہ میں جنوں اور انسانوں کے دونوں گروہوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ اے گروہ جن وانس کیا تم میں سے تمہارے پاس پیغمبر نہیں آئے تو اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جس طرح انسانوں کی طرف انسان نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں اسی طرح جنوں کی طرف جنات رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جبکہ مشہور یہ ہے کہ جنات میں سے کوئی رسول جنوں کی طرف نہیں بھیجا گیا۔تو اس کا جواب عام مفسرین نے یہ دیا ہے کہ یہاں جن و انس کے مجموعہ کو خطاب ہے اور پھر انسانوں کو جنوں پر غلبہ دیتے ہوئے تم میں سے تمہارے پاس رسول نہیں آئے کہا گیا ہے۔ جیسے''مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ''(سورہ رحمٰن آیت......۱۹)،''یَخْرُجُ مِنْھُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ''(سورہ رحمٰن......۱۲) میں کہا گیا ہے۔ کہ کھاری اور میٹھے پانی سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں۔حالانکہ موتی صرف کھارے پانی سے نکلتے ہیں۔ یہاں پر بھی قاعدہ تغلیب کارفرما ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض اخبار وآثار سے واضح وآشکار ہوتا ہے کہ قوم جن میں سے بھی خداوند کریم نے جناب یوسف نامی ایک نبی بھیجا تھا۔ جسے جنوں نے شہید کر دیا بعد ازاں خدا نے یہ سلسلہ قطع کر دیا۔(عیون الاخبار)۔

بنابرایں یہ کہنا صحیح ہے کہ خدا نے جنوں اور انسانوں میں سے رسول بھیجے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ۔ بلاواسطہ بے شک نبی ورسول ہمیشہ انسانوں میں آئے ہیں مگر جنوں نے انسانی رسول کا کلام و پیغام اپنی قوم وقبیلہ تک پہنچانے میں پیغمبر والا کام کیا ہے جیسا کہ سورہ جن میں ارشاد قدرت ہے۔''اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ''(سورہ جن آیت......۱،۲) جنوں کے ایک گروہ نے توجہ سے قرآن سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو

ہم اس پر ایمان لے آئے۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے۔''وَلَّوۡا اِلٰی قَوۡمِهِمۡ مُّنۡذِرِيۡنَ''(سورہ احقاف آیت......۲۹)وہ ڈرانے والے بنکر اپنی قوم کی طرف لوٹے لہٰذا مجازی طور پر ان کو بھی رسول کہہ دیا گیا۔

۱۳۴۔ قَالُوۡا شَهِدۡنَا... الآیۃ۔

کافر جن وانس کا اپنے کفر کا اقرار کرنا

قرآن کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کفار ومشرکین اپنے کفر وشرک کا انکار کرتے ہوئے صاف کہہ دیں گے''وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشۡرِكِيۡنَ''(سورہ انعام آیت......۲۳)۔ہمیں اللہ پروردگار کی قسم کہ ہم مشرک نہ تھے۔مگر اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کھل کر اپنے کفر کا اعتراف کریں گے جیسا کہ اس آیت کے آخر میں ہے۔''وَ شَهِدُوۡا عَلٰۤى اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ''اور وہ اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کافر تھے۔ان دو باتوں میں دراصل کوئی منافات نہیں ہے۔کیونکہ قیامت کا دن بہت طویل وعریض ہوگا اور اس میں متعدد مواقف ہوں گے۔لہٰذا یہ لوگ بدحواسی میں کہیں انکار کریں گے اور کہیں اقرار کریں گے کہ تو نے رسول پر رسول بھیج کر حجت تمام کر دی مگر قصور ہمارا تھا کہ ہم ان پر ایمان نہ لائے اور ان کا حکم نہ مانا۔

۱۳۵۔ ذٰلِكَ اَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ... الآیۃ۔

دستور خداوندی یہ ہے کہ وہ کسی قوم وقبیلہ پر اپنے احکام پہنچائے بغیر یعنی حجت تمام کئے بغیر ہرگز عذاب نازل نہیں کرتا۔کیونکہ ایسا کرنا اس کے قانون عدل کے خلاف ہے اصول فقہ کے اصول عملیہ میں سے اسی کا نام اصل برائتہ ہے اور اسی کو تکلیف بلا بیان قبیح ہے کہا جاتا ہے اور علم کلام میں اتمام حجت والی دلیل سے نبی کے تقرر کا لزوم ثابت کیا جاتا ہے۔کیونکہ اس کے بغیر بندوں پر خدا کی حجت تمام نہیں ہوتی۔اور خدا بندوں کو یہ موقع نہیں دینا چاہتا کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ تو نے کوئی ہادی برحق بھیج کر ہماری صحیح رہنمائی کیوں نہیں کی۔اس عذر کو قطع کرنے کیلئے خدائے علیم وحکیم نے انبیاء ومرسلین بھیجے اور ان پر کتابیں نازل کیں''لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ''(سورہ نساء آیت......۱۶۵)۔تاکہ رسولوں کے آجانے کے بعد بندوں کیلئے خدا کے مقابلہ میں احتجاج کرنے کا کوئی موقع باقی نہ رہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ انسانوں کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جہاں خدا کے پیغمبر پیدا نہ ہوئے ہوں یا نہ گئے ہوں۔اور انہوں نے لوگوں کو راہ حق نہ

دکھائی ہو۔خدا کا یہ قانون ہے کہ وہ کسی قوم اور ملک کو ہدایت وحی سے محروم کر کے اس کا مواخذہ نہیں کرتا۔

آیات القرآن

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ
الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا
يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ
وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ
فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا
فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا
يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا
يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہر ایک کیلئے اس کے عمل کے مطابق درجے ہیں۔ اور جو کچھ لوگ کرتے رہتے ہیں آپ کا پروردگار اس سے غافل نہیں ہے۔(۱۳۲) آپ کا پروردگار۔ بے نیاز ہے، رحمت والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور تمہاری جگہ تمہارے بعد جن کو چاہے لے آئے جس طرح اس نے تمہیں پیدا کیا اور لوگوں کی نسل سے (۱۳۳) بے شک جو کچھ تم سے وعدہ وعید کیا گیا ہے وہ بے شک آ کر رہے گا۔ اور تم (خدا کو) عاجز نہیں کر سکتے۔(۱۳۴) (اے رسول) کہہ دیجئے! اے میری قوم تم اپنے مرتبہ و مقام کے مطابق عمل کرتے ہو میں بھی اپنے مرتبہ کے مطابق عمل کر رہا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ انجام کار کس کے حق میں بہتر ہے جو ظالم ہیں وہ

فلاح نہیں پائیں گے۔(۱۳۵)ان لوگوں نے اللہ کیلئے اسی کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں ایک حصہ مقرر کر رکھا ہے اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ حصہ اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شریکوں (دیوتاؤں) کا ہے۔ جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کا ہے وہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا ہے یہ لوگ کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔(۱۳۶)

تفسیر الآیات

۱۳۶۔ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ ...الآیة۔

درجات کی بلندی کا دارومدار اعمال پر ہے

اللہ چونکہ عادل ہے۔ اس لئے اوّلاً وہ کسی عامل کے عمل کو ضائع نہیں کرتا لہٰذا وہ نیکی پر جزا اور سزا بدی پر بھی عمل کی کیفیت وکمیت کے مطابق دیتا ہے۔ لہٰذا جنت کے درجات کی بلندی ہو یا جہنم کے درکات کی پستی سب کا دارومدار انسانی اعمال وکردار پر ہے اور اعمال کی صحت وقبولیت کا انحصار ایمان پر ہے اور ایمان کی پختگی کا معیار عمل ورفتار کی عمدگی پر ہے۔ جس کے بغیر ایمان کا تصور بھی ممکن نہیں ہے لہٰذا ہر فرد اور ہر گروہ کیلئے اس کے اعمال کے مطابق مختلف درجے ہیں۔ لہٰذا اگر اچھے اعمال ہیں تو اچھائی کے درجے ہیں اور اگر برے اعمال ہیں تو برائی کے درجے ہیں اور انہی کے مطابق نتائج وآثار مرتب ہوتے ہیں۔

۱۳۷۔ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ...الآیة۔

اللہ غنی ہے مگر رحمت والا ہے

اللہ نے ہماری ہدایت اور اپنی اطاعت کیلئے رسولوں پر رسول بھیجے، کتابوں پر کتابیں نازل کیں۔ اماموں پر امام مقرر کئے بلا مانگے نعمت وجود عطا فرمائی اور ہماری تمام ضروریات زندگی کا انتظام فرمایا اور ہمارے تمام امور معاش ومعاد کا اہتمام فرمایا۔ تو اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان تھا کہ شاید اللہ کی اس تمام کارروائی سے کوئی ذاتی غرض وابستہ ہے یا اس کی کبریائی وبڑائی کا ہماری عبادت واطاعت پر دارومدار ہے۔ تو اس غلط فہمی کو دور کرنے کی غرض سے فرمایا کہ اللہ غنی مطلق اور بے نیاز ہے تمام کائنات اس کی عبادت واطاعت کرنے لگ جائے تو سر مو کے برابر اس کی کبریائی وبڑائی میں اضافہ نہیں ہوسکتا۔ اور اگر تمام جہان اس کی نافرمانی اور عصیاں

کاری پر ایکا کرلے تو اس کی عظمت وجلالت میں پر پشہ کے برابر کمی واقع نہیں ہوسکتی۔ حقیقی عارفان حق سرکار محمد آل محمد علیہم السلام نے اس کا تعارف ان الفاظ کے ساتھ کرایا ہے:

''لا تنفعه طاعة المطيعين ولا تضره معصية العاصين''۔ اطاعت گذاروں کی اطاعت اسے کوئی نفع وفائدہ نہیں پہنچاتی اور نافرمانوں کی عصیاں کاری اسے کوئی ضرور زیاں نہیں پہنچاتی۔

تو پھر یہ سب کچھ کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ **ذوالرحمه** (رحمت والا) وہ اپنی رحمت ورافت کی بنا پر سب کچھ کر رہا ہے تاکہ تمہیں جاگیر جنت عطا فرمائے اور جہنم کے عذاب سے بچائے اور تمہیں ہر قسم کے آرام واطمینان کی دولت وسعادت سے مالا مال فرمائے۔ ورنہ وہ ایسا غنی مطلق اور قادر مطلق ہے کہ اگر چاہے تو چشم زدن میں تم سب کو دنیا سے اٹھالے اور تمہیں حرف غلط کی طرح مٹادے اور تمہاری جگہ جس مخلوق کو چاہے دیدے اور اسے تمہارا قائم مقام بنادے جس طرح اس نے تمہیں اور لوگوں کی نسل سے پیدا فرمایا ہے اس طرح وہ تمہاری نسل سے اور لوگوں کو بھی پیدا کر سکتا ہے۔''وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ''(سورہ فاطر آیت......۱۷)۔

۱۳۸۔ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ...الآية۔

عربی زبان میں کسی اچھے کام کے کرنے کی جزا دینے کیلئے وعدہ اور کسی برے کام کے کرنے پر سزا کیلئے وعید کا لفظ استعمال ہوتا ہے یہاں ''**توعدون**'' وعدہ اور وعید دونوں سے ہوسکتا ہے۔ یعنی اللہ نے تم سے قیامت، اس کے حساب وکتاب اور جنت وجہنم اور جس ثواب وعقاب کا وعدہ یا وعید کی ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم اللہ کو عاجز کردو کہ کہیں اس طرح بھاگ جاؤ کہ اس کے قبضہ میں نہ آؤ۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے وہ تمہیں وہاں سے ڈھونڈ نکالے گا اور پھر تمہیں ضرور جزا یا سزا دے گا۔

۱۳۹۔ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا ...الآية۔

اللہ کے نیک بندوں کا انجام اچھا ہے

مکانة کے مختلف معنی ہیں۔ جیسے مرتبہ، بلندی، شان، سنجیدگی، منزلت اور طریقہ وغیرہ۔ خداوند عالم اپنے پیغمبر اکرمؐ کی زبانی کفار ومشرکین کو وعید وتہدید فرما رہا ہے کہ اگر تم نے اسلام قبول نہ کرنے اور اپنے کفر وشرک پر ڈٹے رہنے کا فیصلہ ہی کرلیا ہے۔ تو پھر بے شک تم اپنے طریقہ پر ثابت رہو۔ میں اپنے طریقہ پر قائم ہوں عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ دنیا وآخرت کے گھر کا انجام کس کا اچھا ہے؟ مفسرین میں قدرے

اختلاف ہے کہ یہاں دار سے مراد دار دنیا ہے یا دار آخرت؟ بعض نے اس سے دار دنیا کا انجام مراد لیا ہے اور بعض نے دار اخرت کا انجام؟؟

بہر حال یہ حقیقت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا تر ہے کہ دنیا ہو یا اخرت انجام کار کامیابی وکامرانی اللہ کے نیک بندوں کا مقدر ہوتی ہے۔ ارشاد قدرت ہے: ''اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ''۔ ہم اپنے رسولوں کی اور اہل ایمان کی اس دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن (قیامت کے دن) بھی کریں گے جس دن گواہ (گوہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے۔ (سورہ مومن آیت......۵۱) اور ظالم کبھی فوز وفلاح نہیں پا سکتے۔

۱۴۰۔ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ...الآیۃ۔

عرب جاہلیت کی بعض غلط رسموں رواجوں کا تذکرہ

ان آیات میں خدائے علیم وحکیم نے جاہلیت کے دور میں عربوں کی بعض غلط رسموں اور رواجوں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ منجملہ ان کے ایک غلط رسم یہ تھی کہ وہ اللہ کے پیدا کردہ کھیتوں اور اللہ کے پیدا کئے ہوئے مویشیوں میں سے ایک حصہ (اللہ کے نام کی نیاز کا نکالتے اور ایک حصہ بتوں کی نیاز کا نکالتے اور جو حصہ اللہ کا ہوتا وہ مہمانوں اور غریبوں اور مسکینوں پر صرف کرتے اور جو حصہ بتوں کا ہوتا اسے پجاریوں اور بتوں کے نگہبانوں پر خرچ کرتے اور بھلا یہی ظلم کیا کم تھا کہ خدا کی عطا کردہ اور پیدا کردہ چیزوں میں بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے تھے بلکہ ستم بالائے ستم یہ تھا کہ اگر اللہ کے حصہ کا غلہ یا جانور اچھا ہوتا تو اسے بدل کر بتوں کے حصہ میں ڈال دیتے اور جو غلہ یا جانور بتوں کے حصہ کا اچھا ہوتا اسے خدا کی طرف نہ کرتے۔ اور اس تفریق کی بنیاد یہ قرار دیتے کہ اللہ بے نیاز ہے البتہ بت ضرورت مند ہیں اسی طرح اگر خدا کے حصہ کی کوئی چیز بتوں کے حصہ میں جا پڑتی تو اسے نہ اٹھاتے اور اگر بتوں کے حصوں کی کوئی چیز خدا کے حصہ میں شامل ہو جاتی اسے فوراً اٹھا لیتے اور کہتے اللہ بے نیاز ہے اسی طرح اگر قحط سالی میں مبتلا ہو جاتے تو خدا کا حصہ کھا جاتے مگر بتوں کا حصہ چھوڑ دیتے اور کہتے اللہ بے نیاز ہے۔ اللہ فرماتا ہے ''سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ'' (سورہ انعام آیت......۱۳۶) یہ کیا ہی برا فیصلہ تھا جو وہ کرتے تھے کہ جس کا سب کچھ ہے۔ اس کیلئے تو ردی چیز مختص کی جائے اور جن کا کوئی کچھ بھی نہیں ان کیلئے عمدہ چیز متعین کی جائے ہے اس حماقت کی کوئی حد؟

درس عبرت

اس واقعہ میں ان اہل اسلام کیلئے ایک درس عبرت ہے جو چوبیں گھنٹوں میں سے اکثر و بیشتر وقت تو اپنے دنیاوی کاموں کیلئے مخصوص کرتے ہیں۔اور بہت تھوڑا سا وقت اپنے پروردگار کی عبادت اوراس کی یاد کیلئے مختص کرتے ہیں۔اور پھر بھی جب کوئی ضروری کام پڑ جائے تو اس کی زد یاد الٰہی والے وقت پر پڑتی ہے۔اپنے دنیوی کاروبار اپنی استراحت و آرام والے اوقات پر نہیں پڑتی ''ان ھذا الا قسمة ضیزیٰ '' کیا ہی غلط اور برا فیصلہ ہے؟ یہی حال ہر اس شخص کا ہوتا ہے جو زبان سے تو اللہ کو مانتا ہے۔مگر اس کا دل کہیں اور اٹکا ہوا ہوتا ہے جو لوگ کسی زندہ یا مردہ ہستی کو اپنی عقیدتوں کا مرکز بنا لیتے ہیں۔ان کا یہی حال ہوتا ہے کہ جو وقت ان کے ہاں خدا کی یاد منانے کا ہوا اس میں وہ اپنے مرکز عقیدت کو شامل کر لیتے ہیں۔وہ اس میں خدا اور اس کی توحید کا تذکرہ کرنا گوارا نہیں کرتے اور ان کی یہی روش نذر و نیاز کے معاملہ میں ہوتی ہے۔کہ عمدہ چیزیں اپنے پیروں فقیروں کے نام پر دیتے ہیں اور ردی چیزیں خدا کے نام پر دیتے ہیں۔سچ ہے وما قدرو اللہ حق قدرہ۔افسوس لوگوں نے خدا کی قدر نہیں کی ہے۔

آیات القرآن

وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ
لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ
فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا
يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ
لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا
وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ
سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کیلئے ان کے شریکوں نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو خوشنما بنا رکھا ہے تاکہ (انجام کار) انہیں تباہ کریں اور ان کے دین و مذہب کو ان پر مشتبہ کریں اگر اللہ (اپنی قدرت قاہرہ سے) چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے لہٰذا انہیں چھوڑ یے اور ان کی افترا پردازیوں کو۔ (تاکہ ان میں لگے رہیں)۔ (۱۳۷) اور وہ اپنی خام خیالی سے کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھیت ممنوع ہیں انہیں کوئی نہیں کھا سکتا مگر وہ جسے ہم چاہیں اور کچھ چوپائے ہیں جن کی پشت پر سواری اور بار برداری کو حرام قرار دے دیا گیا ہے اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ پر افترا پردازی کرتے ہوئے کیا ہے عنقریب اللہ انہیں ان کی افترا پردازی کا بدلہ دے گا۔ (۱۳۸) اور وہ کہتے ہیں کہ جو ان چوپاؤں کے پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں کیلئے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردار ہوں تو وہ سب اس میں شریک ہیں عنقریب اللہ ان کو اس بات بنانے کا بدلہ دے گا کیوں کہ علیم و حکیم ہے۔ (۱۳۹)

تفسیر الآیات

۱۴۱۔ وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ ...الآية۔

قتل اولاد کی تین اقسام کا بیان

مشرکوں کے انہی شریکوں نے ان کی نظروں میں اولاد کشی کو خوش نما بنا دیا ہے یہاں چند امور قابل غور ہیں۔

۱۔ایک یہ کہ یہاں شریکوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں قدرے اختلاف ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک قول یہ کہ یہ نسبت مجازی ہے چونکہ ان لوگوں نے یہ کام بتوں کی محبت میں کیا ہے تو گویا ان کی محبت نے ان کی نگاہوں میں اس کام کو سنوار کر پیش کیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بتوں میں نہ عقل و شعور ہے اور نہ وہ بول سکتے ہیں۔ (فصل الخطاب)۔

۲۔اس سے بتوں کے پجاری پروھت) اور نگہبان مراد ہیں جنہوں نے یہ کام انجام دیا ہے۔ (مجمع البیان)۔

۳۔اس سے جنی وانسی شیطان مراد ہیں جنھوں نے ان (مشرکین) کی نگاہوں میں قتل اولاد جیسے سنگین جرم کو پسندیدہ فعل بنا دیا۔(خزائن العرفان) تا کہ انجام کار ان کو ابدی ہلاکت میں ڈال دیں اور ان کے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں کہ انہیں معلوم نہ ہو سکے کہ اصل کیا ہے اور نقل کیا تھا؟ اور اگر خدا اپنی قدرت قاہرہ سے چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے مگر ایسا کرنا خدا کی حکمت کے خلاف ہے۔ بہرکیف اہل عرب میں قتل اولاد کی تین صورتیں رائج تھیں۔

۱۔لڑکیوں کا قتل اس خیال سے کہ کوئی ان کا داماد نہ بنے قبائلی لڑائیوں میں وہ دشمن کے ہاتھ نہ پڑیں۔ یا کسی دوسرے سبب سے وہ ان کیلئے باعث عار نہ بنیں۔

۲۔بچوں کا قتل اس خیال سے کہ ان کی پرورش کا بار نہ اٹھایا جا سکے گا اور ذرائع معاش کی کمی کے سبب سے وہ ناقابل برداشت بوجھ بن جائیں گے۔

۳۔بچوں کو اپنے معبودوں کی خوشنودی کیلئے بھینٹ چڑھانا۔(تفہیم القرآن)

لڑکیوں کے قتل کا آغاز کس طرح ہوا؟

کہا جاتا ہے کہ ایک بار لقمان بن منذر نے ایک قوم پر حملہ کیا اور ان کی عورتوں کو قید کر کے اپنے ہمراہ لے گیا جن میں ایک قیس بن عاصم کی بیٹی بھی تھی پھر ان کے درمیان صلح وصفائی ہو گئی اور اس طرح سب عورتیں اپنی قوم کو واپس مل گئیں مگر قیس کی لڑکی واپس نہ آئی کیونکہ اس نے اسی شخص کو پسند کر لیا تھا جس نے اسے قید کیا تھا اس پر قیس نے قسم کھائی کہ اس کے ہاں جو بھی لڑکی پیدا ہو گی وہ اسے زندہ درگور کر دے گا چنانچہ اس طرح تمام عربوں میں یہ رسم بد جاری ہو گئی اور اس پر عمل بھی ہونے لگا۔(مجمع البیان)

۱۴۲۔وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ...الآیۃ۔

نذر و نیاز کے جانوروں کے سہ گانہ اقسام کا بیان

مختلف اخبار وآثار سے جو کچھ واضح وآشکار ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل عرب کے ہاں ان کی خود ساختہ شریعت میں نذر و نیاز کے جانوروں کی تین قسمیں تھیں۔

۱۔ایک قسم وہ تھی (سائبہ وغیرہ) جسے کوئی نہیں کھا سکتا مگر وہ جسے وہ چاہتے تھے۔مثلاً ایسے حیوان کے شکم سے جو بچہ زندہ پیدا ہوتا تھا اس کا گوشت صرف مرد کھا سکتے تھے عورتوں کیلئے اس کا کھانا ممنوع تھا۔اور اگر مردہ پیدا ہوتا تو اس کا گوشت کھانے میں مرد اور عورت سب باہم شریک ہوتے۔

۲۔دوسری قسم ان جانوروں کی تھی جن کی پشت پر کوئی سوار نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ان پر کوئی بوجھ لا دسکتا تھا۔اور یہ جانور وہی بحیرہ اور سائبہ وغیرہ تھے جن کا تذکرہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۰۳ میں کیا جاچکا ہے۔

۳۔تیسری قسم کے جانور وہ تھے۔جنہیں وہ لوگ بتوں کے آگے بھینٹ چڑھاتے تھے اور ان کو ذبح کرتے وقت خدا کا نام نہیں لیتے تھے۔بلکہ بتوں کا نام لیتے تھے۔اور پھر لطف کی بات یہ تھی کہ یہ من گھڑت اور خودساختہ باتیں جوانہوں نے یا ان کے اسلاف نے خودتراش کے دین میں داخل کردی تھیں وہ ان خودساختہ بدعتوں اور رسموں کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔اللہ فرماتا ہے کہ عنقریب ان لوگوں کواس افترا پردازی کی سزادی جائیگی جو یہ اللہ تعالیٰ پر کررہے ہیں۔

اہل اسلام کیلئے لمحہ فکریہ

ان واقعات میں ان مسلمانوں کیلئے لمحہ فکریہ موجود ہے جو بالکل دور جاہلیت کے عرب مشرکین کی طرح بعض جانوروں کو بعض بزرگ شخصیات کے نام کے ساتھ مخصوص کردیتے ہیں پھر نہ کوئی ان پر سوار ہوسکتا ہے اور نہ کوئی ان پر بار برداری کرسکتا ہے اور نہ کسی اور جائز مصرف میں صرف کرسکتا ہے اور بعض بزرگوں کے نام پر نیازیں دیتے ہیں کہ یہ نیاز صرف مرد کھا سکتے ہیں عورتیں نہیں کھاسکتی ہیں یا مرد نہیں کھاسکتے ہیں عورتیں کھاسکتی ہیں نیز یہ چھت کے نیچے کھائی جاسکتی ہے باہر نہیں کھائی جاسکتی یا یہ نیاز ایک خاص مقدار میں پکائی جاسکتی ہے اس سے کم یا زیادہ مقدار میں نہیں پکائی جاسکتی یہ اسلام کے نام پر اسلام سے کیا مذاق ہے دیدہ بینا رکھنے والوں کیلئے لمحہء فکریہ موجود ہے آیا اس میں جاہلی رسم ورواج کا احیاء نہیں ہے اور کیا یہ بات افترا علی اللہ کے زمرہ میں نہیں آتی ؟۔ ''آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ'' (سورہ یونس آیت......۵۹)۔اور کیا قرآن کے حقیقی اسلام میں جو دین فطرت ہے اس قسم کی خرافات کیلئے کوئی گنجائش ہے۔مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ؟

آیات القرآن

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا
رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٤٠﴾
وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ
وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ

مُتَشَابِهٍ ۚ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا
تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۚ
كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ﴿١٤٢﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۚ
قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ
الْاُنْثَيَيْنِ ۚ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٤٣﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناوہ لوگ بڑے گھاٹے میں ہیں جنہوں نے علم کے بغیر محض جہالت اور حماقت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کیا۔اور اللہ پر افترا پردازی کر کے اللہ کے دیے ہوئے رزق کو حرام قرار دیا بے شک وہ گمراہ ہوئے اور ہدایت یافتہ اور راہ یاب نہیں ہیں (۱۴۰) اور وہ (اللہ) وہی ہے۔جس نے طرح طرح کے باغات پیدا کیے (ٹیٹوں پر) چڑھائے ہوئے بھی اور بغیر چڑھائے ہوئے بھی اور کھجور کے درخت اور طرح طرح کی کھیتی جس کے مزے مختلف ہیں اور زیتون اور انار جو مشابہ بھی ہیں اور غیر مشابہ بھی اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ پھلیں اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو اور اسراف مت کرو کیونکہ وہ (خدا) اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔(۱۴۱)۔اور اللہ وہی ہے جس نے چوپاؤں میں سے کچھ ایسے پیدا کیے ہیں جن سے سواری اور بار برداری کا کام لیا جاتا ہے اور کچھ وہ ہیں جو (کھانے اور) بچھانے کے کام آتے ہیں جو کچھ اللہ نے تمہیں روزی عطا کی ہے اس سے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔(۱۴۲) (خدا نے) آٹھ قسم کے جوڑے پیدا کیے ہیں دو قسمیں بھیڑ سے اور دو قسمیں بکری سے آپ کہیے کہ آیا اس نے ان دونوں قسم کے نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں قسم کے ماداؤں کو؟ یا جو دونوں، ماداؤں کے پیٹ میں ہے؟ مجھے علم کی بنیاد پر بتاؤ اگر تم سچے ہو (۱۴۳)۔

تفسیر الآیات

۱۴۳۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ ...الآیة۔

یقیناوہ لوگ گھاٹے میں رہے جنہوں نے بغیر علم اپنی اولاد کوقتل کیا حلال خداوندی کوحرام قرار دیا بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ خداوند عالم نے ایسے لوگوں کی مذمت میں سات چیزیں بیان کی ہیں جن میں ہر ایک مذمت کیلئے کافی ہے۔

۱۔خسارہ　۲۔حماقت　۳۔جہالت　۴۔اللہ کے حلال کوحرام کرنا۔
۵۔اللہ پرافترا پردازی　۶۔گمراہی　۷۔ بے ہدایت ہونا۔(تفسیر کبیر)

۱۴۴۔ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ ....الآیة۔

بعض باغات ونباتات کا تذکرہ

سابقہ آیات میں خداوند عالم نے مشرکوں کے غلط رسم ورواج پر نقد وتبصرہ کرنے کے بعد کہ انہوں نے کس طرح خدا پر افترا پردازیاں کرتے ہوئے جانوروں اور کھیتوں کے حصے بخرے کر لئے کچھ خدا کے نام پر اور کچھ بتوں کے نام پر پھر بعض کوحلال کہا اور بعض کوحرام قرار دیا جس کا ان کے پاس کوئی عقلی وشرعی جواز نہ تھا اب یہاں اپنے بعض الطاف وانعامات کا تذکرہ فرمارہا ہے کہ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کی خورد ونوش اور اسے فائدہ پہنچانے کیلئے کس طرح مختلف غذائیں، باغات اور حیوانات پیدا فرمائے ہیں نباتات میں سے کچھ وہ ہیں جو زمین پر پھیلتی ہیں جیسے خربوزے ہندوانے اور سبزیاں کچھ بانس وغیرہ کی ٹٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں جیسے انگور وغیرہ اور کچھ وہ ہیں جو اپنے تنا پر کھڑی رہتی ہیں جیسے کھجور، آم وانار وغیرہ۔اس طرح انسان کی ضرورت کیلئے اسے گوشت کھلانے کیلئے اس کی سواری وبار برداری کیلئے اور اسے دودھ پلانے کیلئے مختلف قسم کے چھوٹے بڑے جانور پیدا کیے جیسے اونٹ گھوڑے اور بھیڑ بکریاں وغیرہ اوران آیتوں میں خداوند عالم نے یہ حقیقت بندوں کے ذہن نشین کرانے کی کوشش فرمائی ہے کہ یہ سب نعمتیں عطا کرنے والا خدا ہے اس عطاوبخشش میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے لہٰذا ان کے استعمال میں بھی اسی کے قانون شریعت کی پابندی کرنی چاہیے اپنی خواہش نفس یا خودساختہ شرکاء خدا کی خواہش پر کسی چیز کوحلال وحرام نہیں بنانا چاہیے اور نہ ہی اپنی طرف سے کوئی حدود وقیود مقرر کرنے چاہئیں اور نہ ہی بندوں کی بنائی ہوئی رسوم ورواج کی پابندی کرنی چاہیے۔کیونکہ یہ سب کچھ شیطانی نقوش پا کی

پیروی کے زمرہ میں داخل ہے۔

۱۴۵۔ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ...الآیۃ۔

حق الحصاد کی ادائیگی کا حکم

کٹائی کرنے والے دن یا پھل توڑنے والے دن اس کا حق ادا کرو اس سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے اس سے زکوۃ مراد لی ہے اور بعض نے عام مستحبی صدقہ وخیرات مراد لی ہے چونکہ یہ سورہ مکی ہے اور زکوۃ ہجرت نبوی کے بعد مدینہ میں واجب ہوئی ہے۔ اس لئے اس سے واجبی زکوۃ مراد نہیں ہوسکتی بلکہ مستحبی صدقہ ہی ہوگا جس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے۔

والمروی عن اھل البیت علیھم السلام انه غیر الزکوۃ۔ (تفسیر صافی)

بنابریں مستحب ہے کہ فصل کی کٹائی کے وقت اگر کوئی مسکین آجائے تو اسے اس میں سے ایک مٹھا دے دیا جائے اور اگر برداشت کے وقت آئے تو اسے مٹھی بھر دانے دے دیے جائیں اسی لئے رات کے وقت فصل کی کٹائی۔ پھل کی تڑوائی اور دانوں کی برداشت کی نہی فرمائی گئی ہے کہ اس وقت سائل وفقیر اور مسکین نہیں آتے۔ (کافی وصافی)۔

۱۴۶۔ وَلَا تُسْرِفُوْا...الآیۃ۔

اسراف کی ممانعت

یہاں اس اسراف اور فضول خرچی سے کیا مراد ہے؟

اس کا تعلق فقراء ومساکین سے بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو اس قدر زیادہ نہ دو کہ اپنے اور گھر والوں کیلئے کچھ نہ بچے کہ جس کی وجہ سے خود پریشان حال اور دوسروں کے دست نگر ہو جاؤ ارشاد قدرت ہے: ''لَاتَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا'' (سورہ بنی اسرائیل آیت......۲۹) اور اپنے ذاتی اخراجات سے بھی اس کا تعلق ہوسکتا ہے کہ خوراک وپوشاک وغیرہ۔ لوازم زیست میں حد سے زیادہ خرچ کر کے فضول خرچی نہ کرو۔ کہ غرباء ومساکین کو کچھ نہ دو اور زکوۃ کے محصلین سے بھی اس کا تعلق ہوسکتا ہے کہ وہ زکوۃ وصول کرنے میں سختی نہ کریں اور حد اعتدال سے آگے نہ بڑھیں غرض کہ اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال اور میانہ روی کا قائل ہے اسلام کسی بھی معاملہ میں حد اعتداد سے آگے قدم بڑھانے کی اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی اسے پسند کرتا ہے۔ انه لا یحب المسرفین۔ حدیث میں وارد ہے۔ ''ما افتقر من اقتصد'' جو لوگ میانہ روی سے کام

لیتے ہیں۔وہ کبھی فقیر و نادار نہیں ہوتے۔ولنعم ماقیل۔

قصددر فقر و غنا ازکف مدہ

عدل در قہر و رضا از کف مدہ

۱۴۷۔ وَمِنَ الْاَنْعَامِ...الآیۃ۔

نباتات و باغات کے سلسلہ میں اپنی قدرت کاملہ کی کرشمہ نمائی کے بعد اب حیوانات کے سلسلہ میں اپنی حکمت بالغہ کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی جارہی ہے۔کہ اس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے مختلف قسم کے جانور پیدا کیے ہیں۔ کچھ وہ حمولہ ہیں جن سے سواری اور بار برداری کا کام لیا جاتا ہے جیسے ہاتھی، اونٹ اور گھوڑا وغیرہ اور کچھ وہ ہیں جن سے کھانے اور دودھ پینے پلانے اور بچھانے کا کام لیا جاتا ہے جیسے بھیڑ بکریاں وغیرہ۔

ان کو''فرشا''اس لئے کہا گیا ہے کہ چونکہ ان کے قد چھوٹے ہوتے ہیں لہٰذا زمین سے لگے ہوئے معلوم ہوتے ہیں یا اس اعتبار سے کہ ذبح کے وقت وہ زمین پر لٹائے جاتے ہیں یا اس لحاظ سے کہ ان کی کھالوں اور بالوں سے فرش وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔جو زمین پر بچھائے جاتے ہیں۔

۱۴۸۔ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ...الآیۃ

یہ انشا کا مفعول ہے یا حمولۃ وفرشا سے بدل ہے بہرحال یہاں یہ حقیقت بیان کی جارہی ہے کہ اللہ نے آٹھ قسم کے جوڑے پیدا فرمائے۔ جوڑے میں ہر ایک کو دوسرے کا زوج کہا جاتا ہے اس لئے بھیڑ بکری وغیرہ اقسام کو آٹھ جوڑے فرمایا گیا ہے۔ جو کہ فی الواقع افراد کے اعتبار سے تو آٹھ ہی ہیں مگر ہمارے عرف اور محاورہ کے لحاظ سے چار جوڑے بنتے ہیں دو بھیڑ کی قسم سے نر مادہ دو بکری کی قسم سے دو اونٹ کی قسم سے اور دو گائے بیل کی قسم سے یہ کل آٹھ اقسام ہو گئے مگر بعض مفسرین نے ان آٹھ اقسام سے نر و مادہ کی بجائے اور آٹھ اقسام یعنی بھیڑ و بکری سے اہلی اور وحشی، اسی طرح گائے و بیل سے اہلی و وحشی اور اونٹ سے عرابی و بخاتی مراد لئے ہیں۔ (تفسیر صافی)۔

خودساختہ قوانین کے تحت جانوروں کو حلال وحرام بنانے کی مذمت

بہرحال جاہلی دور میں عربوں نے جانوروں کی حلت وحرمت کے متعلق جو خودساختہ قوانین وضع کر رکھے تھے۔جن کی بنا پر وہ جانوروں کو حلال وحرام ٹھہراتے تھے۔جس کی بقدر ضرورت سابقہ بیانات میں وضاحت کی جا

چکی ہے۔ان کی وجہ سے خداوند عالم ان کی زجروتوبیخ کرتے ہوئے ان سے دریافت کر رہا ہے کہ ان کی حرمت کہاں سے آئی ہے؟ آیا وہ نر ہونے کی وجہ سے حرام ہیں یا مادہ ہونے کی بنا پر؟ اگر یہی وجہ ہے تو پھر تمام نر یا تمام مادہ حرام کیوں نہیں ہیں یہ بعض حلال اور بعض حرام کی تفریق کہاں سے آئی؟ یا ایک ہی جانور کا نر حلال اور مادہ حرام یا ایک قسم کے جانور کا مادہ حلال اور نر حرام یا خود جانور حلال اور بچہ حرام آیا اس میں کوئی معقولیت نظر آتی ہے یا پھر اس لئے حرام ہے کہ وہ ہنوز ماؤں کے پیٹوں میں ہے تو پھر یہ نر و مادہ کی تخصیص کہاں سے آئی؟ جب ان کے اندر حرمت کی کوئی عقلی و شرعی وجہ نہیں ہے ان کا گوشت ہے تو بہترین انسانی غذا اور دودھ ہے تو آدمی کیلئے بہترین مشروب اور پھر ان جانوروں میں کوئی بری خصلت بھی نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے طبیعت میں کراہت پیدا ہو تو پھر وجہ تحریم کیا ہے؟ کیا شیطانی ترغیبات،اسلاف کی اندھی تقلید اور رسوم جاہلیت اور مشرکانہ رواجوں کی کورکورانہ تاسی کے سوا ان کو حرام قرار دینے کی کوئی معقول وجہ ہے؟ چونکہ مشرک کہتے ہیں کہ اللہ نے ان بعض جانوروں کو حرام قرار دیا ہے تو اللہ ان سے دریافت کر رہا ہے کہ چونکہ کسی چیز کی حرمت ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں۔

۱۔ یا براہ راست خدا سے ان کی حرمت کا اعلان سنا جائے۔

۲۔ یا پھر کوئی شاہد صادق گواہی دے تم بتاؤ کیا تم نے اللہ سے یہ اعلان سنا ہے؟ (اور جب نہیں سنا۔اور نبیوں کو تم مانتے نہیں ہو) تو پھر؟ ع

یہی تھے دو حساب جو یوں پاک ہو گئے

تو پھر افترا پردازی کے سوا اور کیا ہے؟

''وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا''(سورہ انعام آیت......۹۳) جو لوگ اس طرح شیطنت کا شکار ہوں وہ نگاہ قدرت میں ظالم ہوتے ہیں''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ''(سورہ مائدہ آیت......۵۱) اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

آیات القرآن

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ قُلْ
لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً
اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ
بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور اس طرح دوقسمیں اونٹ سے اور دوقسمیں گائے سے۔ کہو اس (اللہ) نے دوقسموں کے نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں قسم کی ماداؤں کو؟ یا جو دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہے کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ نے تمہیں اس بات کا حکم دیا تھا؟ تو اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا الزام لگائے تاکہ کسی علم کے بغیر لوگوں کو گمراہ کرے بے شک اللہ ظالم قوم کی کوئی ہدایت نہیں کرتا (اسے منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا) (۱۴۴) کہہ دیجئے جو وحی میرے پاس آئی ہے میں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کھانے والے پر حرام ہو سوا اس کے کہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو یہ سب رجس اور گندی ہے یا پھر فسق ہو (نافرمانی کا ذریعہ ہو) جو اللہ کے سوا کسی اور نام پر ذبح کیا گیا ہو (یا غیر اللہ کیلئے نامزد کیا گیا ہو) ہاں البتہ اگر کوئی مجبور ہو جائے جبکہ وہ نہ باغی و سرکش ہو اور نہ ہی حد سے تجاوز کرنے والا ہو تو یقیناً تمہارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے (۱۴۵)۔

تفسیر الآیات

۱۴۹۔ قُلْ لَّآ اَجِدُ... الآیۃ۔

کسی چیز کو حلال وحرام قرار دینے کا حق صرف خالق و مالک کو ہے

سابقہ آیات و بینات میں خداوند عالم نے جس تند و تیز لہجہ میں ان کفار و مشرکین کی مذمت کی ہے۔ جنہوں نے اپنے خود ساختہ آئین آباؤ اجداد کے غلط قوانین اور من گھڑت رسموں رواجوں کے تحت خدا کے

حلال کوحرام اور حرام کو حلال قرار دیا تھا۔اس سے یہ حقیقت سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی ذہنی الجھن باقی رہتی ہے کہ چیزوں کو حلال وحرام قرار دینے کا حق اسی ذات بابرکات کو حاصل ہے جو ان چیزوں کا مالک وخالق ہے چنانچہ اس نے یہاں چار چیزوں کی حرمت کا پیغمبر آخرالزمان کی زبان حق ترجمان سے اعلان کرایا ہے۔

چار چیزوں کی منصوص حرمت کا بیان۔

ا۔مردار

۲۔ بہا ہوا خون۔مخفی نہ رہے کہ خون کے ساتھ ''بہا ہوا'' کی قید اس لئے ہے کہ جو خون ذبح کے وقت عموماً نکلتا ہے جب وہ بہہ جائے تو ذبیحہ کے گوشت میں خون کے جو قطرے رہ جاتے ہیں وہ حلال بھی ہوتے ہیں اور پاک بھی۔

۳۔سور کا گوشت

۴۔وہ ذبیحہ جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے اس آیت کی تفسیر قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۳ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳ کی تفسیر میں گزر چکی ہے جہاں یہ مضمون گزر چکا ہے اور مزید براں اس کا تذکرہ سورہ نحل کی آیت نمبر ۱۱۵ میں آئے گا اور سورہ بقرہ کے مذکورہ بالا مقام پر باغی اور عادی کے مفہوم کی وضاحت بھی کی جا چکی ہے اس لئے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک سوال اور اس کے جوابات۔

ہاں البتہ اس مقام پر ایک بات غور طلب ہے جس پر سورہ بقرہ کے مذکورہ مقام پر بھی تبصرہ کیا گیا اور یہاں مزید تبصرہ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں ان چار چیزوں کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں مسلمہ طور پر حرام ہیں کئی قسم کے حیوان، درندے اور کئی قسم کے پرندے تو پھر یہاں چار چیزوں میں حرمت کی حصر کیوں کی گئی ہے؟ اس سوال کے متعدد جوابات دیے جا سکتے ہیں۔مثلاً

ا۔یہاں زیر بحث صرف چرندہ جانور تھے تو اس قسم سے جو چیزیں حرام تھیں صرف انہی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس میں درندوں، دریائی جانوروں اور پرندوں کا ذکر کیا ہی نہیں گیا۔

۲۔یہ آیت مکی ہے اس وقت تک جو وحی نازل ہوئی تھی اس میں ان چار چیزوں کی حرمت مذکور تھی باقی چیزوں کی حرمت مدینہ میں نازل ہوئی لہٰذا ان میں کوئی منافات نہیں ہے۔

۳۔ان چار چیزوں کی حرمت تو قطعی طور پر قرآن سے ثابت ہے اور باقی حرام چیزوں کی حرمت قرآن

سے اجمالاً اور سنت سے تفصیلاً معلوم ہوتی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ماخذ احکام ہونے کیلئے صرف قرآن کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نبی و امام کے کلام و فرمان کی ضرورت بھی ہے۔

۴۔ یہ حصر حقیقی نہیں ہے بلکہ اضافی ہے کہ جن چیزوں کو مشرکین عرب اپنی ذاتی پسند و ناپسند کی بنا پر حرام قرار دیتے تھے ان کے مقابلہ میں یہ چار چیزیں خاص طور پر حرام ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے علاوہ اور کوئی چیز حرام نہیں ہے بلکہ سب حلال ہیں۔ حاشا و کلا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

آیات القرآن

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ
حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا
اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ
كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ
اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى
ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ
تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو لوگ کہ یہودی ہوئے ہم نے ان پر تمام کھر والے جانور حرام کر دئے تھے۔ اور گائے بیل اور بھیڑ بکری کی چربی بھی حرام کر دی۔ سوا اس کے جو ان کی پیٹھ یا ان کی آنتڑیوں سے لگی ہوئی یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو یہ ہم نے ان کو بغاوت و سرکشی کی سزا دی تھی اور یقیناً ہم بالکل سچے ہیں (۱۴۶) سو اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے! کہ آپ کا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے اور مجرموں سے اس کا عذاب ٹالا نہیں جا سکتا

(۱۴۷) عنقریب مشرک لوگ کہیں گے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے پاس کوئی علمی دلیل ہے تو اسے ہمارے سامنے ظاہر کرو۔ تم تو محض گمان کی پیروی کر رہے ہو اور صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہو (۱۴۸)

تفسیر الآیات

۱۵۰۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا...الآیۃ

کسی چیز کو حرام قرار دیئے جانے کی وجوہ کیا ہو سکتی ہیں؟

اگر تتبع اور استقراء تام سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس حرمت کا دو میں سے کوئی ایک سبب ہوتا ہے۔

۱۔ وہ چیز جسمانی یا روحانی طور پر انسان کیلئے مضر ہوتی ہے لہٰذا لوگوں کو اس کے ضرر روزیاں سے محفوظ رکھنے کیلئے اسے حرام قرار دیا جاتا ہے اور اکثر و بیشتر یہی سبب کارفرما ہوتا ہے۔

۲۔ اور کبھی کبھار کسی شخص یا کسی قوم کو اس کی غلط روش و رفتار کی وجہ سے بطور سزا کسی چیز کو اس کیلئے ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے جیسا کہ یہاں یہی صورت حال پیش ہے۔ کہ خدائے جبار نے یہاں یہود کے ظلم و استبداد اور سرکشی کی وجہ سے بعض حلال چیزوں کو ان کیلئے حرام قرار دے دیا تھا۔ اور اس بات کا قرآن مجید میں تین مقامات پر تذکرہ کیا گیا ہے۔

۱۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۹۳ (كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ......)۔

۲۔ سورہ نساء آیت نمبر ۱۶۰ (فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ ......)۔

یعنی ہم نے یہود کے ظلم و جور اور سرکشی کی وجہ سے وہ پاک پاکیزہ چیزیں جو (پہلے) ان کیلئے حلال تھیں حرام کر دیں۔ اسی مقام پر زیر بحث آیت کی تفسیر بھی گذر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہی زیر بحث آیت جو سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۴۶ ہے۔ اس میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ "ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ

بِبَغۡیِہِمۡ ‘‘ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا کے طور پر یہ چیزیں حرام قرار دیں۔ فراجع مخفی نہ رہے کہ منجملہ رؤساء یہود کی سرکشی والے کاموں کے ایک کام یہ بھی تھا کہ انہوں نے تمام ناخن دار جانور اور پرندے جیسے مرغ، مرغابی اور بطخ وغیرہ اور گائے، بکری کی چربی وغیرہ اپنی مرغوب چیزوں کو غریبوں کیلئے ممنوع قرار دے دیا تھا (تفسیر قمی)

تو خدا نے ان کو اس کی یہ سزا دی کہ ان چیزوں کو خود ان پر حرام قرار دے دیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں ذاتی طور پر کوئی خرابی نہیں ہے صرف بطور سزا میں ممنوع قرار دیا گیا تھا اس لئے یہ چیزیں اسلامی شریعت میں حلال ہیں۔ والحمد للہ۔

۱۵۱۔ فَاِنۡ کَذَّبُوۡكَ ... الآیۃ

خدا کی رحمت واسطہ کا تذکرہ

حالات اور جذبات کا تقاضا تو یہ تھا کہ جو شخص حضرت پیغمبر اسلامؐ کے حالات وصفات اور ان کی صداقت کی آیات بینات دیکھنے کے باوجود ان پر ایمان نہ لاتا اور اسلام قبول نہ کرتا اسے حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا اور نیست و نابود کر دیا جاتا۔ مگر واہ رے خدا کی شان کریمی! کہ انہیں فوراً ہلاک بھی نہ کیا اور ان کو اپنی رحمت بے پایاں سے مایوس بھی نہیں کیا۔ بلکہ اسی رحمت کی وسعت و ہمہ گیری کا تذکرہ کر کے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور ان کی امید بندھائی ہے کہ اگر اب بھی وہ پیغمبر اسلامؐ کی تکذیب چھوڑ دیں اور راہ راست پر آ جائیں تو رحمت حق ان کا استقبال کرنے کیلئے موجود ہے۔ ہاں البتہ آخر میں قاعدہ کلیہ اور عام اصول کے طور پر اعلان فرمایا گیا ہے کہ اس کا عذاب مجرموں سے ٹالا نہیں جا سکتا۔ اس میں در پردہ یہ دھمکی دی گئی ہے کہ جو مجرم آخر دم تک اپنی مجرمانہ سرگرمیوں پر قائم رہیں گے اور توبہ و انابہ کی راہ اختیار نہیں کریں گے تو پھر ان کو خدا کی گرفت اور اس کے عذاب سے بچایا نہ جا سکے گا۔

۱۵۲۔ سَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا ... الآیۃ۔

بدکردار لوگوں کی یہ پرانی کمزوری ہے کہ وہ اپنی کمزوریاں مشیت الٰہی کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں

تاریخ سے بھی ثابت ہے اور مشاہدہ بھی شاہد ہے کہ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرنے والے اقل قلیل

ہوتے ہیں ورنہ اکثر تو اپنی کمزوریوں کو خوبیاں سمجھتے ہیں اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو پھر اپنی کمزوریوں اور بدعملیوں کو اللہ کی مشیت کے حوالہ کر دیتے ہیں چنانچہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ عقیدہ میں کمزور اور عمل میں سست رفتار ہوتے ہیں یا بالفاظ دیگر صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں کردار کے غازی نہیں ہوتے تو جب ان کو ان کی غلط روش و رفتاد پر روکا ٹوکا جائے۔ اور ان کی سرزنش کی جائے تو وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کے طور پر اپنے اعمال و افعال کی ذمہ داری اللہ کی مشیت پر ڈال دیتے ہیں کہ اللہ کی مشیت یہی ہے کہ ہم یہ غلط کام کریں اپنے مقدر میں یہی لکھا تھا، ہم اور ہمارے آباؤ اجداد مدت دراز سے یہی کام (کفر و شرک اور دیگر غلط کاریاں) کرتے چلے آرہے ہیں۔ اگر وہ قادر مطلق نہ چاہتا اور اگر یہ باتیں اسے پسند نہ ہوتیں تو ہم ایسا نہ کرتے کفار و مشرکین کا یہ مقولہ قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہے۔ ''وَ قَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ'' (النحل آیت...... ۱۳۵) مشرک لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا اور کسی چیز کی عبادت نہ کرتے۔ ''وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ'' (الزخرف آیت...... ۲۰)۔ اگر خدا چاہتا تو ہم ان (بتوں) کی پرستش نہ کرتے پھر اس سے آخری نتیجہ یہ اخذ کیا کہ کہہ دیا ''وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا'' (اعراف آیت...... ۲۸) جب کوئی شرمناک کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اسی طریقہ پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور خود اللہ نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ حافظ شیرازی نے بھی انہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے ؎

در کوئے نیک نامی مارا گذر ندادند
مارا نمی پسندی تغییر دہ قضارا

ان لوگوں کی خرافات کا جواب

اس مغالطہ کے حلی اور الزامی طور پر کئی جوابات دیے جا سکتے ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر صرف ایک جواب پر اکتفا کرتے ہیں۔

ا۔ اس کا حلی جواب تو یہ ہے کہ مشیت اور رضا میں بڑا فرق ہے بندے ایک کام کرتے ہیں اور خدا اپنے نظام حکمت کے تحت جبر کر کے ان کو اس کام سے نہیں روکتا کیونکہ اس کے نظام حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ بندے برا بھلا کرنے میں فاعل مختار ہوں کیونکہ جبر کرنا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ علیم و حکیم ان لوگوں کے اس کام پر راضی بھی ہے اور اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے مگر مشرک اور غلط کار لوگ مشیت کا مطلب اس کی رضا اور پسندیدگی لیتے تھے اور یہی ان کا منشائے اشتباہ تھا۔ اس لئے خدا نے بار

بار اس کا یہ جواب دیا ہے۔''اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَ ان اللہ لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ''(سورہ زمر آیت......۷) کہ خدا بندے کے کفر پر ہرگز راضی نہیں ہے۔''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ''(سورہ اعراف آیت......۲۸)۔خدا کبھی برائی کا حکم نہیں دیتا۔

۲۔الزامی اور علمی و برہانی، عملی برہانی جواب یہ ہے کہ اگر تمہارا یہ نظریہ درست ہوتا کہ تمہارا کفر و شرک اور گناہ و عصیاں اس کی مشیت و رضا مندی سے ہے تو پھر تو ایسا کرنے والوں کو انعام و اکرام سے نوازنا چاہیے تھا۔مگر تاریخ شاہد ہے کہ جن لوگوں نے ایسے کام کئے، آیات الٰہیہ کی تکذیب کی، انبیاء و مرسلین کو جھٹلایا اور مناہی الٰہیہ کا مذاق اڑایا۔ان پر خدا کا قہر و غضب نازل ہوا۔اور ان کو اپنے عذاب و عقاب کا وہ مزا چکھایا کہ ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔پس اس کا ان لوگوں کو ان غلط نظریات اور غلط اعمال پر سزا دینا اس بات کی نا قابل رد دلیل ہے کہ وہ علیم و حکیم کفر و شرک اور غلط کلام و کام اور غلط اقدام کو پسند نہیں کرتا اور ان لوگوں کو مزید لاجواب اور رسوا کرنے کی خاطر فرماتا ہے۔کہ اگر تمہارے پاس اپنے کام پر اللہ کی رضا مندی کا کوئی ثبوت ہے تو پیش کرو۔مگر وہ علم اور ثبوت کہاں سے لائیں۔وہ تو محض ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں۔اور نری قیاس آرائیاں کرتے اور اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔

آیات القرآن

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ
شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا
تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴿۱۵۰﴾ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ
رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا
تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ
اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴿۱۵۱﴾

ترجمۃ الآیات

کہہ دیجئے! کہ اللہ کی دلیل زبردست ہے۔ اگر اللہ) اپنی مشیت قاہرہ) چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا (۱۴۹) کہہ دیجئے! لاؤ اپنے ان گواہوں کو جو اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے؟ اور اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں تو آپ نہ ان کے ساتھ گواہی دیجئے اور نہ ہی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کیجئے۔ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے۔ اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے پروردگار کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں (۱۵۰) (اے رسول) ان سے کہو۔ آؤ میں تمہیں سناؤں وہ چیزیں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں۔ یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو' اور اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)' اور بے شرمی و بے حیائی کے کاموں (جیسے جنسی غلط کاری) کے قریب بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ علانیہ ہوں اور خواہ پوشیدہ اور نہ قتل کرو کسی ایسی جان کو جس کے قتل کو خدا نے حرام قرار دیا ہے مگر (شرعی) حق (جیسے قصاص وغیرہ) کے ساتھ۔ یہ وہ ہے جس کی اللہ نے تمہیں وصیت کی ہے۔ تاکہ تم عقل سے کام لو۔ (۱۵۱)۔

تفسیر الآیات

۱۵۳۔ قل فله ۔۔۔۔ الایة

اللہ کی حجت کے غالب ہونے کی وضاحت

ان لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ تمہاری حجت بالکل کمزور ہے اور اللہ کی دلیل و حجت زبردست ہے۔ وہ دلیل و برہان اور حکمت و موعظۂ حسنہ سے لوگوں کو حق و حقیقت کی دعوت ضرور دیتا ہے۔ مگر وہ کسی کو اس کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ بات اس کے نظام حکمت کے منافی ہے۔ ورنہ اگر وہ اپنی قدرتِ قاہرہ سے چاہتا تو وہ تم سب کو سیدھے راستہ پر لگا دیتا۔ مگر چونکہ ایسا کرنا اس کی حکمت کے خلاف ہے اس لئے وہ ایسا نہیں کرتا۔ مسعدہ بن صدقہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں فرمایا:

قیامت کے بعد ایک (بدکردار) بندہ کو مقام حساب میں کھڑا کر کے اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے برا عمل کیوں کیا تھا؟ وہ جواب دے گا کہ مجھے علم نہیں تھا تب اس سے کہا جائے گا کہ تو نے علم کیوں حاصل نہیں کیا تھا؟ اس پر وہ لا جواب ہو جائے گا فرمایا یہ مطلب ہے۔''لِلّٰہِ الۡحُجَّۃُ الۡبَالِغَۃُ'' کا کہ (اللہ کی دلیل غالب ہے)۔(تفسیر البرہان)

۱۵۴۔ قُلۡ هَلُمَّ ... الآیۃ۔

مشرکین سے اپنے مدعا پر کوئی علمی دلیل اور گواہ پیش کرنے کا مطالبہ

سابقہ آیات میں جاہل مشرکین عرب کی بعض جاہلانہ رسموں رواجوں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے کس طرح خالق کون و مکان کے قانون شریعت کو چھوڑ کر خود اپنے خیالات و قیاسات اور اپنے اسلاف کی غلط رسوم و روایات کی بنا پر بعض حلال چیزوں کو حرام اور بعض حرام چیزوں کو حلال بنا لیا تھا اور ان میں من پسند حدود و قیود مقرر کر رکھے تھے کہ اسے فلاں کھائے اور فلاں نہ کھائے۔ اور ستم ظریفی یہ تھی کہ وہ افتراء علی اللہ کرتے ہوئے اس خود ساختہ حلت و حرمت کو خدا کی طرف منسوب کرتے تھے کہ یہ حکم اللہ نے دیا ہے اس لئے خداوند عالم اپنی حرام کردہ چیزوں کا اعلان کرنے کے بعد (قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ ...الآیۃ) کے بعد ان سے مطالبہ کر رہا ہے کہ

(۱) اگر تمہارے پاس اس دعویٰ کے ثبوت میں کوئی علمی دلیل ہے تو وہ پیش کرو۔

(۲)۔ اور اگر کوئی گواہ ہے تو وہ لاؤ کیونکہ اگر دو گواہوں کو اپنی ذمہ داری کا کچھ بھی احساس ہوا کہ گواہی اس چیز کی دینی چاہیے کہ جس کا اسے علم ہو تو وہ ہرگز یہ گواہی نہیں دیں گے۔

(۳)۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر بالفرض وہ اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کرتے ہوئے ایسی کوئی گواہی دے بھی دیں تو اے رسول اللہ ! آپ پھر بھی ان کے ساتھ گواہی نہ دینا یہ مناہی ان کی شہادت کے جھوٹے ہونے کا کنایہ ہے۔ والکنایۃ ابلغ من التصریح ورنہ آپ کیلئے ممکن ہے کہ آپ مشرکوں کے حق میں جھوٹی گواہی دیں؟ اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا جن میں تین کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ آیات الٰہی کی تکذیب کرتے ہوئے اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں۔

۲۔ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ظاہر ہے کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اسے جھوٹ بولنے سے کیا امر مانع ہو سکتا ہے؟

۳۔ جو دوسروں کو اپنے پروردگار کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ اور مشرک کی گواہی کس طرح قبول کی جا سکتی

ہے جبکہ وہ بدترین جرم وگناہ کا مرتکب ہورہا ہے؟

۱۵۵۔ قُلْ تَعَالَوْا ...الآیۃ۔

دس منصوص محرمات الٰہیہ کا اجمالی تذکرہ

سابقہ آیات شریفہ میں کفار ومشرکین کے خودساختہ حلال وحرام چیزوں کا تذکرہ اوراس پران کی زجرو توبیخ کرنے اور پھر اپنی طرف ان چار چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد جن کا کھانا حرام ہے۔ اب ان تین آیتوں میں ان دس عدد محرمات الٰہیہ کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو تمام شرائع میں مشترکہ طور پر حرام رہی ہیں اور ابدالآباد تک حرام رہیں گی۔ مگر قرآن نے ان کی حرمت کے بیان کرنے کا حکیمانہ انداز یہ اختیار کیا ہے۔ کہ کسی چیز سے تو براہ راست نہی کے صیغہ سے منع کیا گیا ہے جیسے شرک ''اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا'' کہہ کر اسے حرام قرار دیا گیا ہے اور کسی چیز کے کرنے کا صیغۂ امر سے حکم دیا گیا ہے جیسے والدین کے ساتھ احسان کرنا ''وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا'' ظاہر ہے کہ ہر وہ کام جس کا کرنا واجب ہو اس کا ترک کرنا حرام ہوتا ہے۔ اور جس کام کا کرنا حرام ہو اس کا ترک کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور وہ دس محرمات یہ ہیں۔

۱۔ شرک باللہ کرنا۔ ۲۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔

۳۔ فقروفاقہ کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنا۔ ۴۔ ظاہری و باطنی بے حیائی کا کام کرنا

۵۔ کسی کو ناحق قتل کرنا۔ ۶۔ ناجائز طریقہ پر یتیم کا مال کھانا۔

۷۔ ناپنے تولنے میں کسی قسم کی کمی کرنا۔ ۸۔ ظلم اور بے انصافی کرنا۔

۹۔ اللہ سے کئے ہوئے عہد وپیماں کو پورا نہ کرنا۔ ۱۰۔ صراط مستقیم کو چھوڑ کر مختلف راستوں کو اختیار کرنا۔

۱۵۶۔ اَلَّا تُشْرِكُوْا ...الآیۃ۔

بقدر ضرورت ان امور بالا کی تشریح وتوضیح

۱۔شرک

ایک سے زائد بار سابقہ مباحث اور آیات میں شرک کے جرم کی سنگینی اور اس کا نا قابل بخشش گناہ ہونا، نیز اس کی دو بڑی اقسام۔ ۱۔شرک جلی۔ ۲۔شرک خفی۔

پھر جلی کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔شرک ذاتی ۲۔شرک صفاتی ۳۔شرک افعالی ۴۔شرک عبادتی

اور شرک کی تمام اقسام کا تفصیلی بیان کیا جا چکا ہے یہاں ان مباحث کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے مذکورہ بالا مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۵۷۔ وَّبِالۡوَالِدَیۡنِ... الآیة۔

۲۔والدین کی نافرمانی

والدین کے ساتھ بھلائی اور اچھائی کرنے کا وجوب اور ان کی نافرمانی کے حرام ہونے اور اس کے گناہ وکبیرہ ہونے کا تذکرہ قبل ازیں متعدد مقامات پر بالخصوص سورہ بقرہ کی آیات نمبر ۸۳ ''وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا'' کی تفسیر کے ضمن میں تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہاں ان مطالب کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۵۸۔ وَلَا تَقۡتُلُوۡا ...الآیة۔

۳۔فقر وفاقہ کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنا

اگر چہ قتل نفس اخلاقی، قانونی، انسانی اور اسلامی نقطۂ نظر سے گناہان کبیرہ میں سے ایک بہت بڑا گناہ کبیرہ ہے۔ چہ جائیکہ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھ سے اور وہ بھی اس جاہلانہ خیال کے پیش نظر کہ ان کے نان ونفقہ کا کیا انتظام ہوگا شقاوت وسنگدلی کی وہ انتہا ہے جس کے بعد جوہر انسانیت تو کجا جوہر حیوانیت بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اولاد سے محبت کرنا خود بھوکا پیاسا رہ کر ان کا پیٹ بھرنا اور خود دکھ برداشت کر کے اولاد کو سکھ پہنچانا وہ جوہر ہے جو خالق فطرت نے عام حیوانات کی بھی فطرت میں ودیعت کر دیا ہے۔ تو جو شخص انسان کہلا کر اپنے ہاتھوں اپنی

اولاد کو قتل کرتا ہے بچوں کو فقر و فاقہ سے ڈر کر اور بچیوں کو غیرت کے نام پر وہ انسان تو در کنار حیوان کہلانے کا بھی حقدار نہیں ہے بلکہ ان سے بدتر ہے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (سورہ اعراف آیت......۱۷۹)۔

۱۵۹۔ وَلَا تَقْرَبُوا ...الآیۃ۔

۴۔ظاہری و باطنی طور پر بے حیائی والے کام کرنا

فواحش فاحشہ کی جمع ہے اور فاحشہ سے مراد ہر وہ قول و فعل ہے جو قباحت میں حد سے بڑھ جائے جیسے زنا، لواطت، ظلم و جور، کذب و افتراء، غلط الزام و بہتان، گلہ گوئی اور عیب جوئی، چوری چکاری اور شراب خوری وغیرہ وغیرہ۔ ان کا ظاہر و باطن اور جلوت و خلوت میں ارتکاب کرنا شرعاً حرام ہے ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دور جاہلیت کے لوگ علانیہ زنا کرنے کو تو ناپسند کرتے تھے۔ مگر چھپ کے یہ بدکاری کرنے میں کوئی قباحت نہیں جانتے تھے۔ اللہ نے ایسے لوگوں کی ردکی ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ فرمایا:

''الا اخبر کم با بعد کم منی شبهاً قالوا بلیٰ یا رسول الله ! قال الفاحش المتفحش البذی البخیل المختال الحقود الحسود القاسی القلب البعید عن کل خیر یر جیٰ غیر مامون من کل شر یتقی'' کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تم سب سے کون شخص مشابہت کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ دور ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! فرمایا یہ وہ شخص ہے (جس میں مندرجہ ذیل برائیاں پائی جائیں)۔

۱۔ جو قولی اور فعلی طور پر فحش کام کرے ۲۔ بدزبان اور زبان دراز ہو ۳۔ بخیل و کنجوس ہو ۴۔ متکبر مزاج ہو ۵۔ کینہ پرور ہو ۶۔ حسد کرنے والا ہو ۷۔ قسّ القلب ہو ۸۔ ہر خیر و خوبی والے کام سے دور ہو ۹۔ ہر برے کام کی اس سے توقع ہو۔ (تفسیر کاشف)

مخفی نہ رہے کہ خدائے حکیم نے یہاں لاتقربوا فرمایا (کہ فواحش کے قریب بھی نہ جاؤ)۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام وہ چیزیں جو دل میں گناہوں کی تحریک پیدا کرتی ہیں مثلاً فحش گانے، ننگی تصویریں اور غلیظ لٹریچر سب سے دور رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ماظهر منها وما بطن نے اس حکم کو وسیع کر دیا کہ فواحش کا ارتکاب ظاہر اور باطن جلوت و خلوت میں ممنوع ہے۔ (ضیاء القرآن)۔

۱۶۰۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ ...الآیتہ۔ ۱۶۴

۵۔ کسی کو ناحق قتل کرنا

جس شخص کا خون بہانا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس سے مراد اس شخص کا قتل کرنا ہے وہ جو قصاص، زنائے محصن، فساد فی الارض اور ارتداد کی وجہ سے واجب القتل نہ ہو شریعت مقدسہ میں اس کا قتل کرنا گناہان کبیرہ میں سے ہے۔ جس پر خدانے پانچ سزاؤں کی تہدید فرمائی ہے ارشاد قدرت ہے۔ ''وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا'' (سورہ نساء آیت ...... ۹۳)۔ جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے۔ جس میں ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا قہر وغضب ہے، اللہ نے اس پر لعنت کی ہے اور اس کیلئے خوار کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

آیات القرآن

وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ‌ ۚ
وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ‌ ۚ لَا نُـكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا‌ ۚ
وَاِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى‌ ۚ وَبِعَهۡدِ اللّٰهِ اَوۡفُوۡا‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ
وَصّٰٮكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَۙ‏ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىۡ مُسۡتَقِيۡمًا
فَاتَّبِعُوۡهُ‌ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ
وَصّٰٮكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ‏ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡـكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى
الَّذِىۡۤ اَحۡسَنَ وَتَفۡصِيۡلًا لِّـكُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ بِلِقَآءِ
رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ‏ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوۡهُ وَاتَّقُوۡا
لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَۙ‏ ﴿۱۵۵﴾

ترجمۃ الآیات

۶۔اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد و کمال تک پہنچ جائے۔ ۷۔اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری کرو۔ہم کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔۸۔ اور جب کوئی بات کہو تو عدل و انصاف کے ساتھ۔اگرچہ وہ (شخص) تمہارا قرابتدار ہی کیوں نہ ہو۔۹۔اور اللہ کے عہد و پیمان کو پورا کرو۔یہ وہ ہے جس کی اس (اللہ) نے تمہیں وصیت کی ہے شاید کہ تم عبرت حاصل کرو۔(۱۵۲)۔۱۰۔اور (یہ بھی کہو) یہ ہے میرا سیدھا راستہ اسی کی پیروی کرو۔اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اس (اللہ) کے راستہ سے جدا کر دیں گے یہ ہے جس کی اللہ نے تمہیں وصیت کی ہے شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔(۱۵۳) پھر ہم نے موسیٰ کو وہ کتاب عطا کی جو نیک عمل کرنے والے پر نعمت کی تکمیل ہے۔اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور (لوگوں کیلئے) سراسر ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری و حضوری پر ایمان لائیں (۱۵۴) اور یہ (قرآن) بڑی بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے پس تم اس کی پیروی کرو۔اور تقویٰ اختیار کرو۔شاید کہ تم پر رحم کیا جائے (۱۵۵)۔

تفسیر الآیات

۱۶۱۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ ...الآية۔ ۱۶۵

۶۔ناجائز طریقہ پر یتیم کا مال کھانا

قبل ازیں سورہ نساء آیت نمبر ۵،۶ کی تفسیر میں ہم اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کر چکے ہیں۔

اور یتیم کے مال کو خورد برد کرنے اور ناجائز طریقے پر اس میں تصرف کرنے کے گناہ کی سنگینی پر بقدر ضرورت گفتگو کر چکے ہیں اور قرآن کی روشنی میں واضح کر چکے ہیں کہ ''اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا''(سورہ نساء آیت......۱۰)۔کہ جو لوگ ظلم وستم اور غلط طریقہ سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور ان کے اولیاء پر ان کے

مال کی حفاظت اس وقت تک فرض ہے جب تک وہ ''اشد'' کو نہ پہنچ جائیں اور ''اشد'' کی تفسیر بلوغت اور رشد سے کی گئی ہے کہ وہ سن وسال کے اعتبار سے بالغ ہو جائیں اور عقل وخرد کے لحاظ سے اپنے نفع ونقصان کو سمجھنے لگ جائیں۔ اور اپنے مال کی حفاظت کرنے اور اسے صحیح مصرف میں صرف کرنے کے طریقہء کار سے آگاہ ہو جائیں بعد ازاں ان کا مال ان کے حوالے کر دیا جائے۔

۱۶۲۔ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ...الآية۔

۷۔ناپ تول میں کمی کرنا

قرآن مجید میں ایسے لوگوں کی سخت مذمت کی گئی ہے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں اور لین دین میں بد دیانتی کرتے ہیں۔ ارشاد قدرت ہے۔''الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ''(سورہ مطففین ...... ۳)۔ بربادی ہے تول میں کمی کرنے والوں کیلئے جو جب لیتے ہیں تو پورا ناپ تول کر لیتے ہیں اور جب ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں اور اس کا نام عربی زبان میں'' تطفیف'' ہے۔ جس کی مذمت میں پورا سورہ مطففین موجود ہے۔ جس میں اس فعل کی حرمت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ایسا کرنیوالے کو سخت وعید وتہدید کی گئی ہے۔ لہٰذا ایک بندہ مسلمان کیلئے اس سلسلہ میں حزم واحتیاط واجب ولازم ہے اور اس معاملہ میں دیانت داری سے کام لینا فرض ہے۔ یہ حق الناس کا معاملہ ہے جو حق اللہ سے بھی زیادہ سخت ہے اس کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے کہ لانکلف نفساً ہم کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں مقدور بھر کوشش کرنا فرض ہے کہ دینے والے کی غرض یہ ہو کہ وہ قیمت کم لے اور مال زیادہ دے، اور لینے والے کی نیت یہ ہو کہ وہ دام زیادہ دے اور مال کم لے اور اگر نادانستہ طور پر کچھ کمی بیشی ہو جائے تو معاف ہے۔

۱۶۳۔ وَاِذَا قُلْتُمْ ...الآية۔

۸۔ظلم اور بے انصافی کرنا حرام اور عدل کرنا واجب ہے

قول ہو یا فعل، حکومت ہو یا قضاوت بہرحال عدل وانصاف کرنا کس قدر واجب ولازم ہے اور ظلم و زیادتی اور بے انصافی کس قدر شدید حرام ہے اس کی تفصیل ہم آیت مبارکہ''وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا اقف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى''(سورہ مائدہ آیت......۸) کسی قوم کے ساتھ تمہاری ذاتی دشمنی تمہیں اس کے بارے میں عدل نہ کرنے پر آمادہ نہ کرے عدل کرو کہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، کی

تفسیر میں بیان کر چکے ہیں نیز عدل وانصاف کے فوائد و برکات اور ظلم و بے انصافی کے نقصانات اور دینی و دنیاوی مضرات پر مکمل گفتگو کر چکے ہیں اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ۔

۱۶۴۔ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ ... الآیۃ۔

۹۔ اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا نہ کرنا حرام ہے۔

جب ایک بندے سے کیے ہوئے عہد و پیمان کی پابندی واجب ہے اور اس کی خلاف ورزی حرام ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ ''وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا'' (سورہ بنی اسرائیل آیت ...... ۳۴)۔ وعدے کی پابندی کرو کیونکہ (بروز قیامت) عہد کے بارے میں باز پرس کی جائیگی تو جو عہد و پیمان خدا سے باندھا جائے خواہ اسلام قبول کرتے وقت زبان حال سے ہو یا کبھی زبان مقال سے دنیا کے بارے میں ہو یا آخرت کے بارے میں یا عہد عالم الست سے متعلق ہو یا دنیا میں آ کر ظاہری اسلام قبول کرتے وقت یا یہ عہد خدا کے امر و نہی کی صورت میں ہو بہر حال اس کی پابندی فرض ہے۔ ارشاد رب العزت ہے۔ ''وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ'' (سورہ نحل آیت ...... ۹۱)۔ یعنی اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرو۔ علماء وفقہاء کے بیان کے مطابق اس ایفاء عہد میں نذر (منت) اور قسم بھی داخل ہے اور ہر صورت میں اس میں وہ عہد و پیمان بھی داخل ہے جو خدا نے اپنے بندوں سے شیطان کی اطاعت نہ کرنے کے بارے میں لیا تھا۔ ''اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ'' (سورہ یٰس آیت ...... ۶۰)۔

۱۶۵۔ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ ... الآیۃ۔

۱۰۔ صراط مستقیم کو چھوڑ کر مختلف راستوں کو اختیار کرنا حرام ہے۔

منجملہ محرمات کے ایک فعل حرام یہ بھی ہے کہ آدمی اسلام کا صراط مستقیم چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے کہ اس کا نتیجہ ہلاکت و گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ''وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ'' (سورہ آل عمران آیت ...... ۸۵)۔ ارشاد قدرت ہے۔ یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس کی پیروی کرو اور مختلف راستوں کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے علیحدہ کر دیں گے حدیث میں وارد ہے کہ ایک بار حضرت رسول خداؐ نے اپنے ہاتھ سے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے (صراط مستقیم ہے) پھر اس کے دائیں بائیں ٹیڑھے ترچھے بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا

ان میں سے ہر ایک راستہ پر شیطان بیٹھا ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ حقیقت الامر یہی ہے کہ صداقت وحقیقت کا سیدھا راستہ ایک ہی ہوتا ہے ایک سے زیادہ راہیں سچائی کی نہیں ہوسکتیں اس لئے فرمایا کہ ایک ہی راستہ پر چلو اگر متعدد راستوں پر چلو گے تو بھٹک جاؤ گے۔

''ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ' یہ وہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔

۱۶۶۔ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى ...الآیۃ۔

توارت کے نازل کرنے اوراس کی صفات کا تذکرہ

پھر ہم نے موسیٰ کو توارت عطا فرمائی ثم حرف عطف ہے جو مہلت وتراخی کی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یہ کس طرح استعمال ہوا ہے۔ جبکہ صورتحال برعکس ہے کہ توارت صدیوں پہلے نازل ہوئی اور قرآن بعد میں نازل ہوا؟ اس کے متعلق مفسرین نے متعدد وجوہ بیان کیے ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں ترتیب نزولی مراد نہیں ہے۔ بلکہ ترتیب ذکری مراد ہے۔ یعنی مقام حوالہ اور ذکر میں اس کا تذکرہ بعد میں کیا جارہا ہے۔ اور اگر اس کا وصاکم پر عطف کیا جائے۔ تو پھر یہ حرف اپنے حقیقی معنی پر قائم رہے گا یعنی ان باتوں کی وصیت تو خدا نے پہلے بھی کی تھی اور بعدازاں اس مقصد کیلئے ایک مستقل کتاب یعنی توارت بھی نازل فرمائی۔ (تفسیر صافی)۔

اس آیت میں توارت کی چار صفتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ اتمام نعمت کا ذریعہ۔ ۲۔ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔ ۳۔ ذریعہ ہدایت ہے۔

۴۔ نزول رحمت کا وسیلہ ہے یعنی سراسر ہدایت ورحمت ہے۔

اس میں اتمام نعمت ہے اور دور کے تقاضوں کے مطابق جن چیزوں کا دین سے تعلق ہے وہ بیان کر دی گئی ہیں مگر دوسری غیر متعلق چیزوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کا یہ مفہوم ہے کہ اب اس کے بعد کسی اور کامل واکمل کتاب اور جامع ومانع شریعت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تھی اور یقیناً تھی جسے قرآن اور اسلام کے ذریعہ سے پورا کیا گیا ہے۔ ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا'' (سورہ مائدہ آیت...... ۳)۔

۱۶۷۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ ...الآیۃ۔

قرآن مجید کا تذکرہ

اس آیت شریفہ کی تفسیر اس سے پہلے اسی سورہ کی آیت ۹۳ وہذا کتاب انزلناہ مبارک کے ضمن میں کی جا چکی ہے اور وہاں واضح کیا جا چکا ہے کہ قرآن کس طرح بابرکت کتاب ہے اور کس طرح اس کی اتباع اور پیروی میں دنیا و آخرت کی فوز و فلاح مضمر ہے۔ لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا۪ وَ اِنْ كُنَّا
عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَۙ۝۱۵۶ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْكِتٰبُ
لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ ۚ
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ
یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ۝۱۵۷ هَلْ
یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّكَ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ
رَبِّكَ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ
اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا
مُنْتَظِرُوْنَ۝۱۵۸

ترجمۃ الآیات

(اور اس لئے بھی نازل کی ہے کہ) تم یہ کہو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر تو کتاب (تورات و انجیل) نازل کی گئی۔ اور ہم تو (عرب ہونے کی وجہ سے) ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل و بے خبر تھے (۱۵۶) یا یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی گئی ہوتی تو ہم ان لوگوں سے زیادہ راہ راست پر ہوتے۔ تو اب (تمہارے تمام عذر بہانے قطع

کرنے کیلئے) تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی ہوئی دلیل اور ہدایت و رحمت (قرآن کی صورت میں) آ گئی ہے سو اب اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو آیات الٰہی کو جھٹلائے اور ان سے روگردانی کرے۔ ہم عنقریب ان لوگوں کو جو ہماری آیات سے روگردانی کرتے ہیں۔ بڑے عذاب کی سزا دینگے (۱۵۷) کیا یہ لوگ اب صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں؟ یا تمہارا پروردگار بذات خود آ جائے یا تمہارے پروردگار کی بعض خاص نشانیاں آ جائیں۔ یہ تب (ایمان لائیں گے)۔ تو پھر (یاد رکھو) جس دن تمہارے پروردگار کی بعض مخصوص نشانیاں آ جائیں گی تو اس دن ایسے شخص کو ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا۔ اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی ہوگی۔ اس سے کہو کہ تم بھی انتظار کرو۔ ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ (۱۵۸)

تفسیر الآیات

۱۶۸۔ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ...الآیۃ۔

نزول قرآن کا ایک مقصد مشرکین کا عذر قطع کرنا بھی ہے

مشرکین عرب سے خطاب کیا جا رہا ہے کہ تم اپنے کفر و شرک کا یہ عذر پیش نہ کر سکو کہ ہم سے پہلے دو بڑے گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر کتابیں (توراۃ و انجیل) نازل کی گئیں چونکہ وہ عربی زبان میں نہ تھیں اس لئے ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے۔ اس لئے ہم نے عربی زبان میں قرآن نازل کر کے تمہارے اسلام قبول نہ کرنے کا یہ عذر قطع کر دیا ہے۔ نیز اس کے نازل کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ تم لوگ یہ نہ کہہ سکو کہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی بڑھ چڑھ کر راہ ہدایت پر گامزن ہوتے۔ لو اب تو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے کھلی ہوئی دلیل (کتاب) آ گئی ہے جو کتاب ہدایت اور ذریعہ رحمت ہے۔ تو جو (بدبخت) اب بھی ایمان نہیں لائے گا بلکہ آیات الٰہیہ کو جھٹلائے گا اور ان سے روگردانی کرے گا تو اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟

۱۶۹۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ...الآیۃ۔

کافر کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟

جب سیدالانبیاء تشریف لا چکے معجزات دکھا چکے اور قرآن جیسی عدیم النظیر کتاب لا چکے مگر یہ بدبخت لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائے اور نہ ہی خواب غفلت سے بیدار ہوئے تو اب یہ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟

۱۔ آیا اس کا کہ ان کے پاس فرشتے آئیں؟ ۲۔ یا خود اللہ آئے؟

۳۔ یا اس کی کوئی خاص نشانی آئے؟

ان تین چیزوں کی وضاحت

فرشتوں سے کون سے فرشتے مراد ہیں؟ موت والے عام عذاب والے؟ یا عذاب قبر والے؟ مشہور یہ ہے کہ اس سے موت والے فرشتے مراد ہیں کہ آ کر ان کی روح قبض کر کے لے جائیں؟ خود اللہ آئے؟ سے کیا مراد ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ یہاں ایک مضاف محذوف ہے؟ وہ کیا ہے؟ امر ہے؟ ''جاء امر ربك'' یعنی ان کے عذاب کے متعلق تمہارے پروردگار کا حکم آئے۔ وہ عذاب ہے؟۔ اے جاء امر ربك یعنی تمہارے پروردگار کا عذاب آئے اور انہیں تباہ و برباد کر دے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اللہ کی کسی خاص نشانی سے کیا مراد ہے؟ مشہور یہ ہے کہ اس سے اشراط الساعہ یعنی قیامت کی بعض علامات مراد ہیں جیسے مشرق کی بجائے مغرب کی جانب سے سورج کا طلوع ہونا وغیرہ چنانچہ روایات میں وارد ہے کہ جب یہ صورتحال رونما ہوگی تو تمام کافر کلمہ پڑھنے لگ جائیں گے اور سب فاسق و فاجر توبہ کر کے نیک بننا شروع کر دیں گے۔ مگر نہ ان کا ایمان قبول ہوگا اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی (تفسیر صافی)

خداوند حکیم فرما رہا ہے کہ اگر حقیقت الامر یہی ہے کہ یہ لوگ انہیں تین چیزوں میں سے کسی ایک کا انتظار کر رہے ہیں تو پھر اس کا فائدہ کیا ہے؟ کیونکہ جب کوئی ایسی صورتحال درپیش ہوئی تو پھر تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور اس وقت ایمان لانا اور نیک عمل کرنا کوئی فائدہ نہیں دے گا کیونکہ جب غیب شہود بن جائے، بیان عیان بن جائے اور نبی کی زبان سے کان سے سنی ہوئی بات حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے آ جائے تو قانون قدرت یہ ہے کہ اس وقت توبہ وانابہ کا در بند ہو جاتا ہے اور توبہ کرنا، ایمان لانا اور نیک عمل بجالانا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

ارشاد قدرت ہے۔ ''وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ'' (سورہ نساء......۱۸)۔ یعنی ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو گناہ پر گناہ

کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو وہ کہتا ہے میں اب توبہ کرتا ہوں۔اس کی تفسیر میں پیغمبر اسلامؐ سے مروی ہے فرمایا:

''ان توبۃ العبد تقبل مالم یغرغر''بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول ہوتی ہے جب تک نزع کی حالت میں غرغرہ موت کی کیفیت نمودار نہ ہوجائے۔

''فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ''(سورہ اعراف آیت......۷۱)۔

آیات القرآن

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَآ
اَمْرُھُمْ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ
فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَھَا وَھُمْ
لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا
مِّلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ
وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ
اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے ان کا معاملہ بس اللہ کے حوالے ہے۔ پھر وہ انہیں بتلائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے (۱۵۹) جو شخص ایک نیکی لے کر (اللہ کی بارگاہ میں) آئے گا اس کو دس گنا (اجر) ملے گا۔اور جو ایک بدی لائے گا اس کو اس کی مقدار کے مطابق دی جائے گی۔اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔(۱۶۰) آپ کہیں! بے شک میرے پروردگار نے مجھے بڑے سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کردی ہے یعنی اس صحیح اور راستہ دین کی طرف جو باطل

سے ہٹ کر صرف حق کی طرف راغب ابراہیم کی ملت ہے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے (۱۶۱) (اے رسول) کہو میری نماز اور میری تمام (مختلف) عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت صرف اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (۱۶۲) اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے سر تسلیم خم کرنے والا ہوں (۱۶۳)

تفسیر الآیات

۱۷۰۔ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا ... الآیۃ۔

جن لوگوں نے دین میں تفرقہ ڈالا پیغمبر اسلامؐ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے

جس طرح کوئی چشمہ جب اپنے منبع سے نکلتا ہے تو وہ بالکل صاف وشفاف ہوتا ہے اور پھر جوں جوں اپنے مرکز سے دور ہوتا جاتا ہے توں توں راستہ میں اس کے اندر خس وخاشاک اور گرد وغبار کی آمیزش ہوتی جاتی ہے۔ جس سے اس کا رنگ گدلا ہوجاتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت دین کی ہے کہ جب خدا دین بناتا ہے اور اپنے پیغمبر کے ذریعہ لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ تو وہ چشمہ صافی کی طرح کفر، شرک، بدعت، ضلالت، جہالت اور ہر قسم کے زیغ وضلال سے پاک وصاف ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ بدفطرت، بدنہاد لوگ اور بالخصوص دین کے نام پر دنیا کے سوداگر اس میں الائشات کی آمیزش اس چابکدستی سے کردیتے ہیں کہ جس سے اصل دین کا اسطرح حلیہ بگڑ جاتا ہے کہ اصل ونقل میں امتیاز کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔

دین میں تفرقہ ڈالنے والوں سے مراد کون لوگ ہیں؟

مفسرین میں اس بات کے بارے میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ جن لوگوں کی یہاں دین میں تفرقہ سازی کی وجہ سے مذمت کی جارہی ہے اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعض نے یہود، بعض نے نصاریٰ مراد لئے جنہوں نے یہودیت اور نصرانیت کے کئی مختلف فرقے بنادیے اور بعض نے اس سے عام بدعتی اور نو ایجاد اسلامی فرق اور مسالک کے بانی مراد لئے ہیں اگرچہ قرآنی الفاظ میں ان سب کی گنجائش ہے۔ مگر حسب ظاہر اس سے مراد اہل کتاب ہی ہیں۔ اور خداوند علیم وحکیم نے ان سے حضرت رسول خدا کی برات و بیزاری کا اعلان کرکے دراصل مسلمانوں کو تہدید کی ہے کہ اگر تم نے اسلام کے ساتھ وہی سلوک کیا جو یہود نے موسویت اور

نصاریٰ نے عیسائیت کے ساتھ کیا ہے تو آنحضرتؐ تم سے اسی طرح بری و بیزار ہو جائیں گے جس طرح ان سے ہیں۔'' پیروان مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے بھی یہی تفرقہ ڈالکر الگ الگ گروہ بندیاں اور باہم دگر مخالف جتھے بنالئے نتیجہ یہ نکلا کہ نجات وسعادت کا دارومدار ایمان و عمل پر نہ رہا گروہ بندیوں پر آٹھہرا پس فرمایا جن لوگوں کا یہ شیوہ ہے تمہیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہے (ترجمان القرآن)۔

۱۷۱۔من جاء بالحسنة ۔۔۔الآیة

اس کی کو یا شان کریمی ہے کہ ایک نیکی کے عوض کم از کم دس نیکیوں کا جر وثواب عطا فرماتا ہے۔ اور کی عدل ہے کہ ایک برائی کا بدلہ ایک برائی کے برابر دیتا ہے **فالویل لمن غلبت احادہ علی اعشان** افسوس ہے اس شخص پر جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آجائیں۔

۱۷۲۔ قُلْ اِنَّنِیْ هَدَانِیْ ...الآیة۔

اللہ کا دین اسلام جو ملت ابراہیمی کی صحیح تفسیر ہے یہی صراط مستقیم ہے اور اس کا خلاصہ

ابھی اوپر آیت نمبر ۱۵۳ میں دین اسلام کے بارے میں فرمایا! ''وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ'' (سورہ انعام آیت ...... ۱۵۳)۔ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ اسی کی اتباع کرو۔ اور اسی دین کو یہاں آیت نمبر ۱۶۱ میں ''دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ'' جناب ابراہیم راست رو کا مستحکم دین کہا گیا ہے۔ جو خدا نے بنایا اور پیغمبر اسلامؐ نے پورے تیئیس سال کی شبانہ روز کی محنت شاقہ سے بے کم و کاست لوگوں تک پہنچایا۔ مگر جس طرح یہود نے موسویت کے اکہتر فرقے اور عیسائیت کے بہتر (۷۲) فرقے بنا ڈالے تھے بدقسمت مسلمانوں نے مزید برآں ایک فرقہ کا اضافہ کر کے ایک اسلام کے پورے تہتر اسلام بنادے۔ دین اسلام اس قدر سادہ سلیس و آسان ہے کہ بھیڑ بکریاں چرانے والے بدوبھی اسے سمجھ جاتے تھے۔ مگر آج لوگوں نے دین کو ایک ایسا معمہ بنادیا ہے جو نہ سمجھنے کا ہے نہ سمجھانے کا۔ چند سادہ سے اصول ہیں۔ جن میں اصل الاصول توحید پروردگار ہے کہ کائنات کا خالق و مالک اور پالک ایک ہے ذات میں، صفات میں، افعال میں اور عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ عادل ہے۔ اس کی ساحت قدس میں ظلم نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کا آخری پیغمبر ذات وصفات میں بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کا مصداق ہے ان کے بعد حضرت علی علیہ السلام سے لے کر مہدیؑ برحق تک بارہ ائمہ طاہرینؑ اللہ کے ولی اور پیغمبرؐ اسلام کے وصی اور خلق و خالق کے

درمیان وسیلہ ہیں اور بنی نوع انسان کے افضل افراد ہیں، قیامت اور اس کے متعلقہ مباحث از قسم حساب وکتاب اور جنت ونار برحق ہیں جن میں کوئی شک نہیں ہے۔ باقی فروع دین میں کچھ عبادات میں کچھ واجبات اور کچھ محرمات کچھ انسانی تعلقات کو خوشگوار بنانے کیلئے معاملات ہیں کچھ اخلاقیات، میں الغرض زندگی گذارنے اور اسے خوشگوار بنانے اور حیات بعد الممات یعنی آخرت کو سنوارنے کیلئے خدا کے چند مقرر کردہ اصول وضوابط ہیں جن کی تمام شعبہ ہائے حیات میں پابندی واجب ولازم ہے۔

۱۷۳۔ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي... الآیۃ۔

ایک مسلمان کا شیوہ وشعار اور طریقہ کار یہ ہے

کہ وہ اسلام کے وقار کی اونچی چٹان پر کھڑا ہو کر سینہ تان کے اور گردن بلند کر کے با آواز بلند یہ اعلان کرتا ہے کہ میری نماز، میری قربانیاں، میری سب عبادات اور میری زندگی اور میری موت میری رضا، میری ناراضی، میری محبت اور میری نفرت الغرض۔ میرا سب کچھ میرے خدا کا ہے۔ جو عالمین کا پروردگار ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اگر مختلف فرق اور مسالک کے وجود میں آنے اور اللہ کے دین میں تحریف وتفریق کے علل و اسباب کا سرسری طور پر جائزہ لیا جائے تو اس کے چند اسباب سامنے آتے ہیں جیسے

۱۔ تلبیس ابلیس۔ ۲۔خواہشات نفس کی اتباع۔

۳۔ذاتی خیالات کی پیروی ۴۔ذاتی مفادات کا تحفظ۔

۵۔ذاتی وقار واقتدار کا حصول۔ ٦۔اپنے بزرگوں سے غلو کی حد تک عقیدت۔

۷۔کسی سے حد سے بڑھی ہوئی نفرت وعداوت۔

۸۔فروعی باتوں میں مبالغہ آرائی اور غیر معمولی اہمیت ۹۔غیر ضروری موشگافیاں۔

۱۰۔اور سب سے زیادہ خطرناک رجحان یہ کہ اختلاف فکر ونظر کو ذاتی عداوت کا رنگ دے دیا گیا۔ اور اسلامی رواداری اور تحمل کا فقدان ہو گیا اور اس کی جگہ اشتعال انگیزی نے لے لی۔ جس کا نتیجہ آج فرقہ واریت اور دہشت گردی کی شکل میں سامنے آرہا ہے۔ سچ ہے

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے جو جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

اور یہ وہ چیز ہے۔جس سے صرف مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ سب سے زیادہ نقصان خود اسلام کو اور اس کی ساکھ کو پہنچ رہا ہے کہ جب غیر قومیں آج مسلمانوں کے حالات کو دیکھتی ہیں تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھتی ہیں ۔ ع۔

یہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا؟

بہرحال عام لوگ جو چاہیں کریں دین حق کے ایک سچے نام لیوا اور پیروکار کا فرقہ واریت کی ان تمام الائشات، گروہ بندیوں کی تمام کثافات تعصّبات کی ان تمام نجاسات سے بیزاری کا اعلان کر کے اپنے آپ کو نرا اکھر مسلمان ہونے کا اعلان واجب الاذعان کرنا پڑے گا ہو سما کم المسلمین ۔ جب اللہ نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے تو ہمیں مسلمان کہلانے پر فخر محسوس کرنا چاہیے۔

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم دعا ہے کہ خداوند عالم ہم مسلمانوں کی حالت زار پر رحم فرمائے اور ہمیں فرقہ واریت کی لعنت سے بچائے اور اصلی اسلام پر چلنے اور اسی پر مرنے کی توفیق مرحمت فرمائے ۔ بحق النبی والہ

آیات القرآن

قُلۡ اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِىۡ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَىۡءٍ ؕ وَلَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ اِلَّا عَلَيۡهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ مَّرۡجِعُكُمۡ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَـكُمۡ خَلٰٓـئِفَ الۡاَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَكُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيۡعُ الۡعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَـغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۶۵﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسول) کہہ دیجیئے! کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا

پروردگار ہے اور ہر نفس جو کچھ کماتا ہے اس کا وبال اسی پر ہے۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم سب کی بازگشت تمہارے پروردگار کی طرف ہے سو وہی تمہیں بتائے گا جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے (۱۶۴) وہ (خدا) وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں (پہلوں) کا خلیفہ اور جانشین بنایا اور تم سے بعض کو بعض پر درجات کے اعتبار سے بلندی عطا فرمائی تاکہ جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک تمہارا پروردگار بہت جلد سزا دینے والا اور بے شک وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا بھی ہے۔ (۱۶۵)

تفسیر الآیات

۱۶۴ قُلْ اَغَیْرَ اللہ ...الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول

کہا گیا ہے کہ کفار مکہ نے حضرت رسول خداؐ سے کہا تھا کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں۔ اگر آپ کو دنیا و آخرت میں کوئی تکلیف پہنچے تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ تب یہ آیت اتری (مجمع البیان) کہ آپ ان احمقوں سے کہیں کہ تمام کائنات کے پروردگار اور تمام موجودات کے معبود برحق کو چھوڑ کر میں کسی اور پروردگار کو تلاش کروں؟ اس مطالبہ کی رکاکت اور حماقت کی کوئی حد؟ باقی تمہارا یہ کہنا بھی کس قدر فضول اور خلاف عقل ہے کہ تم میرے ذمہ دار ہو۔ ہر شخص اپنے قول و فعل کا خود ذمہ دار ہے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۱۶۵۔ وَلَا تَزِرُ ...الآیۃ۔

اور اگر تم اپنے آباؤ اجداد کے قول و فعل کو ان کے نقش قدم پر چلنے کا جواز بناتے ہو تو یہ بھی ایک لغو بات ہے وہ اپنے عمل کے خود ذمہ دار تھے اور تم خود اپنے عمل کے ذمہ دار ہو۔ انہوں نے غلط کام کئے ہیں تو وہ خود اس کی سزا بھگتیں گے۔ کیونکہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور جو کوئی جیسا کرے گا ویسا بھرے گا کوئی کسی کے عوض پکڑا نہیں جائے گا اور کسی کو کسی کیلئے قربانی کا بکرا نہیں بنایا جائے گا اللہ کے اسی حکیمانہ اور عادلانہ کلام سے اس روایت کی رکاکت واضح و عیاں ہو جاتی ہے کہ ''ان المیت یعذب ببکاء الحی علیہ'' زندہ کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ بالغرض اگر زندہ کا یہ فعل غلط ہے تو سزا اسے ملنی

چاہیے بھلا اس میں مردہ کا کیا قصور ہے؟ غلطی زندہ کرے اور سزا مردہ بھگتے ؟

بوفت عقل ز حیرت کہ
ایں چہ بوالعجبی است؟

۱۶۶۔ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ ...الآیۃ۔

خلائف خلیفہ کی جمع ہے۔جس کی معنی قائمقام کے ہیں۔ظاہر ہے کہ اس لفظ کے معنی ہر جگہ خدا کی خلافت و نیابت جیسا کہ بعض مترجمین ومفسرین نے کیے ہیں، یا دنیا کی حکمرانی کے جیسا کہ دوسرے بعض مفسرین نے کئے ہیں نہیں ہوتے اس لئے یہاں اس سے پہلی امتوں کی قائم مقامی اور جانشینی مراد ہے۔کہ ان کی جگہ تمہیں آباد کیا ہے کیونکہ نظام قدرت یہی ہے کہ جس طرح گذشتہ عہدوں میں مختلف قومیں ایک دوسرے کی جانشین ہوتی رہی ہیں اب وقت آ گیا ہے کہ پیروآن قرآن واسلام سابقہ قوموں کے جانشین ہوں تا کہ قرآنی صداقت اجاگر ہو جائے بہرحال۔

ہر کہ آمد عمارتِ نوساخت
رفت و منزل بدیگرے پرداخت

۱۶۷۔ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ ...الآیۃ۔

خدائے علیم وحکیم نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے دنیوی مقام وشان کے اعتبار سے مال و دولت، قوت وطاقت، شکل وعقل، صورت وسیرت علم وفضل اور عزت وعظمت کے لحاظ سے بعض کے درجے بعض سے بلند وبالا قرار دے ہیں۔اور بعض کو دوسرے بعض پر فوقیت دی ہے کہ ایک مالدار ہے تو دوسرا غریب ونادار ایک طاقتور ہے تو دوسرا کمزور ایک خوب صورت ہے تو دوسرا بدصورت ایک عقلمند ہے تو دوسرا احمق اور ایک عالم ہے تو دوسرا جاہل وغیرہ وغیرہ تا کہ تمہاری آزمائش کی جائے کہ اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کون کرتا ہے اور اس کی نازل کردہ مصیبتوں پر صبر کون کرتا ہے؟ اور پھر ان نعمتوں کو ان کے صحیح مصرف میں صرف کون کرتا ہے اور غلط استعمال کر کے کفران نعمت کا ارتکاب کون کرتا ہے واضح رہے کہ یہ چیزیں اور یہ بلندی وپستی خدا کے ہی قبضہ قدرت میں ہے بالفرض اگر یہ چیز بندوں کے اختیار میں ہوتی ہے تو پھر کون بلندی کو چھوڑ کر پستی کو اختیار کرتا؟ وہ بدکاروں اور نافرمانوں کو اپنی گرفت میں لانا چاہے تو وہ سریع العقاب بھی ہے ان بطش ربك لشدید۔کیونکہ غیر بعید کل ماھوآت ۔کوئی اس سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتا اور اگر کوئی گناہگار گناہ کر کے نادم ہو جائے اور توبہ وانابہ کر لے تو غفور بھی ہے اور اطاعت گذاروں و فرمانبداروں کیلئے رحیم بھی ہے۔

اے کریمے کہ ازخزانہ غیب

گبروتر سا وظیفہ خود خواری

دوستاں راکجا کنی محروم

توکہ بادشمنان نظرداری

اللهم اغفرلنا وارحمنا واعف عنا فی الدنیا والآخرت بحق النبی وعترته الطاهرة۔

سُوْرَةُ الْأَعْرَافِ

(مَكِّيَّةٌ)

آياتها مائتان وستة وركوعاتها اربعة وعشرون

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔اس کی آیات ۲۰۶ اور رکوع ۲۴ ہیں۔اس کا زمانہ نزول سورہ انعام کے زمانہ نزول کے قریب ہے یعنی مکی زندگی کے آخری سالوں میں یعنی ہجرت سے کچھ پہلے نازل ہوا ہے۔

وجہ تسمیہ

اعراف جو کہ جنت وجہنم کے درمیان ایک بین بین مقام کا نام ہے۔بقول شاعر

حوران بہشتی راا عراف بود دوزخ
از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

اس کا تذکرہ چونکہ خاص طور پر اس سورہ میں کیا گیا ہے اس لئے اس کا نام سورہ اعراف رکھا گیا ویسے تو یہ سورہ بھی دوسری قرآنی سورتوں کی مانند مختلف مضامین ومعانی کا بحر بے کران ہے۔مگر خصوصیت کے ساتھ اس میں درج ذیل مضامین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس سورہ کے مضامین کی اجمالی فہرست

(۱)۔قرآن کا لاریب آسمانی کتاب ہونا اور اس کی پیروی کا حکم۔

(۲)۔میزان عدل پر اعمال کا تولا جانا۔

(۳)۔جناب آدم اور ابلیس کی باہمی گفتگو۔

(۴)۔خدائے رحمٰن اور شیطان کا باہمی مکالمہ۔

(۵)۔ملائکہ و سجود آدم کا قصہ۔

(۶)۔نماز کے وقت زینت کرنے کا حکم۔

(۷)۔خورد ونوش میں میانہ روی کا حکم اور فضول خرچی کی ممانعت۔

(۸)۔عمدہ لباس زیب بدن کرنے اور اچھی غذا کھانے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

(۹)۔ظاہری و باطنی برائیوں کی حرمت۔

(۱۰)۔دوزخیوں کی باہمی گفتگو اور ان کی حالت زار۔

(۱۱)۔بہشتیوں کا اظہار تشکر۔

(۱۲)۔جناب نوح، جناب ہود، صالح، لوط اور جناب شعیبؑ کے قصص و حکایات اور ان کی قوموں کی روش اور ان قصص کے نتائج۔

(۱۳)۔عمل قوم لوط کی مذمت۔

(۱۴)۔اعراف کا تذکرہ۔

(۱۵)۔چھ دن میں زمین و آسمان کی خلقت کا بیان۔

(۱۶)۔زمین میں فساد پھیلانے کی ممانعت۔

(۱۷)۔جناب موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تفصیلی قصہ اور فرعون و فرعونیوں کا عبرت انگیز انجام

(۱۸)۔موسیٰ کے معجزات کا تذکرہ۔

(۱۹)۔تیس راتوں کیلئے جناب موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانا اور قوم کی گمراہی۔

(۲۰)۔قوم موسیٰ کی گوسالہ پرستی۔

(۲۱)۔جادوگران فرعون کا تذکرہ۔

(۲۲)۔جناب ہارون علیہ السلام کی خلافت کا بیان۔

(۲۳)۔خدا کے نظر نہ آنے کا تذکرہ۔

(۲۴)۔نبی امی اور ان کے اوصاف کا تذکرہ۔

(۲۵)۔بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کا تذکرہ۔

(۲۶)۔اہل سبت اور ان کے مسخ ہونے کا ذکر۔

(۲۷)۔عہد الست یا عالم ذر کا تذکرہ۔

(۲۸)۔خدا کے سوا کسی کو قیامت کے وقت کا علم نہیں ہے۔

(۲۹)۔تلاوت قرآن کے آداب۔

(۳۰)۔نماز با جماعت پڑھنے کا حکم وغیرہ وغیرہ، زیادہ تر مخاطب کفار و مشرکین اور مرکزی مضمون توحید و رسالت کی دعوت ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

''جو شخص سورہ اعراف کی تلاوت کرے وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں سے ہوگا۔ جن کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' (ثواب الاعمال)

نیز انہی جناب سے ہی مروی ہے فرمایا:

''جو شخص سورہ اعراف کی تلاوت کرے گا۔ خدا اس کے اور شیطان کے درمیان پردہ قرار دے گا اور بروز قیامت حضرت آدم اس کی شفاعت کریں گے'' (مصباح لکفعمی)

آیات القرآن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۩ الٓمّٓصٓ ۚ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ فَلَا يَكُنۡ فِىۡ
صَدۡرِكَ حَرَجٌ مِّنۡهُ لِتُنۡذِرَ بِهٖ وَذِكۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ
اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا
تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۳﴾ وَكَمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا فَجَآءَهَا بَاۡسُنَا بَيَاتًا اَوۡ هُمۡ
قَآٮِٕلُوۡنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعۡوٰٮهُمۡ اِذۡ جَآءَهُمۡ بَاۡسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اِنَّا كُنَّا
ظٰلِمِيۡنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِيۡنَ اُرۡسِلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۙ﴿۶﴾
فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيۡهِمۡ بِعِلۡمٍ وَّمَا كُنَّا غَآٮِٕبِيۡنَ ﴿۷﴾ وَالۡوَزۡنُ يَوۡمَٮِٕذِ ۨالۡحَـقُّ ۚ
فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓٮِٕكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۸﴾ وَمَنۡ خَفَّتۡ
مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓٮِٕكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ بِمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا
يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۹﴾

ترجمۃ الآیات

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اورنہایت رحم والا ہے الف، لام، میم، ص (۱) یہ ایک کتاب ہے جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔لہٰذا تمہارے دل میں اس کی وجہ سے کوئی تنگی نہیں ہونی چاہیے۔(یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے) تاکہ آپ اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو خدا کے عذاب سے) ڈرائیں اوراہل ایمان کیلئے نصیحت اور یاددہانی ہو۔(۲) (اے لوگو) جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو۔اوراس (پروردگار) کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں (حوالی موالی) کی پیروی نہ کرو۔تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔(۳) اور کتنی ہی بستیاں، ہیں کہ ہم نے انہیں تباہ کردیا پس ہمارا عذاب ان پرراتوں رات آیا یا جب وہ دن میں قیلولہ کررہے تھے (سورہے تھے) (۴) جب ہمارا عذاب ان پرآیا تو اس کے سوا ان کی اور کوئی پکار نہ تھی کہ بے شک ہم ظالم تھے۔(۵) بے شک ہم ان لوگوں سے بھی باز پرس کریں گے۔ جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے۔اور خود رسولوں سے بھی پوچھ گچھ کریں گے۔(۶) پھر ہم پورے علم کے ساتھ ان کے سامنے سب (حالات وواقعات) بیان کرینگے آخر ہم غیر حاضر تو تھے نہیں۔(۷) اوراس دن وزن (اعمال کا تولا جانا) بالکل حق ہے پس جس کے پلے بھاری ہوں گے وہی کامیاب ہوں گے۔(۸) اوراس دن جس کے پلے ہلکے ہوں گے۔وہ اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیت کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے (۹)

تفسیر الآیات

۱۔الٓمّٓصٓ...الآیۃ۔

یہ حروف مقطعات ہیں جو لکھے اسی طرح جاتے ہیں مگر پڑھے حروف تہجی کی طرح جاتے ہیں الف، لام، میم، صاد اور سورہ بقرہ کے آغاز میں تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کی جاچکی ہے کہ قرآن کے یہ حروف

مقطعات جو بعض سورتوں کے آغاز میں واقع ہوئے ہیں یہ ان متشابہات میں سے اور حبیب و محبوب کے درمیان ان مخصوص اسرار اور رموز میں سے ہیں۔ کہ جن کی حقیقت کو خدا اور **راسخون فی العلم** کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۲۔ كِتٰبٌ اُنْزِلَ...الآية۔

قرآن کا مقصد نزول تذکیر وتنذیر ہے

خداوند علیم وحکیم نے اس آیت میں اور اس کے علاوہ متعدد آیات میں اس بات کی بار بار وضاحت کی ہے کہ قرآن کے نازل کرنے کا سب سے بڑا مقصد کفار ومشرکین کو تنذیر کرنا ہے یعنی ان کو ان کے کفر وانکار اور بدعملی کے برے انجام سے ڈرا کر اسلام وایمان کی طرف راغب کرنا ہے۔ اور دوسرا مقصد ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے ہیں تذکیر کرنا ہے یعنی پند وموعظہ کے ذریعے سے بیدار کرنا اور انہیں بار بار وہ عہد و پیمان یاد دلانا ہے جو وہ اسلام قبول کرتے وقت خاموشی سے اپنے پروردگار سے باندھ چکے ہیں کہ وہ اپنی زندگی اسلام کی تعلیمات کے مطابق گزاریں گے اور شیطان کے نقش پا کی اتباع نہیں کرینگے۔ ''وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' (سورہ ذاریات آیت......۵۵)۔

ایضاح

چونکہ یہ سورہ پیغمبر اسلامؐ کے مکی دور کے آخر میں اور ہجرت سے کچھ ہی عرصہ پہلے نازل ہوا ہے جبکہ کفار مکہ اور مشرکین عرب کی ایذا رسانیاں اور دشمنیاں اپنے کمال تک پہنچی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کے حالات، ان کی تکذیب آیات، احکام الٰہی سے ان کے استہزاء اور آنحضرتؐ اور عام اہل اسلام پر ان کے مظالم ڈھانے اور جور و جفا کرنے کے واقعات سے بعض اوقات رحمۃ للعالمین کا سینہء اقدس بھی تنگ ہونے لگ جاتا تھا جیسا کہ خود خالق اکبر نے خبر دی کہ ''وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ'' (الحجر آیت......۹۷) اے حبیب! ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ ان کی باتیں سن سن کر (اور ان کے حالات دیکھ دیکھ کر) تنگ ہونے لگ جاتا ہے اور اس صدمہ سے آپ نڈھال ہو جاتے ہیں کہ آپ کی محنت وزحمت رائیگاں جارہی ہے اور یہ لوگ ایمان نہیں لاتے چنانچہ آپ کی اس کیفیت کی خدا نے اس طرح خبر دی ہے ''فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا'' (سورہ کہف آیت......۶)۔ اس لئے خداوند عالم آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمارہا ہے کہ آپ ان لوگوں کی روش ورفتار سے دل تنگ اور دل برداشتہ نہ ہوں۔ آپ اپنا وظیفہ تبلیغ اور فریضہ انذار وتبشیر ادا کرتے جائیں اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ ان علیک الا البلاغ کا کام منوانا نہیں ہے بلکہ

صرف پیغام حق پہنچانا ہے بر رسولاں بلاغ باشد وبس

۳۔ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ...الآیۃ۔

سابقہ آیت میں خداوند عالم نے اپنے پیغمبر اسلام کو حکم دیا ہے کہ وہ بلا کم وکاست اپنا فریضہ تبلیغ ادا کریں اور معاندین ومخالفین کی معاندانہ کارروائیوں کی کوئی پروانہ کریں اور یہاں اپنے بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ جو کچھ قرآن میں نازل کیا گیا ہے۔اس کی پیروی کرو اسے چھوڑ کر کسی حوالی موالی، کسی دوست احباب اور کسی اور سرپرست کی اتباع نہ کرو۔یعنی قانون الٰہی کو چھوڑ کر خود ساختہ نظاموں اور ازموں کی پیروی نہ کرو۔ورنہ دنیا میں گمراہ اور مرنے کے بعد جہنم میں گر کر تباہ ہو جاؤ گے۔مگر خدا کو شکوہ ہے اور وہ بالکل بجا ہے کہ قلیلاً ما تذکرون۔تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔تمہیں نصیحت کی جاتی ہے مگر تم بہت جلد اسے بھول جاتے ہو اور قرآن وسنت کو چھوڑ کر اپنی خواہشات اور لوگوں کی آراء کی اتباع کرنے لگ جاتے ہو بھلا جس قوم کے پاس پوری زندگی گزارنے کا خدائی دستور العمل۔اور قرآن جیسا مکمل ضابطہ حیات موجود ہو اور پھر نبی وآل نبی کے ارشادات وفرمودات کی شکل میں اس کی مکمل تفسیر وتشریح اور ان کے کردار اور ان کی روش ورفتار میں اس کی عملی توضیح موجود ہو وہ قوم کیوں نظام معیشت یا نظام سیاست یا کسی اور شعبہ حیات میں کسی اور قوم کی دست نگر اور محتاج نظر آئے اور وہ کیوں ان کو اپنا راہبر وراہنما تسلیم کرے؟؟

۴۔ وَ كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ ...الایۃ۔

ہاں اے دیدہ عبرت بیں

خداوند عالم کا یہ اصول ہے کہ وہ بعض اوقات خواب غفلت میں سوئے غافل لوگوں کو بیدار کرنے کیلئے سابقہ امتوں کے عبرت ناک انجام کو بطور تازیانہ عبرت استعمال کرتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح دولت واقتدار اور وقار واستکبار کے نشہ میں بدمست تھے اور خدا کے فرستادگان کی دعوت پر کان دھرنے کے روادار نہ تھے عین راحت وآرام کے وقت یعنی رات کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت انہیں عذاب الٰہی نے آلیا۔جیسے قوم لوط پر رات کے وقت اور قوم شعیب پر قیلولہ کے وقت ان کی غلط کاریوں کی وجہ سے عذاب نازل ہوا تھا۔اور ان کو نیست ونابود کر کے انہیں آنے والی نسلوں کیلئے سامان عبرت بنا دیا۔اس میں یہ وعید موجود ہے کہ اگر تم نے بھی انہی لوگوں جیسے کردار اور انہی جیسی رفتار کا اظہار کیا تو انجام کار تمہارے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جا سکتا ہے جو ان کے ساتھ کیا گیا تھا۔

۵۔ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ ...الآیۃ۔

اس آیت میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ہلاک ہونے والی قومیں جب اللہ کے عذاب کی گرفت میں آ جاتی ہیں۔ تو اس وقت وہ بہت چیخ و پکار کرتی ہیں اور اپنے جرائم کا اعتراف بھی کرتی ہیں کہ بے شک ہم گنہگار ہیں۔ مگر عذاب الٰہی کے نزول کے وقت جب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے اور اصلاح احوال کا کوئی موقع باقی نہ رہ جائے تو پھر یہ اعتراف جرم اور اظہار ندامت کوئی فائدہ نہیں دیتا اور اس طرح عذاب الٰہی ٹل نہیں سکتا۔ البتہ ان کا یہ اقرار ان کے خلاف عذاب الٰہی کے جواز کی حجت ضرور بن جاتا ہے جس طرح ہر کام جو اپنے وقت پر کیا جائے وہی مفید ہوتا ہے لہٰذا توبہ و ندامت بھی اس وقت مفید ہوتی ہے جب تلافی کا وقت باقی ہو۔ اور اگر وہ وقت گزر جائے تو پھر یہ اقرار محض بے کار ہوتا ہے۔

۶۔ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ ...الآیۃ۔

قیامت کے دن رسولوں اور امتوں سے باز پرس ہوگی

اس آیت مبارکہ میں ایک مسلمہ اسلامی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ بروز قیامت عام لوگوں سے بھی اور رسولوں سے بھی باز پرس کی جائے گی کہ انہوں نے تبلیغ کیونکر کی اور انہوں نے کیا کردار ادا کیا؟ اور خدا یہ سب کاروائی علم و آگہی اور پوری واقفیت کے باوجود کرے گا کیونکہ وہ غیر حاضر تو نہیں تھا بلکہ حاضر و ناظر تھا۔

قرآن میں اختلاف کا گمان اور اس کا ازالہ

کہا جاتا ہے کہ قرآن کی اس آیت سے اور اس جیسی متعدد آیات و روایات سے واضح ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سوال و جواب ہوگا اور ہر چھوٹے بڑے کام کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ مگر بعض آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دن کوئی باز پرس نہیں ہوگی جیسے ''وَ لَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ'' (سورہ قصص آیت......۷۸) گناہ گاروں سے ان کے گناہوں کے بارے میں کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ یا جس جیسے ''فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ'' (سورہ رحمٰن آیت......۳۹) اس دن کسی آدمی یا جن سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ اس ایراد کے کئی جوابات دیے جا سکتے ہیں اور سب کے قرآن و سنت میں شواہد موجود ہیں۔

پہلا جواب

بموجب مامن عام الاوقدخص۔ چونکہ ہر عام قابل تخصیص ہوتا ہے لہٰذا بعض آیات اور وایات معتبرہ سے مستفاد ہوتا ہے۔کہ بعض کامل الایمان مومنین اور خالص کفار ومشرکین کا حساب نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ اول الذکر کو بلاحساب جنت الفردوس میں داخل کیا جائے گا۔ اور ثانی الذکر کو بلا حساب جہنم میں جھونکا جائے گا۔ باقی سب جن وانس کا حساب وکتاب ہوگا۔ (مجمع البیان صافی، برہان)۔

دوسرا جواب

قیامت کا دن کوئی عام دنوں جیسا نہیں ہوگا۔ بلکہ بڑا طویل وعریض دن ہوگا۔ اور اس میں متعدد مواقف ہوں گے چنانچہ کسی جگہ حساب وکتاب ہوگا۔ اور کسی جگہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا ان آیات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تیسرا جواب

جس سوال وجواب کی نفی ہوئی ہے وہ اور ہے اور جس کا ثبوت وارد ہوا ہے وہ اور ہے یعنی جس سوال و جواب کی نفی وارد ہوئی ہے اس سے استعلام واستخبار حقیقت مراد ہے کہ خدا حقیقت حال معلوم کرنے کیلئے سوال نہیں کرے گا کیونکہ اس کی خدا کو ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ اور جس سوال و جواب کرنے کا تذکرہ ہے وہ زجر وتوبیخ اور وعید وتہدید کیلئے کیا جائے گا تاکہ خود ان لوگوں پر بھی اور تمام کائنات پر بھی ان کی جزا وسزا کی اساس وبنیاد واضح وآشکار ہوجائے اور اس کا جو مقصد ہے وہ حاصل ہوجائے۔

۷۔ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ... الآية۔

میزان عدل اور اس کی حقیقت کا بیان

اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ قیامت کے دن (اعمال کا) تولا جانا تو برحق ہے مگر جو کچھ اختلاف ہے وہ اس تولے جانے کی کیفیت ونوعیت میں ہے کہ کیا تولا جائے گا اور کس طرح تولا جائے گا؟ اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ معتزلہ بھی ہے اس کا نظریہ ہے کہ عمل چونکہ عرض ہے کوئی محسوس چیز نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا تولا جانا ممکن نہیں ہے علاوہ بریں جب خدا ہر شخص کے نیک وبد اعمال سے کماحقہ واقف ہے تو پھر اسے تولنے کی کیا ضرورت ہے لہٰذا وہ فرقہ قائل ہے کہ اعمال کے تولے جانے کا مطلب ہے خدا کا اپنے عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا۔

ہمارے مفسرین جیسے شیخ طوسی اور فاضل طبرسیؒ کا میلان بھی اس نظریہ کی طرف ہے مگر فریقین کے جمہور علماء متکلمین نے اس نظریہ کو غلط قرار دیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اگر عقائد اسلامیہ اور ظواہر قرآن میں اس طرح تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر اس کا سد باب نہ ہو سکے گا اور پھر ان تاویلات سے نہ فرشتوں اور جنات کا وجود محفوظ رہے گا اور نہ ہی جنت و نار اور نہ ان کے متعلقات ان تاویلات سے سلامت رہیں گے اور پھر پورے عقائد و اعمال کی عمارت کا نقشہ ہی بدل جائے گا بلکہ دین مقدس کا حلیہ ہی بگڑ جائے گا نیز ظاہر ہے کہ تولنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ خدا معلوم کرے کہ کس کی نیکیاں کس قدر ہیں اور برائیاں کس قدر؟ اللہ تو پہلے ہی یہ سب کچھ جانتا ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ خود جنت و جہنم کے مستحق پر اور دوسرے تمام لوگوں پر ان کے جنتی یا جہنمی ہونے کی بنیاد واضح ہو جائے تا کہ اہل ایمان کو اپنی کامیابی و کامرانی پر جنت سے پہلے مسرت و شادمانی حاصل ہو اور دوزخیوں کو جہنم سے پہلے حسرت و پشیمانی کا سامنا ہو اور کسی کو چوں چرا کرنے کی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ بہرحال جب ایسا ہونا عقلاً ممکن ہے اور مخبر صادق نے اس کے واقع ہونے کی خبر دی ہے تو ہمیں ان حقائق پر ایمان لانا پڑے گا۔

اور ایک شبہ اور اس کا جواب

باقی رہا یہ شبہ کہ جب اعمال عرض ہیں جو مادی و محسوس نہیں ہیں تو پھر وہ تولے کس طرح جائیں گے؟ اگرچہ ہمارے سابقہ بیان کے بعد اس شبہ کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہیں رہ جاتی۔ بھلا جب آج سردی و گرمی، روشنی اور ظلمت ناپنے کے آلات ایجاد کر لئے گئے ہیں تو قادر مطلق خدا اعراض کو نہیں تول سکتا یا عرض کو جوہر میں تبدیل نہیں کر سکتا؟ اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ اعمال کے بجائے خود اعمال کے صحیفے تولے جائیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ قادر مطلق اعمال حسنہ کو حسین و جمیل شکل میں اور اعمال سیئہ کو بدصورت شکل میں متشکل کر کے میزان پر تولے الغرض قرآن و سنت میں اس میزان کی جو کیفیت اور اس کے جو صفات ثقل اور خفت وغیرہ مذکور ہیں کہ ''فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' جن کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ کامیاب ہوں گے ''وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ'' (سورہ اعراف ......۹)۔ اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا۔ وہ خسارے میں رہیں گے۔ ''وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ'' (سورہ انبیاء......۴۷) ہم قیامت کے دن انصاف کے میزان قائم کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ میزان (ترازو) مادی و محسوس ہے۔ ویسے چونکہ لغت میں میزان کے معنی ہیں ما یعرف به مقادیر الاشیاء وہ چیز جس کے ذریعہ سے کسی چیز کی مقدار معلوم کی جائے اور مختلف چیزوں کے معلوم کرنے کے میزان الگ الگ ہوتے ہیں مادی کیلئے مادی اور غیر مادی کیلئے غیر مادی چنانچہ اشعار کا وزن معلوم کرنے کیلئے علم العروض

اور فلکیات کیلئے اسطرلاب مقرر ہے۔

بنابریں انبیاء اور ان کے اوصیاء کو بھی میزان کہا گیا ہے جن کی اتباع دخول جنت کا باعث اور مخالفت دخول جہنم کا موجب ہے۔ اور اس طرح خدا کے عدل و انصاف اور امر و نہی کو بھی میزان کہا جا سکتا ہے مگر اکثر علماء اسلام سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ وہی ہے کہ جس میزان پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ پہلے معنی کے اعتبار سے ہی ہے بہر حال احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس میزان کی حقانیت پر اجمالی ایمان رکھا جائے اور اس کی حقیقت واقعیہ کا علم خالق میزان اور اس کے نمائندگان اسلام کے حوالہ کر دیا جائے جیسا کہ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ اور دوسرے علماء اعلام نے بڑے طویل و عریض مباحث کے بعد یہی نظریہ اختیار کیا ہے کہ۔ فنحن نؤمن بالمیزان ونرد علمه الی حملة القرآن ولا نتکلف علم مالم یوضح لنا بصریح البیان والله الموافق و علیه التکلان (بحار الانوار، طبع قدیم)

جو حضرات اس موضوع کی جملہ تفصیلات معلوم کرنا چاہیں وہ ہماری کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد کی طرف رجوع کریں۔ بہر کیف یہ بات تو طے ہے کہ قانون الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد اور ہر قوم کو ویسے ہی نتائج ملتے ہیں جیسے کچھ اس کے اعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ کامیاب انسان وہ ہوتا ہے جس کی بھلائیاں برائیوں سے زیادہ ہوں اور ناکام و نامراد شخص وہ ہوتا ہے جس کی برائیاں اس کی بھلائیوں پر غالب ہوں۔ تو جس طرح دنیا میں اشیاء کے موازنہ کیلئے جس طرح کا ترازو کام دیتا ہے اسی طرح قدرت نے آخرت میں اعمال و افعال کے موازنہ کیلئے بھی ایک خاص قسم کے میزان کا انتظام کر رکھا ہے۔

آیات القرآن

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا
تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱
قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ
مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝۱۲ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ
تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۱۳ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ

يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے تمہیں زمین میں تمکین دی (اقتدار و اختیار دیا) اور اس میں تمہارے لئے زندگی گذارنے کے سامان فراہم کئے۔ مگر تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ (۱۰) بے شک ہم نے تمہاری تخلیق کا آغاز کیا اور پھر تمہاری صورت گری کی اس کے بعد فرشتوں سے کہا کہ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ چنانچہ سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ تھا (۱۱) (خدا نے) فرمایا جب میں نے تجھے حکم دیا تھا تو تجھے کس چیز نے روکا؟ کہا میں اس (آدم) سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے (۱۲) ارشاد ہوا۔ تو پھر تو یہاں سے نیچے اتر جا۔ کیونکہ تجھے یہ حق نہیں ہے کہ تو یہاں رہ کر تکبر و غرور کرے۔ بس یہاں سے نکل جا۔ یقینا تو ذلیلوں میں سے ہے (۱۳) کہا: مجھے اس دن تک مہلت دے جب سب دوبارہ اٹھائے جائیں گے (۱۴) فرمایا: اچھا تو ان میں سے ہے جنہیں مہلت دی گئی ہے (۱۵) کہا چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو اب میں تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا (۱۶)۔

تفسیر الآیات

۸۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ ... الآیۃ۔

خداوند عالم بعض دینی نعمتوں جیسے ارسال رسل اور انزال کتب کا تذکرہ کرنے کے بعد یہاں بعض دنیوی نعمتوں کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ اس نے تمہیں زمین میں تمکین دی اور اس سے اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے کی قدرت عطا فرمائی اور تمہارے زندہ رہنے کے سب سامان پیدا کئے۔ جہاں زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنایا وہاں اس میں پانی کا انتظام کرکے اور زمین میں روئیدگی کی قوت و صلاحیت کا انتظام کرکے تمہاری زیست کا اہتمام کیا اب چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اس کی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرنے میں ہرگز سستی و سہل

انگیزی نہ کرتے مگر افسوس کہ بندے بہت ہی اس کا کم شکریہ ادا کرتے ہیں سچ ہے "وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا" انسان بڑا ناشکرا ہے۔(سورہ بنی اسرائیل آیت......٦٧) "وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ" خدا کے شکر گذار بندے بہت کم ہیں۔(سورہ سبا آیت......۱۳)

۹۔ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ...الآیۃ۔

خداوند عالم سابقہ آیات میں انسانی زندگی سے متعلقہ بعض نوازشات کا تذکرہ کرنے کے بعد اب نعمت تخلیق کا تذکرہ فرما رہا ہے۔گو خطاب بنی آدم کو ہے۔مگر چونکہ آنے والے اکثر واقعات کا تعلق اولاد آدم علیہ السلام سے نہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے ہے اس لئے بعض مفسرین نے اسے بجا طور پر جناب ابوالبشر کے آغاز خلقت سے متعلق قرار دیا ہے کہ تمہیں پیدا کیا کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے جداعلیٰ جناب آدم کو پیدا کیا یعنی پہلے بنی نوع انسان کے پیدا کرنے کا مادہ پیدا فرمایا پھر اسے صورت بشری عطا فرمائی جو تمام صورتوں سے اعلیٰ اور بلند و بالا ہے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" (سورہ تین...... ۴) اس طرح حضرت آدم علیہ السلام وجود میں آئے۔اس آیت کی توضیح درج ذیل آیت میں ہے۔"اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ" (سورہ ص......۷۱، ۷۲) اور پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم (کی طرف منہ کرکے خدا) کو سجدہ کرو۔تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔باقی اس موضوع کی جملہ تفصیلات کہ یہ سجدہ کس قسم کا تھا؟ اور شیطان نے کیوں نہیں کیا تھا؟ اور یہ کہ اس نے ذات پات کا بیج بویا تھا اور یہ کہ جس نے سب سے پہلے قیاس کیا تھا وہ ابلیس تھا لہٰذا اب جو شخص بھی دین میں قیاس کرے گا بروز قیامت شیطان کے ساتھ محشور ہوگا ان تمام باتوں کی تفصیل سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۳۴ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

نظریۂ ارتقاء یا ڈارون کے نظریہ کا ابطال

قرآن مجید کی نہ صرف اس آیت سے بلکہ بیسیوں آیات اور سینکڑوں روایات اور ہزاروں عقلی مسلّمات سے ثابت ہے کہ انسان ایک مستقل بالذات اعلیٰ مخلوق ہے جو آغاز تخلیق سے ہی انسان پیدا ہوا ہے یہ کوئی ترقی یافتہ حیوان نہیں ہے۔جو لاکھوں سال کی مدت میں بندر سے ترقی کرکے انسان بنا ہے یہ نظریہ محض ان لوگوں کے ظن و تخمین پر مبنی ہے اور سائنٹفک دلائل سے ثابت نہیں ہے۔آج تک یہ کوئی ثابت نہیں کر سکا ہے اور نہ آئندہ کر سکے گا کہ ایک حیوان کس طرح انسان بن گیا۔جبکہ ابتدائے آفرینش کائنات سے انسان کا انسانی شکل وصورت میں پیدا ہو

نا قرآن وسنت اور عقلی ونقلی سائنٹفک دلائل سے ثابت ہے۔ جو حضرات اس نظریہ کی تفصیل اور اس کی مفصل و مدلل تردید ملاحظہ کرنا چاہتے ہیں ان کو چاہیے کہ ہماری کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد کی طرف رجوع فرمائیں۔

۱۰۔ قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ ...الآیۃ۔

شیطان نے اس دن تک زندہ رہنے کی مہلت مانگی تھی جب سب دوبارہ زندہ ہوں گے یعنی قیامت تک خداوند علیم وحکیم نے مخلوق کا امتحان لینے اور الٰہی آزمائش کرنے کیلئے فی الجملہ منظور کرنے کا تذکرہ تو کیا ہے لیکن قابل غور بات یہ ہے اس کی یہ درخواست منظور تو ہوئی اور اسے مہلت بھی دی گئی مگر کب تک؟ اس آیت میں اجمالاً اس بات کی تفصیل مذکور نہیں ہے۔ ہاں البتہ اس کی تفصیل ایک دوسری آیت میں موجود ہے۔ ارشاد قدرت ہے ''فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ''(سورہ الحجر......۳۷،۳۸)۔ کہ اسے ایک معین وقت تک مہلت دی گئی تھی۔ اس وقت معلوم سے کیا مراد ہے؟ اس میں قدرے اختلاف ہے۔ زیادہ تر مفسرین نے اس سے قیامت سے پہلے نفخہ ءاولیٰ مراد لیا ہے۔ جس کے بعد ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ تو اس وقت شیطان بھی موت کے گھاٹ اتر جائے گا۔ اور ہماری بعض تفاسیر میں اس سے حضرت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ کا زمانہ ظہور مراد لیا گیا ہے (تفسیر صافی وغیرہ)۔

۱۱۔ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ ...الآیۃ۔

شیطان کا گمراہ کرنے کی نسبت خدا کی طرف دینا

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ شیطان نے گمراہ کرنے کی نسبت خدا کی طرف دی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا جبری عقیدہ کا مالک ابلیس تھا۔ لہٰذا جن لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ ہدایت بھی خدا کرتا ہے اور گمراہ بھی خدا کرتا ہے اور انسان بالکل مجبور و بے بس ہے اسے اچھائی یا برائی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ انہوں نے یہ عقیدہ شیطان سے حاصل کیا ہے۔ خدا کی طرف اس نسبت دینے کی ویسے تو متعدد تاویلیں کی گئی ہیں مگر ان میں سے عمدہ تاویلیں دو ہیں۔

(۱) تو نے مجھے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا۔ اور میں انکار کر کے گمراہ ہوا تو گویا تو نے مجھے گمراہ کیا کیونکہ نہ تو مجھے اس سجدہ کا حکم دیتا نہ میں انکار کرتا اور نہ گمراہ ہوتا۔

(۲) تو نے مجھے اپنی جنت و رحمت سے مایوس کیا۔ کیونکہ غوایت کے ایک معنی مایوس و ناکامی کے بھی ہیں چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

فمن یلق خیراً یحمد الناس امرہ
ومن یغو لا یعدم علی الغی لائماً

۱۲۔لاقعدن۔۔۔الایۃ

شیطان کا خدا کو چیلنج کرنا

میں اس گمراہی کے نتیجہ میں تیرے سیدھے راستہ پر ڈاکوؤں کی طرح گھات لگا کر بیٹھ جاؤں گا اور پھر لوگوں کے پیچھے سے اور دائیں بائیں جانب سے ان کے پاس (حملہ کرنے کے لیے) آؤں گا اور اس کے نتیجہ میں تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ شیطان نے حملہ کرنے کیلئے شش جہات میں سے ''دو جہتوں کو چھوڑ کر چار سمتوں کا ذکر کیا ہے'' اس کا مفہوم کیا ہے؟ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کی تفسیر یوں مروی ہے کہ آگے سے مراد آخرت ہے کہ لوگوں کو اس سے غافل کروں گا کہ مرنے کے بعد نہ کوئی حساب و کتاب ہے اور نہ کوئی جنت و نار، اور پیچھے سے مراد مال و متاع ہے کہ اس کے جمع کرنے کی رغبت دوں گا اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے روکوں گا۔ اور دائیں جانب سے دین و دیانت مراد ہے کہ ان کو دین کے معاملہ میں مختلف شکوک و شبہات میں مبتلا کر کے دین سے بدظن کروں گا۔ اور بائیں جانب سے انسانی لذات و خواہشات مراد ہیں جن میں گرفتار کر کے ان کو ہلاک و برباد کروں گا (مجمع البیان، وصافی وبرہان)۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ اوپر والی سمت شیطان کی دسترس سے محفوظ رہی ہے کیونکہ یہ خدا کی رحمت کے نزول کا راستہ ہے۔ جو ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ (مجمع البیان، وصافی وبرہان)۔

اور نیچے والی جہت کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اس سے وحشت ہوتی ہے۔ اور وہ مانوس راستوں سے آتا ہے۔

نتیجہ کیا برآمد ہوا؟

اس تمام موضوع پر سورہ بقرہ میں گفتگو ہو چکی ہے کہ خدا نے واضح کر دیا تھا۔ کہ جو میرے مخلص بندے ہوں گے وہ تیرے قابو میں نہیں آئیں گے اور جو تیری پیروی کریں گے۔ اور تیرے دام تزویر میں آجائیں گے میں تم کو اور ان سب کو جہنم میں جھونک دوں گا۔ خدا نے جابجا اس بات کی خبر دی ہے کہ ولقد صدق علیھم ابلیس ظنه، شیطان نے جو کہا تھا وہ سچ کر دکھایا اقل قلیل کو چھوڑ کر باقی سب لوگ اس کے بہکاوے میں آگئے اور گمراہ ہو گئے۔

اللھم احفظنا من شر الشیطان الرجیم بحق النبی وآله الطاھرین علیھم السلام۔

آیات القرآن

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ
شَمَآىٕلِهِمْؕ-وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ(۱۷) قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا
مَّدْحُوْرًاؕ-لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَــٴَـنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ(۱۸)
وَ یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا
هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ(۱۹) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ
لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَا وٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا
عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ(۲۰)
وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ(۲۱) فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍۚ-فَلَمَّا ذَاقَا
الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ
الْجَنَّةِؕ-وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ
لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ(۲۲) قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَاٚ
وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ(۲۳) قَالَ اهْبِطُوْا
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّۚ-وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى
حِیْنٍ(۲۴) قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَ فِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ۠(۲۵) یٰبَنِیْۤ
اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِیْشًاؕ-وَ لِبَاسُ
التَّقْوٰىۙ-ذٰلِكَ خَیْرٌؕ-ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ(۲۶)

ترجمۃ الآیات

آ گے کی طرف سے اور ان کے پیچھے کی طرف سے اور ان کی دائیں جانب سے اور ان کی بائیں طرف سے آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہیں پائے گا (۱۷) فرمایا! ذلیل اور راندہ ہو کر یہاں سے نکل جا میں تجھے اور اسے جو ان میں سے تیری پیروی کرے گا تم سب سے جہنم بھر دوں گا (۱۸) اور اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں اس بہشت میں رہو۔ اور جہاں سے چاہو (اور جو چیز دل چاہے) کھاؤ۔ مگر اس درخت کے پاس نہ جانا۔ ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے (۱۹) تو شیطان نے جھوٹی قسم کھا کر ان دونوں کو وسوسہ میں ڈالا۔ تا کہ ان کے وہ ستر والے مقام جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھے ظاہر کر دے اور کہا کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں صرف اس لئے اس درخت سے روکا ہے کہ کہیں فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ (۲۰) اور اس نے دونوں سے قسم کھائی کہ میں تمہارے سچے خیر خواہوں میں سے ہوں (۲۱) اس طرح اس نے دونوں کو فریب سے مائل کر دیا (اور اس طرح جنت) کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں تک پہنچا دیا۔ پس جب انہوں نے اس درخت کا مزہ چکھا۔ تو ان کے جسم کے چھپے ہوئے حصے نمودار ہو گئے اور وہ جنت کے پتوں کو جوڑ کر اپنے یہ مقام (ستر) چھپانے لگے تب ان کے پروردگار نے ان کو ندا دی۔ کیا میں نے تمہیں اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا؟ اور نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے (۲۲) اس وقت دونوں نے کہا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اور اگر تو درگذر نہیں کرے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوں گے (۲۳) ارشاد ہوا! تم دونوں (بہشت سے) نیچے اترو۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک وقت معلوم تک تمہارا زمین میں ہی ٹھکانا اور سامان زیست ہے (۲۴) (یہ بھی فرمایا) اسی زمین میں تم نے جینا ہے اور وہیں مرنا ہے اور پھر اسی سے دوبارہ نکالے جاؤ گے (۲۵) اے اولاد آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا ہے جو تمہارے جسم کے قابل ستر حصوں کو چھپاتا ہے اور (باعث) زینت بھی ہے۔ اور تقویٰ و پرہیزگاری کا لباس یہ سب سے بہتر ہے یہ (لباس بھی) اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں (۲۶)۔

تفسیر الآیات

۱۳۔ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا ...الآیۃ۔

ان آیات کی پوری تفسیر سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۳۵ اور اس کی بعد والی چند آیتوں کی تفسیر میں گذر چکی ہے جناب آدم علیہ السلام و ابلیس کے درمیان جو مکالمہ ہوا۔ وہ اور اس واقعہ سے حضرت آدم کی عصمت کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کے جوابات وغیرہ ان سب ان امور کی تفصیلات وہیں مذکور ہیں لہٰذا اسی مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ البتہ جناب آدم و ابلیس کے اس تمام قصہ سے جو اختلافی نتائج برآمد ہوتے ہیں ان سب کو جناب مولانا سید فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر بڑے سلیقے سے ترتیب وار ذکر کر دیا ہے ہم انہیں بلا کم و کاست یہاں درج کر دیتے ہیں۔

اس قصہ کے اخلاقی نتائج

''۱۔ آدمی کا ساری خدائی حتیٰ کہ جنوں اور فرشتوں سے بہتر ہونا۔

۲۔ طبعی عصمت کا عقلی و ارادی عصمت سے کم تر ہونا۔

۳۔ حسد و تکبر کی برائی۔

۴۔ اپنی جماعت سے علیحدگی کی برائی۔

خواہی نشوی رسوا ہمرنگ جماعت شو۔

۵۔ خلقی صفت نسب پر ناز کرنے کی برائی۔

۶۔ تعلّی کے خواہشمند کا پست ہونا۔

۷۔ برے آغاز کا برا انجام۔

۸۔ قصوروار کے بھی واجب حق کا ساقط نہ ہونا۔

۹۔ مجرم کے ضد کرنے پر سزا کی زیادتی۔

۱۰۔ بدی کے پیرو کا بانی کی طرح انجام خراب ہونا۔

۱۱۔ حقیقی دوست کا مشکل سے بہم پہونچنا۔

۱۲۔ بے جانچے کسی بات پر بھروسہ کرنے کی برائی۔

۱۳۔دشمن کی بات پر بھروسہ کرنے کی برائی۔
۱۴۔ناصح کے خلاف کرنے میں زک اٹھانا۔
۱۵۔دشمن کی جھوٹی قسموں پر اعتماد نہ کرنا۔
۱۶۔غلطی پر توبہ وندامت کا مفید ہونا۔
۱۷۔ندامت پر پھر اصلی مرتبہ کا ہاتھ آنا۔
۱۸۔کبھی ذاتی عداوت کا موروثی عداوت ہو جانا۔
۱۹۔دشمن کی لگاوٹ پر نہ اترانا۔(حاشیہ قرآن مجید مترجم فرمان علی)

بر تواضع ہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی است
پائے بوس سیل از پا افگند دیوار را

۱۴۔ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا...الآیة

لباس پہننا اور قابل ستر اعضاء کا چھپانا انسان کا فطری جذبہ ہے

سورہ انعام میں ان جانوروں کی خلقت کا احسان جتانے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ان پھلوں کی پیدائش کا تذکرہ کرنے کے بعد جو کھائے جاتے ہیں یہاں سورہ اعراف میں خداوند عالم نے اپنے اس خصوصی انعام کا تذکرہ فرمایا ہے جو اس نے لباس کی صورت میں انسان کو عطا فرمایا ہے سردی و گرمی سے بچنے نیز ان اعضا کا چھپانا جن کے اظہار کو ایک شریف آدمی قبیح جانتا ہے۔انسان کا فطری جذبہ ہے جس کا اظہار وہ مختلف ادوار میں مختلف قسم کے لباس زیب بدن کرکے کرتا رہا ہے۔

لباس کے فوائد کا تذکرہ

خداوند عالم نے قرآن میں لباس کے خصوصی طور پر تین فائدے بیان فرمائے ہیں۔
۱۔قابل شرم حصوں کو ڈھانکتا ہے۔ ۲۔زینت وآرائش کا باعث ہے۔ ۳۔سورہ نحل (آیت نمبر ۸۱) میں تیسرا فائدہ یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ سردی وگرمی سے بچاتا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ”کپاس والا لباس پہنا کرو۔کیونکہ یہ حضرت رسول خداؐ کا لباس ہے وہ کسی ضرورت کے سوا بالوں اور اون والا لباس نہیں پہنتے تھے۔خدا جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے پر دیکھے مخفی نہ رہے کہ خالق اکبر نے جو یہاں لباس اتارنے کا

تذکرہ کیا ہے انزلنا علیکم۔ جب کہ انزال کے لغوی معنی اوپر سے نیچے اتارنے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ لباس سلا سلایا اور تیار شدہ تو آسمان سے نہیں اتارا جاتا اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسا کر وہ چیزیں پیدا کیں جن سے لباس تیار ہوتا ہے۔ جیسے لوہے کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ'' (سورہ حدید آیت......۲۵) کہ ہم نے لوہا اتارا یعنی سورج کی گرمی سے بنایا ہے نیز بعض اہل لغت کے مطابق انزال کا بمعنی خلق استعمال ہوتا ہے جیسے جانوروں کے بارے میں فرمایا ہے: ''وَ اَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡاَنۡعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزۡوَاجٍ'' (سورہ زمر آیت......٦)۔ کہ ہم نے آٹھ قسم کے جوڑے نازل کئے یعنی پیدا کئے۔

برہنہ ہو کر طواف کرنے کی جاہلانہ رسم

عرب میں یہ جاہلانہ رسم تھی کہ ان کے مرد اور عورتیں برہنہ ہو کر اکٹھے طواف کیا کرتے تھے۔ اور اس کو ایک مقدس مذہبی فعل سمجھتے تھے جیسا کہ آج تک ہندو اشنان کرتے وقت برہنگی کا مظاہرہ کرتے ہیں یا جس طرح آج اس متمدن دنیا میں پدر و مادر آزاد ثقافت کی محفلوں میں گرمی پیدا کرنے کیلئے تمام اخلاقی قدروں کو اور شرم وحیا کی تمام روشوں کو پاؤں تلے روندا جاتا ہے اس لئے کسی قوم وقبیلہ اور کسی مذہب وملت کی تفریق کے بغیر تمام بنی نوع انسان کو خطاب کر کے خدائے علیم وحکیم نے نعمت لباس کا تذکرہ کر کے اور لباس پہن کر اس کی عبادت کرنے کا حکیمانہ حکم دیا ہے۔ ''خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ'' (سورہ اعراف آیت......۳۱) جس کا مفہوم یہ ہے کہ عبادت گذار صرف ستر پوشی پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ مکمل لباس زیب بدن کرے جس سے زینت حاصل ہو۔ جو کہ عبودیت اور بندگی کا عین متقضا ہے۔

لباس تقویٰ کا بیان

قبل ازیں سورہ اس بات کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری کا لباس کس طرح تمام لباسوں سے بہتر اور اچھا ہے؟ اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا تقویٰ سے عصمت و پاکدامنی والا لباس مراد ہے پس عفیف اگر برہنہ بھی ہو تو اس کا مقام ستر ظاہر نہیں ہوتا اور فاسق وفاجر کا مقام ستر کھلا ہوتا ہے! اگرچہ لباس پہنے ہوئے بھی ہو۔ (تفسیر قمی)۔ الغرض

مردے خدا شناس کہ تقویٰ طلب بود
خواہی سفید جامہ و خواہی سیاہ باش

آیات القرآن

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ
يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ
مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا
بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ
مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمۃ الآیات

اے اولادِ آدم! (ہوشیار رہنا) کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اسی طرح فتنہ میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا تھا۔ اور ان کے جسم سے کپڑے تک اتروا دیئے تھے تا کہ ان کے جسم کے قابل ستر حصے ان کو دکھا دے یقناً وہ (شیطان) اور اس کا قبیلہ تمہیں جس طرح اور جہاں سے دیکھتا ہے تم انہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتے بے شک ہم نے شیطانوں کو ان کا سرپرست بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے (۲۷) اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور خدا نے (بھی) ہمیں یہی حکم دیا ہے اے رسول کہیے کہ یقینا کبھی اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ پر ایسی بات کی تہمت لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے؟ (۲۸) اے رسول کہو! میرے پروردگار نے مجھے عدل و انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ کہ اپنے چہرہ کو سیدھ پر رکھو ہر نماز کے وقت اور اسی کو پکارو دین کو اسی کیلئے خالص کر کے جس طرح اس نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا تھا اسی طرح تم (اس کے حضور پلٹ) کر جاؤ گے۔ (۲۹)

تفسیر الآیات

۱۵۔ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ ... الآیۃ

اولاد آدمؑ کو نصیحت

خداوند عالم نے آدمؑ و ابلیس کا قصہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد اولاد آدمؑ کو نصیحت کی ہے کہ شیطان جو کہ تمہارا ازلی و ابدی دشمن ہے تمہارے باپ دادا کا دشمن ہے سب انبیاء و مرسلین کا دشمن ہے اور سب آئمہ طاہرین اور تمام عباد اللہ الصالحین کا دشمن ہے اس کے مکروفریب اور چالاکی و چالبازی سے اور اس کی موروثی عداوت سے ہر وقت چوکس و چوکنا رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح اس نے لطائف الحیل سے تمہارے ماں باپ (آدم و حواؑ) کو جنت اور اس کے عیش و آرام سے نکلوا دیا تھا۔ اور ان کے لباس کے اترنے اور ان کے مقام ستر کے ظاہر ہونے کا باعث بنا تھا۔ تمہیں بھی جنت الفردوس میں داخل ہونے اور اس کی گراں بہا نعمتوں سے لطف اندوز ہونے سے کسی فتنہ میں مبتلا کر کے اور گمراہ کر کے محروم نہ کر دے ظاہر ہے کہ کسی کو اندر جانے سے روکنا اندر والے کا باہر نکالنے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔

۱۶۔ اِنَّهٗ یَرٰىكُمۡ ... الآیۃ

شیاطین ہمیں دیکھتے ہیں مگر ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے

مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ شیطان اور اس کے کنبہ یعنی اس کی ذریت کے چونکہ جسم شفاف لطیف اور ناری ہیں اس لئے ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے مگر وہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا جب دشمن نظر نہ آئے اور اس کی نقل و حرکت پر نگاہ نہ رکھی جا سکے اور ہو بھی اتنا طاقتور کہ انسان کے رگ و ریشہ میں نفوذ کر سکے تو پھر اس کی ضرر رسانی زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہر وقت اس کے مکر و حیلہ سے ہوشیار اور چوکنا رہے بلکہ بقول بعض بزرگوں کے دانشمندی تو یہ ہے کہ جب ہمیں ایسے مکار دشمن سے واسطہ ہے کہ جو ہمیں دیکھتا ہے مگر ہم اسے نہیں دیکھ سکتے۔ تو ضرورت ہے کہ آدمی اس ذات کی پناہ میں آجائے جو اس دشمن کو دیکھتی ہے مگر وہ اسے نہیں دیکھ سکتا۔ اور اگر شیطان کے قبیلہ سے اس کے جنی و انسی چیلے چانٹے مراد لئے جائیں تو پھر ان کے نظر نہ آنے کا مطلب (جب کہ انسی شیطان تو بظاہر نظر آتے ہیں) یہ ہوگا کہ ان کے بھیس اس قدر زیادہ اور اس طرح متنوع ہیں اور وہ اس طرح روپ بھروپ بھرتے ہیں کہ انسان انہیں پہچان نہیں سکتا۔

وہ کبھی دوست کے روپ میں اور کبھی مبلغ و ناصح اور رہبر کے روپ میں آئیں گے اور نا معلوم تم انہیں کیا سمجھو گے مگر وہ راہنما کے روپ میں چھپے ہوئے رہزن تمہارے دین و ایمان کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں گے کیونکہ۔ ع

اے بسا ابلیس کہ درلباس آدمؑ ست

۱۷۔ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ ... الآیۃ۔

ایک سوال مقدر کا جواب

آیت کا یہ جملہ ایک سوال مقدر کا جواب معلوم ہوتا ہے یہ سوال سابقہ جملہ سے پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارا دشمن شیطان ایسا ہے کہ ہمیں تو دیکھتا ہے۔ مگر ہم اسے نہیں دیکھ سکتے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ جب چاہے ہمیں دھوکہ دے سکتا ہے۔ مگر ہم اس کے وار کا دفاع نہیں کر سکتے تو اس جملہ میں خدا نے اس کے حملوں سے بچنے کی تدبیر بتائی ہے کہ ایمان محکم قلعہ ہے جس میں قلعہ بند ہو کر آدمی شیطان کے ہر حملہ سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ جو دل ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے ان میں شیطان کو گھسنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔

ہاں البتہ شیاطین انہی دلوں پر قبضہ کرتے اور قابو پاتے ہیں جو ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ ان میں شیطان ڈیرے جما لیتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ خانہ خالی را دیومی گیرو۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے ''وَ مَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَیِّضۡ لَہٗ شَیۡطٰنًا فَہُوَ لَہٗ قَرِیۡنٌ '' (سورہ زخرف......۳۶) جو خدا کی یاد سے بے پروا ہو جاتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں اب وہی اس کا ساتھی ہوتا ہے خداوند عالم نے جناب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارتے وقت شیطان کے حملوں سے محفوظ رہنے کی یہی تدبیر بتائی تھی کہ ''فَمَنۡ تَبِعَ ہُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ '' (سورہ بقرہ آیت......۳۸) جو میری ہدایت (ایمان) کی پیروی کرے گا اسے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی حزن وملال۔

بے شک شیطان نظر نہیں آتا مگر وہ اپنی تلبیس ابلیس اور دینی حقائق جیسے جنت و نار کے وجود اور اسلامی معارف کی صداقت میں وسوسہ سازی اور رخنہ اندازی کی وجہ سے اہل ایمان اسے تاڑ جاتے ہیں اور اس سے خدا کی پناہ مانگ کر اس کے شر سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور جو پہلے ہی بے ایمان ہوتے ہیں وہ اس کے حملوں کی تاب نہ لا کر اور بھی زیادہ بے ایمان ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بے ایمان کا ولی شیطان ہے کہ ''یُخۡرِجُوۡنَہُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ '' (سورہ بقرہ آیت......۲۵۷) اور اہل ایمان کا ولی خدائے رحمان ہے کہ ''یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ '' (سورہ بقرہ آیت......۲۵۷)۔

ہم نے شیطانوں کو بے ایمانوں کا ولی قرار دیا ہے کا صحیح مفہوم

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خدا نے ان لوگوں کو شیطان کی اتباع پر یا شیطان کو ان کی سرپرستی کرنے پر مجبور کیا ہے ایسا ہرگز نہیں ہے لا اکراہ فی الدین۔ بلکہ اس کا صاف اور سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے خدا اور رسول کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا یار و مددگار بنالیا تو خدا نے ان کو اس بات سے زبردستی نہیں روکا اور انہیں ان کو اپنا مددگار اور سرپرست بنانے دیا۔ کیونکہ جبر کرنا اس کی حکمت کے خلاف ہے بنابریں شیطانوں کو ان لوگوں کا حوالی موالی بنانے کی نسبت خدا کی طرف مجازی ہے۔

۱۸۔ وَإِذَا فَعَلُوْا ... الآیۃ

آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کی مذمت

خداوند عالم فرماتا ہے یہ جب یہ بے ایمان لوگ جن کا تذکرہ سابقہ آیت کے آخر میں ہو رہا تھا کوئی بے حیائی کا برا کام کرتے ہیں تو اس کے جواز کا بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے اور ان کا ایسا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ نے ہی ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟

فاحشہ سے کیا مراد ہے؟

''فاحشہ'' کا لفظ جس کی جمع فواحش ہے جس کے معنی بہت سخت اور قبیح گناہ کے ہیں۔ یہاں اس سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے تو اس سے دور جاہلیت میں مردوں اور عورتوں کا برہنہ ہو کر اکٹھا طواف کرنا مراد لیا ہے لیکن اکثر مفسرین نے اس سے تمام گناہان کبیرہ مراد لئے ہیں اور یہی قول صحیح ہے۔ بہرحال خداوند عالم نے ایسے لوگوں کی جو اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور پھر اسے حکم الٰہی قرار دیتے ہیں۔ سورہ انعام میں بھی رد کی ہے اور یہاں بھی وہاں فرمایا ہے۔

''قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا''۔(انعام۔۱۴۹)

اگر تمہارے پاس اس کی کوئی علمی دلیل ہے تو اسے ظاہر کرو۔ تم تو صرف ظن وتخمین کی پیروی کرتے ہو

اور یہاں فرمایا ہے ''قل ان اللہ لا یامر کہہ دیجئے کہ اللہ کبھی بے حیائی و برائی کا حکم نہیں دیتا۔ تم اللہ پر ایسی بات کی تہمت لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

افادہ

اللہ برائی کا حکم نہیں دیتا (بلکہ وہ تو اچھائی کا حکم دیتا ہے "اِنَّ اللّٰہ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ" (سورہ نحل......۹۰) قطع نظر اس سے کہ اللہ برائی کا حکم دیتا ہے یا اس سے منع کرتا ہے؟ اس سے یہ بات تو بعبارۃ النص واضح ہوتی ہے کہ کچھ چیزیں فی حد ذاتہ اچھی (حسن) ہوتی ہیں اور کچھ ذاتاً بری (قبیح) ہوتی ہیں اور اسے ہی حسن و قبح عقلی کہا جاتا ہے اور یہی عدلیہ (امامیہ و معتزلہ) کا مسلک ہے مگر جمہور اہل اسلام اس مسلک حق کے خلاف ہیں اور ان کا یہ نظریہ قرآن و عقل دونوں کے خلاف ہے۔

۱۹۔ قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ... الآیۃ

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر بات میں میانہ روی اختیار کی جائے

عقیدہ ہو یا عمل، عبادت ہو یا معاملہ، معیشت ہو یا سیاست، خلق ہو یا طرز بود و ماند۔ الغرض زندگی کے تمام حالات و واقعات میں اسلام کی تعلیم کا اصل الاصول یہ ہے کہ ہر چیز میں اعتدال و میانہ روی کا دامن تھاما جائے اور ہر ہر معاملہ میں افراط و تفریط سے دامن کو بچایا جائے۔

عدل در قہر و رضا از کف مدہ
قصد در فقر و غنا از کف مدہ

مخفی نہ رہے کہ ہم سورۃ آل عمران کی تفسیر میں قسط و عدل کی مکمل وضاحت کر چکے ہیں۔

۲۰۔ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ...الآیۃ

یہاں مسجد سے کیا مراد ہے؟

خداوند عالم جو اہل ایمان کو حکم دے رہا ہے کہ ہر مسجد کے وقت اپنے چہرے (قبلہ کی طرف سیدھے رکھو تو قابل غور بات یہ ہے کہ یہاں مسجد سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے متعلق عام مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ "مسجد" ظرف زمان بھی ہوسکتی ہے اور ظرف مکان بھی۔ پہلی صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ سجدہ کے وقت اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ سجدہ کی جگہ یہ الگ بات ہے کہ عام استعمال میں "مسجد" کی لفظ کا اطلاق اس مخصوص مکان پر ہوتا ہے جو نماز پڑھنے کیلئے مختص ہے ہاں البتہ اس سے کوئی بھی مسجد مراد ہوسکتی ہے۔ بہرحال پروردگار نے یہاں اہل ایمان کو یہ حکم دیا ہے کہ نماز کے وقت اور نماز کی جگہ اپنے چہرے کعبہ کی

طرف سیدھے رکھا کرو۔ کیونکہ بالاتفاق نماز کے شرائط میں سے ایک شرط استقبال قبلہ بھی ہے۔

۲۱ وَّادْعُوْهُ... الآیۃ

عبادت کی روح رواں اخلاص ہے

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ اگر دعا و پکار اور عبادت پروردگار جسم ہے تو اس کی روح خلوص ہے اور اگر یہ بات پھول ہے تو اس کی خوشبو خلوص ہے اور ظاہر ہے کہ نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بے کار ہوتا ہے۔ لہٰذا دعا ہو (جو کہ مغز عبادت ہے) یا عام عبادت بہرصورت اس میں کسی قسم کی ریا و سمعہ وغیرہ کی آمیزش اور غیر اللہ کی شرکت نہیں ہونی چاہئے۔ جو کہ عبادت کیلئے بمنزلہ زہر ہلاہل کے ہے چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔

''فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا'' (القران) جو شخص اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری و حضوری کی امید رکھتا ہے اسے چاہئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ (سورہ کہف آیت......۱۱۰)

۲۲۔ كَمَا بَدَاَكُمْ ... الآیۃ

جس طرح اللہ نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا اور تنہا دنیا میں آئے تھے اسی طرح دوبارہ تنہا اس کی طرف لوٹو گے اس پیرایہ میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو تہدید کر رہا ہے کہ جو اپنے مقصد خلقت کو نہیں سمجھتے ہیں اور اگر سمجھتے ہیں تو اس کے مطابق عمل نہیں کرتے اور عدل کرنے، نماز پڑھنے اور خلوص نیت کے ساتھ اس کی عبادت کرنے کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ انہوں نے قیامت کے دن جزا و سزا کیلئے محشور ہونا ہے اور حساب و کتاب کا سامنا کر کے اپنے کئے کی جزا یا سزا پانی ہے وہاں تمہارا کوئی مزعومہ شریک و شفیع تمہارے ساتھ نہیں ہوگا۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

آیات القرآن

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا

زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّكُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿۳۱﴾ قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِيۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِىۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ
وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ ؕ قُلۡ هِىَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا
خَالِصَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۲﴾ قُلۡ
اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ وَالۡاِثۡمَ وَالۡبَغۡىَ
بِغَيۡرِ الۡحَقِّ وَاَنۡ تُشۡرِكُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا وَّاَنۡ تَقُوۡلُوۡا
عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۳﴾

ترجمۃ الآیات

ایک گروہ کو تو اس نے ہدایت دے دی ہے اور ایک گروہ پر گمراہی ثبت ہوگئی ہے۔ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا سرپرست بنا لیا ہے اور پھر وہ (اپنے متعلق) خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں (۳۰) اے اولاد آدم! ہر نماز کے وقت زینت کرو اور کھاؤ پیو اور اسراف (فضول خرچی) نہ کرو۔ کیونکہ وہ بے شک اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (۳۱) (اے رسول ان لوگوں سے) کہو کہ اللہ کی زیب و زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہے کس نے حرام کیا ہے؟ اور کھانے کی اچھی اور پاکیزہ غذاؤں کو (کس نے حرام کیا ہے؟) وہ تو دراصل ہیں ہی اہل ایمان کیلئے دنیوی زندگی میں بھی اور خاص کر قیامت کے دن تو خالص انہی کیلئے ہیں۔ اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ان لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں (۳۲) تم کہہ دو! میرے پروردگار نے صرف بے حیائی و بدکاری کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے خواہ ظاہری ہوں یا باطنی اور اثم (گناہ یا شراب) کو اور کسی پر ناحق زیادتی کو اور یہ کہ کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کیلئے اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ اللہ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہو جس کا تمہیں علم و یقین نہ ہو (۳۳)

تفسیر الآیات

۲۳۔ فَرِیْقًا هَدٰى ... الآیة

لوگوں کی دو قسمیں ہیں ہدایت یافتہ اور گمراہ

اس آیت میں انبیاء ومرسلین کی دعوت دینے کے نتیجے میں لوگوں کی اثر پذیری کا تذکرہ کیا جارہا ہے کہ کچھ تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے ارادہ واختیار سے اس دعوت حق کو شرح صدر سے قبول کیا تو خدا کی عطا کردہ توفیق سے ہدایت پا گئے تو گویا خدا نے ان کو ہدایت دے دی اور کچھ بدقسمت لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اور اس سے رشتہ بندگی توڑ کر شیطانوں اور شیطان صفت نام نہاد انسانوں سے رشتہ ولایت ومحبت جوڑ لیا۔

''اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' تو خدا نے ان بدنصیب لوگوں سے اپنی توفیق سلب کر لی اور اس طرح ان پر گمراہی ثبت ہو گئی مگر اس کے باوجود لوگ اپنی ناسمجھی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

۲۴۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا ... الآیة

نماز کے وقت زینت کرنے کا حکم

اگرچہ نماز میں مرد کیلئے واجب لباس اس قدر ہے کہ جس سے اس کا ستر عورتین ہو جائے۔ (یعنی آگا پیچھا چھپ جائے) اور عورت کیلئے اس قدر لازم ہے کہ چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے سوا باقی پورے بدن کا ساتر ہو۔ مگر زینت سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے (اگرچہ بطور استحباب ہی سہی) وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی حیثیت کے مطابق مکمل اور عمدہ لباس زیب تن کرے آخر رب العالمین کی بارگاہ میں حاضری دینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روایت میں وارد ہے کہ جب حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو اپنا سب سے بہتر لباس زیب بدن فرماتے تھے۔

عرض کیا گیا: فرزند رسول! آپ اس موقع پر یہ عمدہ لباس کیوں پہنتے ہیں؟

فرمایا ''ان الله جمیل یحب الجمال فاتجمل لربی'' اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔

اس لئے میں اپنے پروردگار کیلئے جمال اختیار کرتا ہوں وہ فرماتا ہے ''خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ'' اس لئے میں بہترین لباس پہنتا ہوں۔ (تفسیر عیاشی ونور الثقلین)

اسی طرح بعض روایات کے مطابق نماز پڑھتے وقت داڑھی میں کنگھی کرنے، خوشبو لگانے اور جمعہ و عیدین میں لباس فاخرہ زیب بدن کرنے کا استحبابی حکم بھی وارد ہے۔ (صافی، نور الثقلین وغیرہ)

خلاصہ کلام

یہ کہ اس حکم میں جہلاء کے اس جاہلانہ نظریہ کی تردید کی گئی ہے کہ خدا کی عبادت برہنہ یا نیم برہنہ ہو کر اپنا ظاہری حلیہ بگاڑ کرنی چاہیئے اس کے برعکس معبود برحق یہ فرما رہا ہے کہ اپنی پوری زینت کے ساتھ آراستہ ہو کر اس کی عبادت کرنی چاہیئے۔

خدا کی حلال نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کی اجازت

خوردونوش کی چیزیں ہوں یا خوراک و پوشاک اور سواری کی ہوں یا رہائش کی جب خالق کائنات نے یہ سب کچھ پیدا ہی انسان کے فائدہ کیلئے ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ ''خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا'' (سورہ بقرہ آیت......۲۹) جو کچھ زمین میں وہ سب تمہارے استفادہ کیلئے خلق کیا ہے اور پھر انسانوں سے بھی بالخصوص اہل ایمان کے لئے۔ تو پھر وہ لوگ ان چیزوں کو اپنے تصرف اور استعمال میں کیوں نہ لائیں؟ اور ان سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں؟ لہٰذا جو لوگ (صوفیہ وغیرہ) اپنے خانہ ساز نظریات کے تحت ان حلال و مباح چیزوں سے فائدہ اٹھانے کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ تو اللہ جہاں ان نعمتوں کے استعمال کی اجازت دیتا ہے اور بار بار دیتا ہے وہاں قدرے سخت لب و لہجہ میں ایسے لوگوں سے باز پرس بھی کرتا ہے جو ترک لذائذ کا نام زہد رکھتے ہیں کہ کہیے! کہ اللہ کے سامان آرائش اور پاک پاکیزہ اور اچھی غذاؤں کو کس نے حرام قرار دیا ہے؟ پھر یہ وضاحت بھی کر دی کہ یہ نعمتیں اگرچہ ہیں تو اہل ایمان کیلئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ مگر یہاں تو پھر بھی ان کی برکت سے غیر مومن لوگ بھی ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مگر قیامت کے دن تو یہ صرف اہل ایمان کے ساتھ مخصوص ہوں گی اور کوئی غیر مومن ان کے ساتھ شریک نہ ہوگا۔ بہرکیف اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم نے رہبانیت اور اس کی شاخ صوفیت کا رد کرتے ہوئے واضح فرمایا ہے کہ دنیوی زندگی کی زینتیں اور آسائشیں جذبہ خدا پرستی اور دینداری کے خلاف نہیں ہیں بلکہ ان کا کام میں لانا ہی عین منشائے ایزدی ہے اور یہ خیال بالکل غلط ہے کہ روحانی سعادت کا حصول ترک دنیا میں ہے۔

اسراف کی ممانعت

جو لوگ اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ طاہرینؑ کے مزاج سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان

کے نزدیک ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی پسندیدہ فعل ہے اور افراط وتفریط مذموم بھی ہے اور ممنوع بھی۔ مگر انسان چونکہ طبعاً حرص وہوس کا دلدادہ ہے اس لئے خوراک میں، پوشاک میں، سواری میں اور رہائش میں اسراف وفضول خرچی کی راہ اختیار کرتا ہے اس لئے خالق علیم وحکیم ازراہ شفقت بار بار اسراف اور فضول خرچی سے منع کرتا ہے اور ہر ہر معاملہ میں میانہ روی کا حکم دیتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ ''اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ'' کہ وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ ایک جگہ تو اس نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ فرماتا ہے ''اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ'' (سورہ اسراء آیت......۲۷) تبذیر اور فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

ہم سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۴۲ کی تفسیر میں بقدر ضرورت اسراف کی مذمت وممانعت پر تبصرہ کر چکے ہیں اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ متعدد روایات میں وارد ہے ''المعدة بیت الداء'' معدہ بیماری کا گھر ہے۔ ''والحمیة رأس کل دواء'' اور گرسنگی ہر دواء کی سردار ہے۔ نیز وارد ہے ''لو اقتصد الناس فی المطعم لاستقامت ابدانهم'' اگر لوگ کھانے پینے میں میانہ روی سے کام لیتے تو ان کے بدن درست رہتے (مکارم الاخلاق)۔

اسی طرح متعدد روایات میں وارد ہے ما افتقر من اقتصد جو شخص خرچ اخراجات میں میانہ روی سے کام لیتا ہے وہ کبھی فقیر ونادار نہیں ہوتا۔ (وسائل الشیعہ)

اسراف اور تبذیر کا باہمی فرق

اگرچہ بالعموم اسراف وتبذیر کو مترادف اور ہم معنی الفاظ میں سے سمجھا جاتا ہے مگر محقق علماء نے ان کے درمیان ایک باریک فرق بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں مال خرچ کرنا عقلاً وشرعاً جائز تو ہو مگر حد اعتدال سے زیادہ خرچ کیا جائے اس کا نام اسراف ہے۔ اور جہاں عقلاً وشرعاً مال خرچ کرنا جائز نہ ہو وہاں اس کے صرف کرنے کا نام تبذیر ہے۔ بنابریں اگرچہ دونوں قسمیں ممنوع ہیں مگر تبذیر اسراف سے بھی بدتر ہے۔

تبذیر کے معنوں کی مزید تحقیق

بعض احادیث میں وارد ہے کہ مایتلف المال و یضر بالبدن جو چیز مال کو تلف کرے اور بدن کو نقصان پہنچائے وہ تبذیر ہے (الفصول المہمہ عاملی)

بنابریں ہر وہ چیز تبذیر کے زمرہ میں داخل سمجھی جائے گی جو مال کو تلف کرے اور صحت کو ضرر پہنچائے۔

ارباب عقل کیلئے لمحہ فکریہ!

ارباب عقل و دانش کیلئے لمحہ فکریہ یہ ہے کہ وہ سوچیں اور کوئی فیصلہ کریں کہ تمبا کو نوشی کس زمرہ میں آتی ہے؟ اس میں مال تلف ہوتا ہے۔ یہ چیز عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے صحت کو ضرر پہنچاتی ہے۔ اس پر قریباً تمام اطباء اور ڈاکٹروں کا اتفاق ہے۔ نتیجہ کیا نکلا؟

گوئیم مشکل نگوئیم مشکل۔

۲۵۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ... الآیۃ

قبل ازیں سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۵۲ کی تفسیر اور دس گناہان کبیرہ کی تفصیل کے ذیل میں ان بے حیائی اور برائی کے کاموں کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے جن میں سے بعض کھلے ہوئے ہیں اور بعض چھپے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اور بظاہر اثم سے ہر وہ قول و فعل مراد ہے جس سے خدا کی نافرمانی لازم آئے۔ اس طرح یہ لفظ تمام گناہوں کو شامل ہے۔

اور اس کا فواحش پر عطف عطف العام علی الخاص کی قسم سے ہے مگر بعض مفسرین نے اس سے شراب مراد لی ہے کیونکہ قرآن مجید میں دوسری جگہ اس لفظ کا استعمال شراب کے معنی میں ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

''یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ ط قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ'' (سورہ بقرہ......۲۱۹)

نیز کلام عرب میں اس کے بعض شواہد موجود ہیں کہ شراب کے مختلف ناموں میں سے ایک نام ''اثم'' بھی ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے

شربت الاثم حتیٰ ضل عقلی
کذاك الاثم تذهب بالعقول

اس کا سب سے بڑا شاہد یہ ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے اس آیت کی جو تفسیر منقول ہے اس میں یہاں ''اثم'' سے مراد شراب لی گئی ہے۔ فرمایا: واما الاثم فانہا الخمر (تفسیر نور الثقلین ج ۲)

بنابریں یہی قول قوی معلوم ہوتا ہے اور جہاں تک بغی کا تعلق ہے تو اگرچہ اس میں اللہ کی حدود سے ہر قسم کا تجاوز کرنا مراد لیا گیا ہے اس اعتبار سے خدا کی بندگی کی حدود سے تجاوز کر کے مطلق العنان زندگی گذارنے والا ہر شخص داخل ہے مگر اس سے خاص طور پر ظلم و عدوان مراد لیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔ ''لو بغی جبل علی جبل لجعل الله الباغی منهما دكا'' کہ اگر کوئی پہاڑ بھی کسی پہاڑ پر بغاوت اور زیادتی کرے

تو خدا باغی کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: ''من سل سیف البغی قتل به'' جو ظلم و زیادتی کی تلوار کھینچتا ہے وہ اسی سے قتل کر دیا جاتا ہے۔ (تفسیر کاشف)

مخفی نہ رہے کہ بغی کے ساتھ ''بغیر الحق'' کا لاحقہ محض تاکید کیلئے ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ''وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ'' (سورہ آل عمران......۲۱) میں استعمال ہوا ہے حالانکہ انبیاء کا قتل ہو یا بغی یا ظلم وہ ہوتا ہی بغیر حق کے ہے۔

۲۶۔ اَنْ تُشْرِكُوْا ... الآیة

قبل ازیں سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۵۲ کی تفسیر اور گناہان عشرہ کے ذیل میں اور اس سے پہلے بھی متعدد مقامات پر شرک کی مذمت اس کے اقسام اور احکام مفصل طور پر بیان کئے جا چکے ہیں ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۷۔ وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا ... الآیة

منجملہ گناہان کبیرہ کے ایک گناہ کبیرہ افتراء علی اللہ یعنی اللہ پر جھوٹ بولنا بھی ہے کہ اس کی طرف وہ بات منسوب کی جائے جو اس نے نہ فرمائی ہو۔ جیسا کہ قبل ازیں اسی سورہ کی آیت ۲۸ میں اہل جاہلیت کا یہ قول نقل ہو چکا ہے کہ ''وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا'' کہ جب وہ کوئی بے حیائی اور برائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو یہ کام کرتے ہوئے پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور اس میں ہر وہ نو ایجادبات اور بدعت اور شریعت سازی داخل ہے جو دین میں اختراع کی جائے اور اپنی مرضی سے حلال کو حرام، حرام کو حلال بنایا جائے اور پھر اس کی نسبت خدا اور رسولؐ اور ائمہ علیہم السلام کی طرف دی جائے۔ اس جرم کی سنگینی کیلئے یہی بات کافی ہے کہ اگر روزے کی حالت میں اس گناہ کا ارتکاب کیا جائے تو اس سے روزہ باطل ہو جاتا ہے اور علی الاظہر قضا و کفارہ دونوں لازم ہو جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت امیر علیہ السلام حضرت رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں فرمایا:

''من افتی الناس بغیر علم لعنته ملائکة السماء والارض'' جو شخص علم کے بغیر فتویٰ دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ (عیون اخبار الرضا)

۲۔ نیز حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے فرزند محمد بن الحنفیہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ''یابنی لاتقل مالا تعلم بل لا تقل کلما تعلم'' بیٹا جس چیز کا علم نہ ہو وہ

بات نہ کہنا بلکہ ہر مردہ چیز جس کا علم ہو تو وہ بھی سب نہ کہنا (الفقیہ)

۳۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ

''حجة الله على العباد ان يقولو اما يعلمون و يقفو اعندمالا يعلمون'' اللہ کی حجت بندوں پر یہ ہے کہ وہ بات کریں جس کا انہیں علم ہو اور وہاں ٹھہر جائیں جس کا علم نہ ہو (تفسیر نور الثقلین)

۴۔ عبدالرحمٰن بن حجاج بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اياك و خصلتين فيهما هلك من هلك. ان تفتي الناس او تدين بمالا تعلم'' (الخصال) دو خصلتوں سے اجتناب کر کہ انہی کی وجہ سے ہلاک ہونے والے ہلاک ہوئے ہیں۔

۱۔ خبردار اپنی رائے و قیاس سے لوگوں کو فتویٰ نہ دینا

۲۔ اور جس چیز کا علم نہ ہو اسے دین نہ بنانا

آیات القرآن

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہر امت (قوم) کیلئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ پس جب وہ مقررہ وقت آجاتا ہے تو نہ وہ ایک ساعت کیلئے پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ ایک ساعت آگے بڑھ سکتے ہیں (۳۴) اے اولادِ آدم اگر تمہارے پاس تم ہی سے میرے کچھ رسول آئیں جو تمہیں میری آیات پڑھ کر سنائیں (اور میرے احکام تم تک پہنچائیں) تو جو شخص پرہیزگاری اختیار کرے گا اور اپنی اصلاح کرے گا ان کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۳۵) اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلہ میں تکبر کریں گے وہی لوگ جہنم والے ہوں گے جو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (۳۶) اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے (خود جھوٹی باتیں گھڑ کر اس کی طرف منسوب کرے) یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ ایسے لوگوں کو نوشتہ کتاب (اپنے مقدر) کا حصہ تو ملے گا لیکن جب ان کے پاس ہمارے فرستادہ (فرشتے) ان کی روحوں کو قبض کرنے کیلئے آئیں گے تو وہ ان سے کہیں گے (آج) وہ کہاں ہیں؟ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے تھے وہ جواب دیں گے کہ وہ تو ہم سے غائب ہو گئے اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کافر تھے (۳۷)۔

تفسیر الآیات

۲۸۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ... الآیۃ

افراد کی طرح اقوام کیلئے بھی ایک اجل مقرر ہوتی ہے

اربابِ دانش و بینش جانتے ہیں کہ جس طرح افراد کی زندگی کا ایک پیمانہ مقرر ہوتا ہے اس کی زندگی کے سن و سال اور ماہ و ایام معین ہوتے ہیں۔ اسی طرح خوشی و غم اور خورد و نوش کے بھی پیمانے مقرر ہوتے ہیں۔ جب کوئی آدمی اپنی مدت پوری کر لیتا ہے تو دارِ فانی کو چھوڑ کر دارِ جاودانی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مختلف امتوں اور قوموں کیلئے بھی ایک اجل معین ہوتی ہے۔ مگر ان کے زوال و فنا کا پیمانہ ان کے ایمان اور اعمال اور اخلاق و اطوار کے اعتبار سے مقرر ہوتا ہے اور ان کے ایمان و کردار کے انحطاط اور شر و فساد کی ایک حد مقرر ہوتی ہے۔ جب وہ اس حد تک پہنچ

جاتے ہیں اوران کا وجود زمین پر حکمت ایزدی کے خلاف ہوتا ہے تو پھران کی زندگی کی کشتی غرق ہوجاتی ہے اورظہور نتائج میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں ہوتی اور جب تک وہ اس حد تک نہیں جاتے تب تک خدائے علیم وحکیم ان کو ڈھیل دیتا رہتا ہے تا کہ شاید وہ اپنی بے ایمانی اور بدکرداری سے باز آجائیں۔اس طرح وہ برابران پر اپنی نعمتیں نازل کرتا رہتا ہے مگر جب وہ اپنے برے اعمال سے باز نہیں آتے اور مہلت کی میعاد ختم ہوجاتی ہے تو پھران کی ہلاکت میں ایک گھنٹہ کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی۔''اِنَّ الۡمَوۡتَ الَّذِیۡ تَفِرُّوۡنَ مِنۡهُ......''(سورہ جمعہ......۸) کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔فرمایا:

''پہلے سن و سال شمار کئے جاتے ہیں، پھر مہینے گنے جاتے ہیں پھر دنوں کا حساب کیا جاتا ہے۔ بعدازاں گھڑیاں گنی جاتی ہیں اورسب کے آخر میں سانس شمار کئے جاتے ہیں۔لہٰذا جب مقررہ وقت آجائے تو پھر ایک گھنٹہ کی تقدیم وتاخیر نہیں ہوسکتی''۔(تفسیر صافی بحوالہ اصول کافی)

''سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ''(سورہ اعراف......۱۸۲)

۲۹۔ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ ...الآیة

یہ خطاب آدم علیہ السلام کی اولاد کے تمام مکلفین کو ہے

مفسرین اسلام اس حقیقت پر متفق نظر آتے ہیں کہ یہ خطاب جناب آدمؑ کی اولاد میں سے تمام مکلفین کو ہے خواہ ان کا تعلق اولین سے ہو یا آخرین سے اوراسی سے امت مرزائیہ کے اس بودے استدلال کی رکاکت واضح ہوجاتی ہے جو وہ اس آیت سے اجراء نبوت پر کیا کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کے زمانہ کے لوگوں سے کہا جارہا ہے کہ ''اگر آئیں تمہارے پاس رسول'' ایسا نہیں ہے بلکہ یہ خطاب تمام بنی آدم سے ہے۔صرف پیغمبر اسلامؐ کے عہد کے لوگوں سے نہیں ہے۔

یہ عہد و پیمان کب لیا گیا تھا؟

ہاں البتہ اس بات میں قدرے اختلاف ہے کہ خدا نے بنی آدم سے یہ عہد و پیمان کب لیا تھا؟ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے وہ عہد میثاق مراد ہے جو انسان سے اسی دنیا میں آنے سے پہلے عالم ارواح میں لیا گیا تھا۔کہ جب ہمارے رسول ہدایت اور احکام لے کر آئیں تو ان پر ایمان لے آنا اوران کے مطابق عمل درآمد کرنا اور وہیں سے یہ بات بھی واضح کردی گئی تھی کہ جو اس عہد و پیمان پر قائم رہے گا اوراس عہد کے تقاضوں کو پورا کرے گا اسے کوئی رنج وغم اورحزن وملال نہ ہوگا اور جنت الفردوس اوراس کی نعمتوں کا مستحق قرار پائے گا اور جو اس عہد و پیمان

سے منحرف ہوجائے گا یعنی انبیاء کی تکذیب کرے گا اور ان کے لائے ہوئے ہدایت واحکام کی تعمیل کی بجائے سرکشی کر کے روگرانی کرے گا وہ دائمی عذاب وعقاب جہنم کا مستوجب قرار پائے گا۔(معارف القرآن)

اور بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ اس وعدہ کی یاد دہانی ہے جو اللہ نے جناب آدم علیہ السلام کے جنت سے نکالے جانے کے وقت یعنی نوع انسان کی زندگی کے آغاز کے وقت ان سے اور ان کی ذریت سے لیا تھا۔ جس کی تفصیل سورہ بقرہ کی آیت ......۳۸ میں مذکور ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ'' ہم نے (آدم) کو حکم دیا تھا کہ یہاں سے اتر جاؤ۔ اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو اس کی پیروی کرے گا اسے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی حزن وملال ہوگا۔

خدا نے یہ عہد و پیمان جناب آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت سے شیطان کی فتنہ سامانیوں اور وسوسہ انگیزیوں سے بچنے کیلئے لیا تھا۔ جو انبیاء پر ایمان لانے اور ان کی پیروی کرنے میں مضمر ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی سے انبیاء ومرسلین بھیج کر پورا فرمایا۔

۳۰۔ فَمَنْ اَظْلَمُ ...الآیة

دار دنیا میں لوگوں کی روش ورفتار کا تذکرہ اور اس کا انجام

اس آیت میں اس حقیقت حال کو بیان کیا جا رہا ہے جو مختلف انسانوں نے دار دنیا میں آنے کے بعد اختیار کی کہ کچھ وہ ہیں جنہوں نے عہد شکنی کی اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے اس عہد و پیمان کو پورا کیا۔

جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے تو ان کو دنیا میں زندگی اور روزی وغیرہ میں سے وہ حصہ تو ضرور ملے گا جو ان کیلئے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ مگر ان کیلئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہوجائے گا اس وقت تک وہ بہشت میں داخل بھی نہیں ہوں گے۔ یعنی کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا محال ہے اور اسی کا نام تعلیق الامر علی المحال ہے یعنی کسی چیز کو ایک ناممکن شرط عائد کر کے ناممکن بنانا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے اسی طرح ان کا بہشت میں داخل ہونا بھی ممکن نہیں ہے۔ قیامت کے وقت فرشتے ان سے کہیں گے کہ وہ آج کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے تھے اور ان کی پرستش کیا کرتے تھے وہ جواب دیں گے کہ وہ کھو گئے اس وقت وہ اپنے کفر اور اپنے جرم کا اعتراف کریں گے مگر اس وقت کا اقرار انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا اس

لئے حکم ہوگا کہ ان لوگوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے شیطان کی پیروی کر کے اس میں داخل ہو چکے ہیں۔

آیات القرآن

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

ترجمۃ الآیات

ارشاد ہوگا تم بھی اسی جہنم میں داخل ہو جاؤ جس میں تم سے پہلے گذرے ہوئے جن وانس کے گروہ داخل ہو چکے ہیں (اور) جب بھی کوئی (جہنم میں) داخل ہوگا تو اپنے ساتھی (پیش رو) گروہ پر لعنت کرے گا۔ یہاں تک جب سب وہاں جمع ہو جائیں گے (سب واصل جہنم ہو جائیں گے) تو بعد والا گروہ پہلے گروہ کے بارے میں کہے گا ”اے پروردگار! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا اس لئے انہیں دوزخ کا دوگنا عذاب دے۔“ ارشاد ہوگا ہر ایک کیلئے دوگنا عذاب ہے لیکن تم جانتے نہیں ہو (۳۸) اوران کا پہلا گروہ دوسرے گروہ سے کہے گا کہ (اگر ہم مستوجب الزام تھے) تو پھر تم کو ہم پر کوئی فضیلت تو نہ ہوئی بس (ہماری طرح) تم بھی اپنے کئے کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو۔ (۳۹) یقینا جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

اوران کے مقابلہ میں تکبر وغرور کیا ان کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔اور اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہیں گذر جائے گا ہم اسی طرح مجرموں کو بدلہ دیا کرتے ہیں (۴۰)۔

تفسیر الآیات

۳۱۔قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ ... الآیۃ

یہاں پچھلی اور پہلی امت سے کیا مراد ہے؟

بعض مفسرین نے آخری اوراولی سے مراد یہ لی ہے کہ جولوگ بعد میں دوزخ میں داخل ہوں گے وہ ان سے کہیں گے جوان سے پہلے دوزخ میں داخل ہو چکے ہوں گے اور دوسروں نے آخری سے مراد تابع لوگ اوراولی سے متبوع مراد لئے ہیں۔یعنی جن لوگوں دنیا میں تو بڑے اخلاص ومحبت،تابع ومتبوع قائد و پیرو اور پیرومرید والے گہرے تعلقات تھے اور ایک دوسرے کے گن گاتے تھے آج دوزخ میں ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھ کر ایک دوسرے پر لعنت کے ڈونگرے برسائیں گے اور ایک دوسرے سے تبرا دبیزاری اختیار کریں گے۔مرید اور پیروکار اپنے پیروں وپیشواؤں سے کہیں گے۔تم پر خدا کی پھٹکار۔تم نے ہمارا بیڑا غرق کیا۔اور پیشوااختیار کہیں گےتم پر خدا کی مار۔تم نے کیوں ہماری پیروی کی؟

نیز تابعین خدا کی بارگاہ میں استغاثہ کریں گے۔بارالہا انہوں نے ہی ہمیں گمراہ کیا لہٰذا ان کو دوگنا عذاب دے۔ارشادقدرت ہوگا:''لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ'' ہرایک کیلئے دوگنا عذاب ہے۔مگرتم جانتے نہیں ہو۔اس لحاظ سے اگلوں کا عذاب دوگنا ہے کہ وہ پچھلے کی گمراہی کا باعث بنے۔اور کسی کا اس اعتبار سے عذاب زیادہ ہے کہ انہوں نے پہلوؤں کے انجام سے کوئی سبق حاصل نہ کیا۔الغرض وہ ایک دوسرے کوخوب کوسنے دیں گے۔ایک دوسرے پر الزام لگائیں گے اور ایک دوسرے پر خوب برسیں گے مگر کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔کیونکہ

''اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ''اس دن پرہیزگاروں کے سوا باقی سب دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔(سورہ زخرف ......۶۷)

مخفی نہ رہے کہ اس موضوع پر سورۃ بقرہ کی آیت اذا تبرا الذین اتبعوا کی تفسیر میں مفصل گفتگو کی

جا چکی ہے۔ اگر یہاں پہنچ کر اس مقام کی طرف رجوع کر لیا جائے تو اس موضوع کی افادیت میں اضافہ ہو جائے گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی تفسیر سے اسی دوسری تفسیر کی تائید مزید ہوتی ہے کہ اس سے آئمہ جور اور ان کے پیروکار مراد ہیں۔ (مجمع البیان، وتفسیر نور الثقلین)

۳۲۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ ... الآية

آسمان کے دروازے کب کھلتے ہیں

۱۔ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ پانچ وقت آسمان کے دروازے کھلتے ہیں

۱۔ بارش برستے وقت۔

۲۔ جہاد کے وقت

۳۔ اذان کے وقت

۴۔ قرآئت قرآن کے وقت

۵۔ اور طلوع فجر اور زوال کے وقت (کتاب الخصال)

۲۔ یہودیوں نے حضرت امیر علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ

''آسمان کا قفل کیا ہے؟''

فرمایا ''شرک باللہ۔''

پھر پوچھا اس کی کلید (چابی) کیا ہے؟

فرمایا: لاالہ الااللہ (کتاب الخصال)

۳۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب مومن کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں یا جب مومن کی روح قبض کی جاتی ہے تو آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جب کافر کے اعمال آسمان تک پہنچتے ہیں تو ایک منادی ندا دیتا ہے کہ انہیں سجین میں نیچے لے جاؤ۔ جو کہ یمن میں ایک وادی ہے جسے وادی برہوت کہا جاتا ہے۔ (مجمع البیان)

الغرض آسمان کے دروازوں کے نہ کھلنے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو ان کا کوئی عمل قبول ہوتا ہے اور نہ ہی ان پر رحمت پروردگار کا نزول ہوتا ہے ارشاد قدرت ہے ''اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُه'' (فاطر...... ۱۰) اس کی بارگاہ تک اچھے کلمات پہنچتے ہیں اور وہ اچھے کام کو بلند کرتا ہے اور جہاں تک کفار

ومشرکین کا تعلق ہے "لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ" ان کا اوڑھنا بچھونا جہنم ہوگی۔ "ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ" (سورہ حج......۱۱)

آیات القرآن

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي
الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَآ ۡ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۴۲ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ
صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ
جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۴۳

ترجمۃ الآیات

ان کا بچھونا بھی جہنم کا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی جہنم کا ہم اسی طرح ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں
(۴۱) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ہم کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ
تکلیف نہیں دیتے یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (۴۲) اور جو کچھ ان
کے دلوں میں کدورت ہوگی ہم اسے باہر نکال دیں گے ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ
شکر کرتے ہوئے کہیں گے ہر قسم کی تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے ہمیں منزل مقصود تک
پہنچایا اور ہم کبھی یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر وہ ہمیں نہ پہنچاتا۔ یقینا ہمارے پروردگار
کے رسول حق کے ساتھ آئے اور انہیں ندا دی جائے گی کہ یہ بہشت ہے جس کے تم اپنے ان
اعمال کی بدولت وارث بنائے گئے ہو جو تم انجام دیا کرتے تھے (۴۳)

تفسیر الآیات

۳۳۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الآية

کفار و مشرکین کے مخلد فی النار ہونے کی وعید کے بعد مومنین اور مطیعین سے مخلد فی الجنة ہونے کا وعدہ کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ جنت میں داخل ہوں گے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

۳۴۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا ... الآية

اہل ایمان اور ان کی جزا کے تذکرہ کے درمیان بطور جملہ معترضہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ جہنم سے بچنے اور جنت کے حاصل کرنے کیلئے جو بوجھ بندہ پر ڈالا گیا ہے اس کیلئے نا قابل برداشت نہیں ہے کیونکہ خدائے رحیم و کریم کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا لہٰذا آدمی تھوڑی سی ہمت سے کام لے تو بغیر کسی عسر و حرج اور بغیر کسی خاص مشقت کے بڑی آسانی سے جاگیر جنت کو حاصل کر سکتا ہے اور آتش دوزخ سے بچ سکتا ہے۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ بالکل سہل و آسان ہے اور اس کے احکام میں بڑی نرمی اور آسائش ہے۔

۳۵۔ وَنَزَعْنَا ... الآية

یہ کون سی کدورت ہے جو اہل ایمان کے دلوں سے دور کی جائے گی؟

جب ایمانداروں اور پرہیزگاروں کے سینوں میں ایمان اور نیک کام کی وجہ سے جو جنت میں داخل ہونے کا میزان ہیں کینہ اور کدورت ہوتی ہی نہیں ہے۔ کیونکہ مومن حقود (کینہ پرور) نہیں ہوتا۔ تو پھر یہ کون سا کینہ ہے اور کون سی کدورت ہے جو جنت میں داخل کرنے سے پہلے ان کے دلوں سے دور کر دی جائے گی۔ تو اس کا جواب واضح ہے کہ وہ کینہ و کدورت ذاتی اور دنیوی معاملات کے متعلق ہی ہو سکتی ہے جو بعض اوقات کسی غلط فہمی اور سوئے تفاہم کی وجہ سے متقی اور پرہیزگار لوگوں میں بھی پیدا ہو جاتی ہے اس کے غبار کو ان کے آئینے قلب و دماغ سے جنت میں داخل ہونے سے پہلے صاف کر دیا جائے گا۔

بنا بریں یہ جو بعض مفسرین نے اس رنجش اور کدورت کو حضرت علی اور ان کے مخالفین سے متعلق قرار دیا ہے یہ قطعاً صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ رنجش اور کدورت کسی دنیوی امر سے متعلق نہ تھی بلکہ خالص اسلامی و ایمانی مسئلہ

خلافت اور اصول ایمان سے متعلق تھی اور پھر یہ کدورت صرف قلب و دماغ تک محدود نہ تھی بلکہ اس نے وہ عملی صورت اختیار کر لی تھی جو ہزاروں جانوں کے ضیاع پر منتج ہوئی اور پھر یہاں کوئی غلط فہمی بھی نہ تھی سب مخالفین کو معلوم تھا کہ حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کرنا نبیؐ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ ''یا علی حربک حربی'' اور یہ کہ علی کی محبت کا نام ایمان اور علی کے بعض کا نام کفر ونفاق ہے۔ ''یا علی حبک ایمان وبغضک کفر ونفاق''۔

لہٰذا اس آیت کا ان لوگوں کے منازعات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علاوہ بریں اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان جنت میں اس طرح مہر ومحبت اور تپاک وگرمجوشی سے باہم ملیں گے اور اس طرح آمنے سامنے بیٹھ کر مہر ومحبت کا تبادلہ کریں گے کہ جس سے واضح ہو جائے گا کہ ان کے دلوں میں کسی قسم کی رنجش وکدورت کا کوئی شائبہ تک موجود نہیں ہے اسے کہتے ہیں ایک لفظ استعمال کر کے اس سے اس کا لازم مراد لینا جیسے ارشاد قدرت ہے: ''فَالۡيَوۡمَ نَنۡسٰٮهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ يَوۡمِهِمۡ هٰذَا'' (سورہ اعراف......۵۱) ہم ان کو اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھلانے سے اس لفظ کے اصلی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اس کا لازم مراد ہے یعنی ہم ان کی طرف کوئی التفات اور توجہ نہیں کریں گے کیونکہ بھلانے کا لازمہ عدم التفات ہے مقصد یہ کہ اہل ایمان میں جنت کے اندر حسد وکینہ، عداوت وکدورت اور رشک وحسد کا کوئی شائبہ تک نہیں پایا جائے گا۔ قرآن نے اسی حقیقت کو ''وَ نَزَعۡنَا مَا فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ'' کہہ کر اہل بہشت کی اسی کیفیت کو بیان کیا ہے ''فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدۡخِلَ الۡجَـنَّةَ فَقَدۡ فَازَ'' (سورہ آل عمران......۱۸۵)

۳۶۔ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ... الآیۃ

جنتی لوگ دنیا کا طویل اور عریض اور پرہول و پرخطر سفر طے کر کے جب جنت الفردوس میں پہنچ جائیں گے تو اپنے انجام بخیر ہونے کو توفیق ایزدی کا ثمرہ اور نتیجہ قرار دیتے ہوئے اس کا شکر ادا کریں گے کہ اسی کی عطا کردہ توفیق اور قدرت اور اسی کے فضل وکرم سے ان کیلئے جنت کا حصول ممکن ہوا ورنہ ہم اس مقصد میں کس طرح کامیاب ہو سکتے تھے؟

۳۷۔ وَنُوۡدُوۡۤا اَنۡ تِلۡكُمُ... الآیۃ

جب اہل بہشت جنت کے حصول کو از راہ عبودیت وبندگی خدا کی توفیق اور اس کے فضل وکرم کا نتیجہ قرار دیں گے تو ان کو ندا دی جائے گی کہ تم جو بہشت کے وارث قرار دے گئے ہو۔ یہ تمہارے اچھے اعمال کا صلہ ہے جو تم نے انجام دیئے تھے۔ یہ کوئی تم پر مفت کا احسان نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا کہ اجر وثواب بندہ کا

حق ہے محض تفضّل نہیں ہے ہاں البتہ عفو ودرگذر اس کا فضل ہے مخفی نہ رہے کہ آیت میں جو لفظ وراثت ہے اس میں ایک لطیف تلمیح ہے اس واقعہ کی طرف جس کا تذکرہ حدیث میں موجود ہے جو حضرت محمد رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مروی ہے۔فرمایا ''ہر شخص کا ایک مکان جنت میں ہے اور ایک جہنم میں۔تو جو کافر ہے وہ مومن کے جہنم والے مکان کا وارث قرار پاتا ہے اور جو مومن ہے وہ جنت میں کافر کے مکان کا وارث قرار پاتا ہے۔'' یہ مطلب ہے اس ارشاد خداوندی کا کہ ''اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ'' (مجمع البیان)

آیات القرآن

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا
فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ
بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ
وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ
الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا
صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور جنتی لوگ دوزخیوں کو ندا دیں گے کہ ہمارے پروردگار نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اس کو ہم نے تو سچا پالیا ہے کیا تم نے بھی اس وعدہ کو جو تمہارے پروردگار نے تم سے کیا تھا سچا پایا ہے؟ وہ (جواب میں) کہیں گے ہاں تب ایک منادی ان کے درمیان ندا کرے گا کہ خدا کی لعنت ہو ان ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے رہے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے رہے ہیں۔اور وہ آخرت کا انکار کرتے رہے ہیں (۴۴) اور ان دونوں (بہشت و دوزخ)

کے درمیان پردہ ہے (حد فاصل) اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو اس کی علامت سے پہچان لیں گے۔ اور وہ بہشت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہو اور یہ لوگ (ابھی) س میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے۔ حالانکہ وہ اس کی خواہش رکھتے ہوں گے (۴۶) اور جب ان کی نگاہیں دوزخ والوں کی طرف پھریں گی تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر (۴۷)۔

تفسیر الآیات

۳۸۔ وَنَادٰی اَصۡحٰبُ... الآیة

جنتیوں اور جہنمیوں کا باہمی مکالمہ اور ایک ایراد کا جواب

جب خداوند عالم ان آیات میں یہ حقیقت بیان کر رہا ہے کہ جب جنتی لوگ جنت میں اور جہنمی لوگ جہنم میں اپنے اپنے مقام پر پہنچ جائیں گے تو وہ اس طرح باہم گفتگو اور سوال و جواب کریں گے۔ (جو قرآن مجید میں مذکور ہے) یہاں ایک مشہور ایراد کیا جاتا ہے کہ بنا بر مشہور جنت آسمانوں میں ہے اور جہنم زمین میں اور ان کے درمیان جب زمین و آسمان کا فاصلہ ہے تو پھر جنتی و جہنمی باہم گفتگو کس طرح کریں گے؟

اس ایراد کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ قیامت کے بعد زمین و آسمان کی بساط لپیٹ دی جائے گی اور یہ فاصلے ختم ہو جائیں گے۔ اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس زمین و آسمان کی جگہ نئے زمین و آسمان لے لیں گے اور یہ فاصلے بحال رہیں گے تو پھر بھی اس میں کوئی اچنبے کی بات نہیں ہے۔

بالخصوص اس سائنسی دور میں جب کہ موجودہ دور کے انسان نے بعض قوانین قدرت اور آئین فطرت کے راز معلوم کر کے ایسی دوربینیں ایجاد کر لی ہیں جن کی مدد سے ہزاروں میل دور چلنے والے چراغ کی لَو بھی دیکھ سکتا ہے اور ایسے ٹیلی ویژن ایجاد کر لئے ہیں کہ جن کے توسط سے ہزاروں میل کسی مقرر کو تقریر کرتے اور حاضرین کو داد دیتے اور نعرہ لگاتے دیکھ بھی سکتا ہے اور سن بھی سکتا ہے۔ تو اگر آخرت میں انسان کی قوت بصارت وسماعت کا پیمانہ اس قدر وسیع ہو جائے کہ جنت و دوزخ اور عالم اعراف کے لوگ جب چاہیں تو ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکیں اور ایک دوسرے سے سوال و جواب بھی کر سکیں اور گفت و شنید بھی۔ تو اس میں کیا جائے تعجب ہے؟ اسی بیان سے عالم آخرت کے دوسرے حقائق تسلیم کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے جب کہ قرآن ہمیں خبر دیتا ہے

اور بعض احمق ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ وہاں کی اخروی زندگی دنیا کے طبعی قوانین کی پابند نہیں ہے بلکہ اس کے قوانین اور آئین اس دنیوی زندگی سے مختلف ہیں۔

۳۸۔ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ...الآیة

یہ مؤذن کون ہوگا

جب جہنمی نزول عذاب کا اعتراف کرلیں گے تو ایک منادی ندا کرے گا۔ کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہو۔ یہ منادی کون ہوگا؟ ایک قول یہ ہے کہ وہ داروغہ جہنم ہوگا۔ مگر حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا ''المؤذن امیر المومنین علیؑ'' کہ وہ منادی حضرت علی علیہ السلام ہوں گے۔ (مجمع البیان)

برادران اسلامی کے عالم حاکم ابوالقاسم حسکانی ماسنا خود حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا ''اناذلك المؤذن'' کہ وہ منادی میں ہوں گا۔

۳۹۔ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ...الآیة

ان ظالموں کے چند صفات رذیلہ کا بیان

جن بدنصیب لوگوں پر خدا کے حکم سے لعنت کرائی جا رہی ہے خداوند عالم یہاں ان کی بعض صفات رذیلہ کا تذکرہ بھی کر رہا ہے۔

۱۔ ان کی پہلی صفت بد یہ ہے کہ وہ ظالم ہیں۔ بظاہر یہاں ظلم سے مرد کفر و شرک ہے۔

۲۔ جس طرح وہ خود حق کو قبول نہیں کرتے وہ دوسروں کو بھی اس کے قبول کرنے سے منع کرتے ہیں۔

۳۔ دین حق میں مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرکے اسے ٹیڑھا کرنے اور اسے غلط رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۴۔ اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں بھلا جس گروہ میں یہ چار صفات رذیلہ پائی جائیں اس پر خدا کی لعنت نہ ہو تو کیا رحمت ہو؟

۴۰۔ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ...الآیة

مقام اعراف کیا ہے

اعراف عرف کی جمع ہے جس کی معنی بلند جگہ کے ہیں۔ بنابریں اعراف کے معنی ہوں گے بلند مکان۔ یہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک جگہ ہے جسے قرآن وسنت میں مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔

۱۔ اعراف

۲۔ حجاب (پردہ) جو جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان حائل ہوگا۔ تاکہ وہ ادھر ادھر نہ جائیں اور جنت کا خوشگوار اثر دوزخ تک اور دوزخ کی گرمی جنت تک نہ جا سکے۔

۳۔ سور (دیوار) ”فَضُرِبَ بَيۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيۡهِ الرَّحۡمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنۡ قِبَلِهِ الۡعَذَابُ“۔ ان (دونوں وگرہوں) کے درمیان دیوار کھڑی کردی جائے گی۔ جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ جس کے اندر کی جانب (جو اہل جنت کی طرف ہوگا) رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی طرف (جو اہل دوزخ کی طرف ہوگا) عذاب ہوگا۔ (سورہ الحدید...... ۱۳)

مشہور یہ ہے کہ یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں نہ کوئی خاص چین وسکون ہے اور نہ کوئی خاص تکلیف

حوران بہشتی را اعراف بود دوزخ
از دوزخیاں برس کہ اعراف بہشت است

باقی رہی اس کی اصل حقیقت کہ وہ کیا ہے؟ ہم کئی بار اس حقیقت کا اظہار کر چکے ہیں کہ آخرت کے اصل حقائق یہ ہماری عقل وخرد کے حدود سے ماوراء ہیں اس لئے ان پر اجمالی ایمان رکھنا کافی ہے۔ اس سے زیادہ نہ ہم سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی ہم اس کے مکلف ہیں۔

اعراف والے لوگ کون ہوں گے؟

مفسرین اسلام میں اس کے بارے میں سخت اختلاف ہے کہ وہ لوگ کون ہوں گے جو مقام اعراف میں ہوں گے؟ بعض اہل تفسیر نے تو پورے پندرہ قول نقل کئے ہیں (روح البیان)

مگر مشہور قول دو ہیں۔

۱۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں بالکل برابر ہوں گی۔ اور میزان عمل میں دونوں پلے مساوی ہوں گے اور بالآخر خدا کے فضل اور اس کی رحمت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہی تفسیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے (الکافی، القمی، البصائر، الصافی)

۲۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے درجے بہت بلند و بالا ہوں گے جیسے انبیاء و اوصیاء، شہداء اور صلحاء مگر ہماری متعدد احادیث جو وارثان قرآن یعنی اہل بیتؑ سے مروی ہے میں وارد ہے کہ ان رجال اعراف سے ائمہ طاہرینؑ مراد ہیں جو ہر شخص کو دیکھ کر علامات سے پہچان لیں گے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے۔ وہ علامات کیا ہوں گی؟ قرآن و حدیث میں اس کی تفصیل مذکور نہیں ہے ہاں البتہ عین ممکن ہے کہ ان علامات سے وہ علامات مراد ہوں جن کا تذکرہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۶ میں ہے کہ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ کہ اس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔ یا جیسے سورہ عبس کی آیت...... ۳۸، اور اس کی بعد والی آیات میں مذکور ہیں ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ'' اس دن کچھ چہرے چمکتے ہوں گے خنداں و فرحاں ہوں گے (یہ جنتی لوگ ہوں گے) اور کچھ چہرے ایسے ہوں جن پر گرد و غبار پڑا ہوگا اور ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ (یہ کفار و بدکار ہوں گے)۔

واللہ العالم، بہر حال وہ ان کو اسماء و اشخاص سے نہیں علامات سے ہی پہچان لیں گے کہ یہ جنتی ہے اور یہ جہنمی ہے۔

۱۔ چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے:

''نحن علی الاعراف نعرف انصارنا بسیماهم ونحن الاعراف یوقفنا الله عزّ و جلّ یوم القیامة علی الصراط فلا یدخل الجنة الّا من عرفنا وعرفناه ولا یدخل النار الّا من انکرنا و انکرناه'' ہم ہی مقام اعراف پر ہوں گے۔ جو اپنے انصار و اعوان کو علامات سے پہچانیں گے۔ اور ہم وہ اصحاب اعراف ہیں کہ ہمیں خداوند عالم قیامت کے دن صراط پر کھڑا کرے گا۔ پس جنت میں وہی داخل ہوگا جسے ہم پہچانتے ہوں گے اور وہ ہمیں پہچانتا ہوگا۔ اور جہنم میں وہی داخل ہوگا جو ہمیں نہیں پہچانتا ہوگا اور ہم اسے نہیں پہچانتے ہوں گے۔ (الکافی، البصائر، الاحتجاج، الصافی)

۲۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''هم آل محمد علیهم السلام لا یدخل الجنة الا من عرفهم و عرفوه و لا یدخل النار الا من انکرهم و انکروه'' اصحاب اعراف سے مراد آل محمدؐ ہیں جنت میں وہی داخل ہوگا جسے یہ (اس کے ایمان و نیک کام کی وجہ سے) پہچانتے ہوں گے اور وہ ان کو پہچانتا ہوگا اور جہنم میں وہی داخل ہوگا جو ان کو نہیں پہچانتا ہوگا اور جسے وہ (اس کی بے ایمانی و بدعملی کی وجہ سے) نہیں پہچانتے ہوں گے۔ (مجمع البیان، وصافی)

۳۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''اعراف جنت وجہنم کے درمیان کچھ ٹیلہ نما بلند مقامات ہیں جہاں ہر نبی اور ہر وصی اپنی امت کے گناہ گار لوگوں کے ہمراہ کھڑا ہوگا جس طرح لشکر کا سربراہ لشکر کے آخر میں چلتا ہے تا کہ اگر کوئی سپاہی کسی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکے تو وہ اس کی مدد کر کے اسے آگے لے جائے۔ چنانچہ جب نیکوکار لوگ ان سے پہلے جنت میں پہنچ جائیں گے تو وہ گناہ گاروں سے کہیں گے اپنے ان بھائیوں کی طرف دیکھو۔ جو تم سے پہلے جنت میں پہنچ گئے ہیں۔تب وہ گناہ گار ان کو سلام کریں گے اور اگر چہ وہ ہنوز جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے مگر وہ اس کے امیدوار ضرور ہوں گے کہ نبی و امام کی شفاعت وسفارش سے خدا انہیں جنت میں داخل کرے گا اور جب دوزخیوں پر نگاہ کریں گے تو پکار اٹھیں گے۔ ربنا لا تجعلنا مع القوم الظالمین اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالموں میں سے قرار نہ دے۔ پھر اصحاب اعراف یعنی انبیاء وآئمہ دوزخیوں کی زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ آج تمہاری جمعیت اور تمہارے تکبر واستکبار نے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔اور تم دوزخ میں گل سڑ رہے ہو اور یہی وہ کمزور اہل ایمان ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر اپنی رحمت نازل نہیں کرے گا آج وہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ پھر علم معانی بیان کی ایک خاص قسم التفات سے جو من الغیبۃ الی الخطاب نہیں بلکہ من الخطاب الی الخطاب ہے۔ایک گروہ سے خطاب کرتے ہوئے اچانک روئے سخن دوسرے گروہ کی طرف ہو جائے گا یعنی اصحاب اعراف اہل بہشت سے کہیں گے ادخلوا الجنۃ کہ تم اس حال میں جنت میں داخل ہو جاؤ کہ تمہارے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی حزن وملال''(مجمع البیان القمی والصافی)

اس طرح دوزخی لوگ خجل وشرمندہ ہوں گے اور ان کی حسرت وندامت میں مزید اضافہ ہوگا اور یہ انداز گفتگو بتا رہا ہے کہ یہ افراد محشر کے نمائندہ ہیں اور یہاں جو کھڑے ہیں وہ اس کارخانہ عدل ومجازات کے ایک کارندہ کی حیثیت سے ہیں کہ جن کے قصور (محلات) ان کی آمد کیلئے آغوش کشودہ ہیں مگر انہیں ابھی اپنے کار ہائے منصبی سے فرصت نہیں ہے کہ وہ جا کر اپنے قصور میں متمکن ہوں (فصل الخطاب ج ۳)

اس بیان نیز البرہان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ مقام اعراف میں دو قسم کے لوگ ہوں گے۔

(۱)۔کچھ وہ گناہ گار جو رحمت پروردگار کے امیدوار ہوں گے۔

(۲)۔دوسرے انبیاء وآئمہ ؑ جو کائنات کے رہبر و رہنما اور مقتدا و پیشوا ہوں گے اور اسی سے ان آیات وروایات میں جمع وتوفیق ہو جاتی ہے جن میں حسب ظاہر اصحاب اعراف کی صفات میں تضاد نظر آتا ہے

چنانچہ بعض آیات واحادیث سے ظاہر ہوتا کہ وہ جنت میں جانے کی تمنا تو کرتے ہیں مگر جا نہیں سکتے جنت والوں کو دیکھتے ہیں تو سلام کرتے ہیں اور جب دوزخ والوں کو دیکھتے ہیں تو ان کی حالت زار دیکھ کر خدا سے پناہ مانگتے ہیں مگر دوسری بعض آیات وروایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس قدر صاحب عزو وقار ہیں کہ دوزخیوں کی زجر و توبیخ کر رہے ہیں اور کمزور اہل اعراف کی مدد کر کے اور سفارش کر کے ان کو اس منزل سے گذار کر جنت میں پہنچا رہے ہیں۔ یہ ظاہری تضاد اس طرح ختم ہوتا ہے کہ مقام اعراف میں دو قسم کے لوگ ہوں گے جو ان متضاد صفات سے متصف ہوں گے۔ والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقۃ۔

آیات القرآن

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ﴿۵۰﴾ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ﴿۵۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور پھر اعراف والے لوگ (دوزخ والے چند آدمیوں کو) آواز دیں گے جنہیں وہ علامتوں سے پہچانتے ہوں گے۔ کہ آج تمہاری جمعیت اور تمہارا غرور و پندار کچھ کام نہ آیا اور تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا (۴۸) (پھر کچھ مستحقین جنت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہیں گے۔) کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اللہ ان تک اپنی کچھ بھی

رحمت نہیں پہنچائے گا۔ (پھران مستحقین جنت سے کہیں گے) تم بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی تم مغموم ہو گے۔ (۴۹) اور دوزخ والے بہشت والوں کو پکاریں گے کہ تھوڑا سا پانی یا جو کچھ اللہ نے تمہیں کھانے کو عطا فرمایا ہے اس میں سے کچھ ہماری طرف بھی انڈیل دو وہ (جواب میں) کہیں گے کہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔ (۵۰) جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنالیا تھا اور جنہیں زندگانی دنیا نے دھوکہ دیا تھا آج ہم بھی انہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے آج کے اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا اور جیسے وہ ہماری آیتوں کو برابر جھٹلاتے رہے تھے۔ (۵۱)

تفسیر الآیات

۴۱۔ وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ النَّارِ ...الآیۃ۔

حدیث میں وارد ہے کہ جب بہشتی لوگ بہشت عنبر سرشت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں رہے ہو گے اور ان کو سب سے زیادہ خوشی اس بات پر ہو گی کہ وہ خدا کے فضل و کرم سے دوزخ سے محفوظ رہے ہیں۔ اور دوزخی دوزخ میں گونا گوں عذاب میں گرفتار ہوں گے تو ان کو سب سے زیادہ اذیت اس تصور سے ہو گی کہ وہ آج جنت کی نعمتوں سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ جبکہ جنتی لوگ اس کی دائمی نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہیں۔

دوزخیوں کی حالت زار کا تذکرہ

اس ذہنی کوفت اور بدنی اذیت کی حالت میں یہ دوزخ والے بہشت والوں کو آواز دیں گے کہ ہماری طرف تھوڑا سا پانی انڈیل دو۔ یا اس سے تھوڑا سا دے دو جو کچھ اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے۔ بہشت والے جواب دیں گے کہ اللہ نے ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے جب دوزخی ادھر سے مایوس ہوں گے تو دوزخ کے دروغاؤں سے کہیں گے:

''اُدۡعُوۡا رَبَّکُمۡ یُخَفِّفۡ عَنَّا یَوۡمًا مِّنَ الۡعَذَابِ''۔ (سورہ غافر......۴۹) اپنے پروردگار سے کہو کہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کمی کچھ کر دے۔

داروغے جواب دیں گے:

''اَوَلَمۡ تَکُ تَاۡتِیۡکُمۡ رُسُلُکُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ'' (سورہ مومن......۴۹) کیا تمہارے پاس رسول

دلائل وبینات کے ساتھ نہیں آئے تھے؟

اور جب وہ اس کا اعتراف کریں گے تو داروغے کہیں گے تم (خدا سے) دعا کرو۔ مگر کافروں کی دعا و پکار تو محض بے کار ہے ور جب ادھر سے بھی نا اُمید ہوں گے تو پھر خدا سے یوں فریاد کریں گے

''رَبَّنَا غَلَبَت عَلَيۡنَا شِقۡوَتُنَا......رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا'' (سورہ مومن......۱۰۶،۱۰۷) اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی............ اے ہمارے پروردگار (اب کی بار) ہمیں دوزخ سے نکال دے۔

ارشاد قدرت ہوگا:

''قَالَ اخۡسَئُوۡا فِيۡهَا وَ لَا تُكَلِّمُوۡنِ'' (سورہ المومنون......۱۰۸) دور ہو جاؤ تمہیں اسی میں رہنا ہے اور مجھ سے بات نہ کرو۔ (تفسیر کاشف وغیرہ)

۴۲۔ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا ...الآية

بہشت والوں کا جواب تو ''اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ'' پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد یہ جو ہے کہ ''الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَهۡوًا'' وہ کافر جنہوں نے دین کو کھیل تماشا بنائے رکھا۔ یہ خدا کا کلام معجز نظام ہے اور اس کی تفسیر قبل ازیں سورہ انعام کی آیت ستر (۷۰) میں گذر چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

۴۳۔ فَالۡيَوۡمَ نَنۡسٰهُمۡ ...الآية

قبل ازیں آیت ونزعنا ما فی صدورہم کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس سے مقصود اس کا لازم ہوتا ہے جس کی واضح مثال یہی آیت ہے کہ جس کا ترجمہ تو یہ ہے کہ ہم بھی آج ان کو اسی طرح بھول جائیں گے جس طرح انہوں نے آج کی حضوری کو بھلا دیا تھا اور ہماری آیتوں کو برابر جھٹلاتے رہتے تھے حالانکہ اللہ کسی چیز کو نہیں بھولتا۔ تو یہاں ''نسیان'' (بھولنے) کا لازم مقصود ہے کہ ان کی طرف کوئی التفات اور توجہ نہیں کریں گے۔ کیونکہ کسی چیز کو بھول جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اس کی طرف التفات اور توجہ نہیں کرتا۔ نیز اس کی دوسری مثال یہ ہے

''فَاذۡكُرُوۡنِيۡۤ اَذۡكُرۡكُمۡ'' تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا (سورہ بقرہ......۱۵۲)

یعنی تم پر اپنی خصوصی نظر عنایت کروں گا کیونکہ واضح ہے کہ جب کوئی بزرگ ہستی کسی خورد کو یاد کرتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس پر نظر عنایت کرتی ہے اور اسے اپنے خصوصی انعام واحسان سے نوازتی ہے۔

آیات القرآن

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ
نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ
فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْۤا
اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴿۵۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫
يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ
مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۵۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور بے شک ہم ان کے پاس ایک ایسی کتاب لائے ہیں جسے ہم نے پورے علم کے ساتھ خوب واضح کر دیا ہے اور جو ایمان لانے والوں کیلئے برابر ہدایت و رحمت ہے (۵۲) کیا یہ لوگ اس (قرآن کی دھمکی) کے انجام کا انتظار کر رہے ہیں؟ (کہ سامنے آئے) حالانکہ جس دن اس کا انجام (سامنے) آئے گا تو وہی لوگ جنہوں نے پہلے اس کو بھلا یا ہوگا کہیں گے بے شک ہمارے پروردگار کے رسول ہمارے پاس سچائی کے ساتھ آئے تھے تو کیا آج ہمارے لئے کچھ سفارشی ہیں؟ جو ہماری سفارش کریں یا (یہ ممکن ہے کہ) ہمیں دوبارہ واپس بھیج دیا جائے تاکہ جو کچھ ہم (پہلے) کیا کرتے تھے اس کے خلاف کچھ اور (نیک عمل) کریں؟ یقینا انہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور وہ افترا پردازیاں جو وہ کیا کرتے تھے آج ان سے گم ہوگئیں (۵۳) بے شک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر عرش کی جانب متوجہ ہوا (اور کائنات کے اقتدار اعلی پر قابض ہوا) جو

رات سے دن کو ڈھانپ لیتا ہے۔ کہ اسے تیزی کے ساتھ جا پکڑتی ہے۔ اور جس نے سورج، چانداور ستاروں کو پیدا کیا۔ کہ وہ سب طبعی طور پر اس کے حکم کے تابع ہیں خبردار! پیدا کرنا اور حکم دینا اس سے مخصوص ہے۔ بابرکت ہے اللہ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے (۵۴)

تفسیر الآیات

۴۴۔ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ ...الآیۃ۔

اہل جنت، اہل دوزخ، اور اہل اعراف کا تذکرہ کرنے کے بعد ایک بار پھر دوزخیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان پر اپنے اس عظیم احسان کا تذکرہ کر رہا ہے جو اس نے قرآن جیسی جلیل القدر کتاب نازل کرکے ان پر کیا تھا جس میں اس نے اپنے یقینی علم کی روشنی میں ان تمام باتوں کی تفصیل بیان کردی ہے جن کا جاننا دنیا و آخرت کی سعادتمندی اور کامیابی کیلئے ضروری ہے یہ سراسر کتاب ہدایت اور رحمت ہے مگر ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائیں اس میں کوئی ظنی اور خیالی بات نہیں ہے۔ بلکہ خدا کے قطعی اور احاطی علم کی روشنی میں اس کی ہر بات قطعی و یقینی ہے۔

۴۵۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ....الآیۃ۔

(عذاب الٰہی کی بعض علامتوں کو دیکھ کر ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دیتا) ''ینظرون'' کے معنی یہاں ''ینتظرون'' کے ہیں۔ اور ''نظر'' ''انتظار'' کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے اس ارشاد قدرت کا مقصد یہ ہے کہ جب حق اپنی پوری تابنا کی کے ساتھ آچکا، ہدایت کا سورج مطلع حقیقت سے طلوع ہو چکا اور بینات و معجزات کی روشنی میں صداقت واضح ہو چکی تو چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ اب بلا تامل ایمان لاتے۔ تاکہ ان کا ایمان قبول ہوتا اور انہیں اس سے فائدہ پہنچتا۔ تو اگر اب وہ ایمان نہیں لا رہے تو کیا قرآن کے بیان کردہ حقائق بعث ونشور اور وعدہائے جنت اور وعید ہائے جہنم کے انجام اور ظہور پذیر ہونے کا انتظار کر رہے ہیں؟ کہ جب یہ باتیں ظاہر ہوں گی تو تب ایمان لائیں گے؟ کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ ''يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا''۔ (سورہ انعام......۱۵۹)۔ جس وقت پروردگار کی بعض نشانیاں (عذاب وغیرہ) آجائیں تو جو شخص پہلے سے ایمان نہیں لایا یا ایمان کی حالت میں کوئی نیک کام نہیں کیا تو اب اس کا ایمان لانا اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ اس وقت اس کا دفتر ایمان و عمل تہہ کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس وقت اگر وہ اپنے ایمان کا اعلان بھی کریں گے تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

۴۶۔ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ... الآیۃ۔

سورہ آل عمران کی آیت ۷ کی تفسیر کے ضمن میں ہم بڑی وضاحت کے ساتھ تاویل کا مفہوم بیان کر چکے ہیں لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے یہاں اس لفظ سے کفار کی دھمکی اور قرآنی تہدید کے عملی ظہور کا وقت اور اس کا آخری نتیجہ مراد ہے بہرحال جب وہ وقت آ پہنچے گا تو جو بدقسمت لوگ اس انجام کو بھلائے ہوئے تھے تو جب خواب غفلت سے ان کی آنکھیں کھلیں گیں تو وہ پکار اٹھیں گے کہ بے شک ہمارے پروردگار کے رسول ہمارے پاس حق لائے تھے پھر حسرت و یاس کے عالم میں کہیں گے کہ ہے ہمارا کوئی سفارشی جو ہماری سفارش کرے؟ یا ایسا ممکن ہے کہ ہمیں ایک بار دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے۔ تاکہ وہاں جا کر اپنے سابقہ کفر و شرک اور فسق و فجور کے برعکس ایمان لائیں اور اعمال صالحہ بجالائیں؟

مگر ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔ دراصل انہوں نے اپنے کو خسارے میں مبتلا کیا اور ان سے گم ہو گیا وہ بہتان جو باندھا کرتے تھے اور خود ساختہ معبودوں کو شریک خدا ٹھہرایا کرتے تھے۔

۴۷۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ... الآیۃ۔

جو خالق ہے وہی رب ہے

دور جاہلیت خدا کو زمین و آسمان وغیرہ اشیاء کا خالق تو مانتے تھے مگر صرف اسے ہی رب نہیں مانتے تھے بلکہ انہوں نے اس کے علاوہ اور بہت سے رب تصنیف کر رکھے تھے جو ان کے نظریہ کے مطابق اللہ نے کائنات کے نظام کو چلانے کیلئے دنیا کے مختلف شعبے ان کے حوالے کر رکھے تھے۔ جن پر ان کا عملی تصرف تھا۔ وہ ان کی عبادت کو قرب خداوندی حاصل کرنے کا ذریعہ جانتے تھے اور ان کی رضا جوئی کو مطلب برآری کا وسیلہ۔ اور وہ ان کو ارباب، شرکاء اور شفعاء کا درجہ دیتے تھے۔ اور خدا کو رب الارباب جانتے تھے خدائے علیم و حکیم نے قرآن مجید میں جا بجا ان کو اس فاسد نظریہ پر روکا ٹوکا ہے اور واضح کیا ہے کہ جو خالق ہے وہی رب ہے وہی کارخانہ قدرت کا چلانے والا ہے اور وہی کائنات کا انتظام و انصرام کرنے والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ تو جو قادر مطلق اس کائنات کے بنانے اور چلانے پر قادر ہے۔ وہ انسان کو فنا کر کے قیامت کے دن دوبارہ پیدا کر کے اسے میدان حشر میں لانے پر بھی قادر ہے تبارك اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔

۴۸۔ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ... الآیۃ۔

یہاں درج ذیل امور بحث طلب ہیں۔

(۱) خدا کے چھ دن میں زمین وآسمان کو پیدا کرنے کا مطلب اور مقصد کیا ہے؟

سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب خدا وہ قادر مطلق ہے کہ جو خود فرماتا ہے کہ ''وَ مَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ ''(سورہ البقر۔۵۰) کہ آنکھ جھپکنے کے عرصہ میں ہمارا حکم عملی جامہ پہن لیتا ہے۔ اور پل بھر میں ایک کُن کہنے سے ہزاروں عالم پیدا کر سکتا ہے۔ ''اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ''(سورہ یٰسٓ ...... ۸۲)۔ تو پھر زمین وآسمان کی خلقت کیوں چھ دن میں عمل میں لائی گئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ قادر مطلق ہے اور آنکھ جھپکنے کی مقدار میں ہزاروں عالم پیدا کر سکتا ہے۔ مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عموماً تدریجاً۔ کام کرتا ہے کہیں چھ دن کہیں چھ ماہ اور کہیں نو ماہ اور کہیں اس سے کم وبیش وقت صرف کرتا ہے پیغمبر اسلامؐ سے مروی ہے فرمایا: ''التائنی من الرحمن والعجلته من الشیطان ''غور وفکر کے ساتھ اور ٹھہر ٹھہر کر کام کرنا رحمن کی جانب سے ہے اور جلد بازی سے کام لینا شیطان کی طرف سے ہے۔ اس میں بظاہر یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ بندے غور وفکر اور تدریج وتائنی سے کام لیں اور جلد بازی میں کوئی غلط کام واقدام نہ کریں۔

(۲) یہاں چھ دنوں سے کونسے دن مراد ہیں؟

چونکہ دنوں کی کئی قسمیں ہیں۔

۱۔ دنیاوی دن جو کہ چوبیس گھنٹوں کا ہوتا ہے۔

۲۔ اخروی دن۔ جو کہ ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ ''كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (سورہ حج ...... ۴۷)

۳۔ قیامت کا دن جو کہ ہمارے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا؟ ''فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ''(سورہ معارج ...... ۴) تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں ان چھ دنوں سے کون سے چھ دن مراد ہیں؟

اس میں مفسرین کے درمیان سخت اختلاف ہے چنانچہ بعض نے دنیا کے چھ دن اور بعض نے آخرت والے چھ دن مراد لئے ہیں۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگر ان سے دنیا کے دن مراد لئے جائیں تو یہ کس طرح ممکن ہے کیونکہ عام طور پر صبح سے لے کر شام تک کے وقت کو دن کہا جاتا ہے اور یہ صبح وشام سورج کے طلوع و غروب سے وجود میں آتے ہیں اور جب یہ سورج و چاند اور صبح وشام ابھی وجود میں آئے ہی نہیں تھے تو پھر دن

کہاں سے آ گئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے تحقیقی چھ دن نہیں بلکہ تقدیری چھ دن مراد ہیں۔ یعنی آسمان و زمین کی خلقت پر اتنا وقت لگا اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو دنیا کے چھ دن بنتے ہیں۔ اور بعض نے اس سے آخرت کے چھ دن یعنی ہمارے چھ ہزار سال مراد لئے ہیں اور بعض نے ان چھ دنوں سے چھ ادوار مراد لئے ہیں یعنی خدا نے ساری کائنات کو ایک دم پیدا نہیں کیا بلکہ چھ مختلف ادوار و مراحل سے گزار کر پیدا کیا ہے اور ہر چیز مختلف مدارج طے کرتے ہوئے عالم وجود میں آئی ہے جیسا کہ تورات اور قرآن دونوں میں مذکور ہے۔ ذلک تقدیر العزیز العلیم۔

(۳) ان چھ دنوں کی تفصیل کیا ہے؟

قرآن و حدیث کی تصریحات سے جو کچھ واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عمل تخلیق کا آغاز اتوار کے دن ہوا اور اختتام جمعہ پر ہوا۔ بایں تفصیل دو دن خلقت زمین کیلئے اور دو دن جو کچھ زمین کے اوپر سامان معیشت و زیست ہے۔ از قسم پہاڑ، اشجار و انہار اور باغات وغیرہ کی خلقت کیلئے اور دو دن آسمانوں و مافیھا کی خلقت کے لیے۔ جیسا کہ سورہ حم سجدہ کی آیات ۹، ۱۰ اور ۱۲ میں یہ تفصیل مذکور ہے

"خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ"

"وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ"

"فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ"

اور احادیث میں اس کی مزید وضاحت یوں مروی ہے کہ زمین اتوار و سوموار میں بنائی گئی اور سامان معیشت و زیست منگل اور بدھ میں بنایا گیا اور جمعرات اور جمعہ کے دن آسمان بنائے گئے۔ ہفتہ کے دن فراغت ہو گئی (مجمع البیان، ابن جریر)۔

واللہ العالم۔ بحقائق الامور

جادو اور جنات کے ضرر وزیاں سے بچنے کیلئے اس آیت سخرہ کی تلاوت مجرب ہے

یہ آیت جو آیت سخرہ کہلاتی ہے ان ربکم اللہ الذی سے شروع ہو کر تبارک اللہ رب العالمین پر ختم ہوتی ہے جادو اور جنات کے اثر سے بچنے کیلئے اس کا پڑھنا بہت مفید ہے چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے حضرت امیر علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

''یا علی من یخاف ساحراً۔ اوشیطاناً فلیقرا، ان ربکم اللہ الذی......'' یا علی! جو شخص کسی جادوگر یا شیطان (جن) سے ڈرتا ہو تو اسے چاہیے کہ یہ آیت پڑھے ان ربکم اللہ الذی......

اور حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''جو شخص کسی جنگل میں رات گزارے اور وہ یہ آیت پڑھے تو فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور شیطان اس سے دور ہو جاتے ہیں'' (الکافی والصافی)۔

۴۹۔ ثم استوٰی علی العرش...الآیۃ۔

عرش اور استواء علی العرش کے مفہوم کی وضاحت

عرش کے لغوی معنی سریر الملک کے ہیں یعنی کسی بادشاہ کا پایہ تخت۔ جس سے کچھ ظاہر بینوں کو اشتباہ ہوا۔ اور خدا کو دنیاوی بادشاہوں کی طرح ایک مجسم شہنشاہ اعظم کا تصور کر کے عرش پر بٹھا دیا۔ مگر جب علم الکلام کے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے خدا کا جسم وجسمانیات اور مکان ومکانیات سے منزہ ومبرا ہونا ثابت ہو چکا ہے تو پھر اس کے بارے میں اس قسم کا غلط عقیدہ رکھنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا لغت عرب اور اصطلاح شرع انور میں اس کے کوئی مناسب معنی تلاش کرنا پڑیں گے جو کئی ہو سکتے ہیں۔

(۱)۔ اس سے عام مملکت خداوندی مراد ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

ادا مانبومروان ثلث عروشهم
واودت كما اودت ايا دوحمير

اور قرآنی آیت العرش العظیم کے معنی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے رب الملک العظیم مروی ہیں (تفسیر صافی، برہان)

بنابریں استواء علی العرش کے معنی یہ ہوں گے کہ خداوند عالم سلطنت پر غالب ہوا۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ وہ کائنات ارضی وسماوی پیدا کر کے اس سے الگ تھلگ ہو گیا۔ بلکہ اس تدریجی اور معقول طریقہ خلقت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تمام امور مملکت کا انتظام وانصرام بھی خود کرتا ہے اور امور تکوینیہ میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے چنانچہ اسی آیت کے آخر میں ہے ''الا له الخلق والامر'' (اسی کیلئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا) کیونکہ تخلیق و

تدبیر میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور بعض مقامات پر ''استوی علی العرش'' کے ساتھ ید برالامر استعمال ہوا ہے کہ وہی معاملات کی تدبیر کرتا ہے بنابریں استوی علی العرش کا مفہوم ہوگا اقتدار اعلی پر قابض ہو گیا یعنی اس کی بادشاہت کائنات ہستی میں نافذ ہوگئی کیونکہ خالق کائنات بھی وہی ہے اور مدبر کائنات بھی وہی اور سارا عالم ہستی اس کے تخت جلال کے آگے جھکا ہوا ہے۔

(۲)۔ بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ عرش ایک جسم عظیم ہے جو خلاق عالم نے آسمانوں کے اوپر پیدا کیا ہے جو سب کو محیط ہے اور اس کی خلقت آسمان و زمین سے بھی پہلے ہوئی تھی۔ دکان عرشہ علی الماء۔ اور یہ جسم عظیم مختلف رنگ کے انوار سے خلق کیا گیا ہے۔ (البحار، البرہان)

اس موضوع کی مزید تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد کے چودھویں باب کی طرف رجوع کریں۔

۵۰۔ یُغْشِی الَّیْلَ... الآیۃ۔

رات سے دن کو ڈھانکنے کی وضاحت؟

اللہ کے اس ارشاد کہ وہ رات سے دن کو ڈھانکتا ہے اور اس پر رات کا پردہ ڈالتا ہے کا مفہوم یہ ہے کہ جیسا کہ ہر روز کا مشاہدہ شاہد ہے کہ ابھی سب چیزیں دکھائی دے رہی ہوتی ہیں کہ اچانک رات آ کر سب چیزوں کو نظروں سے چھپا دیتی ہے اور اوجھل کر دیتی ہے ارشاد قدرت ہے۔ ''وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰھَا'' (سورہ شمس...... ۴) قسم ہے رات کی جب وہ (دن کی روشنی کو) ڈھانپ لیتی ہے۔ ''یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّھَارِ وَ یُکَوِّرُ النَّھَارَ عَلَی الَّیْلِ'' (سورہ زمر...... ۵) وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔

۵۱ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ... الآیۃ۔

آفتاب و ماہتاب اور ستارے اللہ کے حکم کے پابند ہیں

یہ چیزیں پیدا بھی اللہ نے کی ہیں اور یہ صاحب ارادہ و تصرف نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی دیوی دیوتا ہیں بلکہ ان کے وجود اور آثار وجود اس کے حکم تکوینی کے سامنے مسخر اور مجبور و محکوم ہیں۔ کیونکہ پیدا کرنا ہو یا حکم دینا اور تدبیر کرنا اور خالق اور حاکم ہونے میں کوئی بھی مخلوق اس کی شریک نہیں ہے۔ فاضل دریابادی لکھتے ہیں۔

''اور شرک کی عموماً دو ہی صورتیں رائج رہی ہیں ایک یہ کہ کائنات کی تخلیق میں دوسروں کو شریک سمجھا جائے دوسرے یہ کہ خالق تو تنہا اللہ کو تسلیم کیا جائے مگر انتظامات خلق دوسروں کے ذمہ سمجھے جائیں۔ ''خلق وامر'' دو

لفظ لانے سے دنوں شقوں کی کلی نفی وتردید مقصود ہے‘‘ (تفسیر ماجدی)

معلوم ہوا کہ جو خالق ہے وہی منتظم و مدبر ہے اور کائنات میں جو کچھ ہورہا ہے اسی کے حکم اور اسی کی تدبیر سے ہورہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

آیات القرآن

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۵۵ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۶ وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۵۷

ترجمۃ الآیات

اپنے پروردگار سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرو۔ بے شک وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (۵۵) اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو۔ اور خدا سے خوف اور امید کے ساتھ دعا کرو۔ بے شک اللہ کی رحمت نیکوکاروں سے قریب ہے (۵۶) وہ وہی (خدا) ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری کیلئے بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم انہیں کسی مردہ بستی کی طرف ہانک کر لے جاتے ہیں اور پھر وہاں پانی برسا دیتے ہیں۔ اور پھر ہم اس کے ذریعہ سے طرح طرح کے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم مردوں کو (بھی زندہ کرکے) باہر نکالیں گے شاید کہ تم عبرت اور نصیحت حاصل کرو۔ (۵۷)

تفسیر الآیات

۵۱۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ ... الآیة۔

مذکورہ بالا حقائق کو تسلیم کرنے کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ خدا سے ہی دعا مانگی جائے

جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ زمین وآسمان جن وانسان اور تمام سیاروں وستاروں وغیرہ کا خالق بھی خدا ہے اور پھر پوری کائنات کا منتظم اعلیٰ اور مدبر بھی وہی ہے اور اسی کے حکیمانہ حکم کے تحت سب نظام چل رہا ہے اور انسان کا نفع ہو یا نقصان سود ہو یا زیاں اس کی بسط ہو یا کشاد بلکہ اس کی موت ہو یا حیات اسی کے قبضہ قدرت میں ہے جیسا کہ سابقہ آیات میں اجمالاً ان چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے تو پھر اس اعتقاد کا فطری اور قدرتی نتیجہ یہ ہے آدمی زندگی کے ہر موڑ اور ہر نشیب وفراز کے وقت اپنے پروردگار سے دعا مانگے دعا کرنے کا طریقہ کار داعی کو چاہیے کہ گڑگڑا کر دعا مانگے تضرّع کے معنی عجز وانکسار اور لجاجت وتملق کے اظہار کے ہیں اور پھر یہ اظہار الفاظ و عبارات سے بھی ہوتا ہے اور حرکات وسکنات سے بھی۔ نیز دعا چپکے چپکے مانگے کیونکہ خدا قریب بھی ہے اور سمیع و بصیر بھی اس طرح چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر نہ مانگے جیسے (العیاذ باللہ) خدا اونچا سنتا ہے نیز سوچ سمجھ کر دعا مانگے اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر کوئی نارواد عانہ مانگے کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ'' (سورہ بقرہ...... ۱۹۰) نیز بیم وامید کے ساتھ دعا مانگے۔ وغیر ذلك من آداب الدعا ان آداب دعا کی مزید تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ''کتاب عدۃ الداعی'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

۵۲۔ وَلَا تُفْسِدُوْا ... الآیة۔

اصلاح کے بعد افساد کی ممانعت

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر لا تفسدو فی الارض کی تفسیر میں فساد پھیلانے کی کیفیت اور اس کی مذمت پر مفصل تبصرہ کیا جاچکا ہے۔ کہ قتل وغارت کر کے لوٹ مار کر کے، چوری چکاری کر کے۔ دھوکہ دہی اور فراڈ بازی وغیرہ تخریبی کاروائیاں کر کے زمین میں فتنہ وفساد پھیلانا بجائے خود انتہائی مذموم جرم ہے۔ لیکن اگر اسی جرم کا ارتکاب اصلاح کے بعد کیا جائے تو اس کی سنگینی میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔ اللہ نے تو زمین میں مادی اور معنوی لاکھوں فوائد وعوائد ودیعت فرما کر اور انبیاء ومرسلین اور آئمہ طاہرین بھیج کر اور آسمانی کتابیں نازل کر کے زمین

اور اہل زمین کی اصلاح میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ''اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللهِ لاَ تُحْصُوْهَا'' (سورہ ابراہیم ...... ۳۴) مگر ناشکرے انسان نے اسے اپنے اعتقادی کفر و شرک اور عملی فسق و فجور اور گناہ و عصیان سے فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنا دیا ہے ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّار''۔ (سورہ ابراہیم ...... ۳۴) بے شک انسان بڑا بے انصاف ناشکرا ہے۔

اصلاح وافساد کا مختصر طریقہ کار

اور اگر اصلاح و افساد کی طویل بحثوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اور اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے آخری الہامی و ربانی قانون و آئین کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل درآمد کرنے سے دنیا کی اصلاح ہوتی ہے اور اس الٰہی دستور العمل کے انکار کرنے سے اور اسلامی تہذیب و تمدن کو چھوڑنے اور غیر اسلامی اخلاق و اطوار اپنانے سے ہر قسم کا اعتقادی، فکری اور عملی و اخلاقی فساد پیدا ہوتا ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: ''ان الارض كانت فاسدة فاصلح الله ......'' زمین پہلے فاسد تھی خدا نے پیغمبر اسلامؐ کو مبعوث فرما کر اس کی اصلاح کی۔ (تفسیر صافی بحوالہ اصول کافی)۔

۵۳۔ وَادْعُوْهُ خَوْفًا ... الآية۔

دعا مانگنے کے دو باطنی آداب

اس سے پہلے والی آیت میں دعا مانگنے کے ظاہری آداب تعلیم دیے گئے تھے کہ۔

۱۔ دعا مانگنے والا تضرع و زاری کے ساتھ ساتھ مانگے ظاہر ہے کہ اس شرط کا تعلق دعا مانگنے والے کی شکل و ہیئت کے ساتھ ہے کہ وہ عاجزانہ ہونی چاہیے نہ کہ متکبرانہ۔

۲۔ خفیہ اور چپکے چپکے مانگے اس کا تعلق بھی دہان و زبان سے ہے مگر یہاں اس آیت میں دعا کے دو باطنی آداب کی تلقین کی جا رہی ہے جن کا تعلق دعا مانگنے والے کے دل و دماغ کے ساتھ ہے۔ ۱۔ خوف و ڈر۔ کہ شاید گناہوں کی وجہ سے قبول نہ ہو۔ ۲۔ رجاء و امید کہ شاید اللہ کے فضل و کرم سے قبول ہو جائے حدیث میں وارد ہے کہ جب بندہ کی امید و بیم کا پلہ برابر ہو تو پھر کامیابی یقینی ہوتی ہے کیونکہ اپنے گناہوں کی وجہ سے خدا کے عذاب کا خوف اور اس کی رحمت واسعہ کے شامل حال ہونے کی امید ہی کامرانی کی کلید ہے۔ ''اِنَّ رَحْمَتَ اللهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ'' بے شک اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔

۵۴۔ وَهُوَ الَّذِىۡ يُرۡسِلُ ... الآية۔

باران رحمت کے نازل کرنے کا احسان

محسن حقیقی یہاں اپنے ایک خاص احسان کا تذکرہ فرما رہا ہے اور وہ ہے بارش برسانا جس سے جل عقل ایک ہوجاتے ہیں مردہ زمین زندہ ہوجاتی ہیں، کھتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور باغات سرسبز وشاداب ہوجاتے ہیں اور ہر قسم کی خشک سالی اور قحط دور و کافور ہوجاتے ہیں اور کائنات کی ہر چیز تر و تازہ ہوجاتی ہے۔''وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَيۡءٍ حَيٍّ''(سورہ انبیاء......۳۰)۔ یہاں رحمت سے مراد بارش ہے ابر رحمت کسی نامعلوم جگہ سے اٹھتا ہے جو پانی کی وجہ سے بڑا بھاری بھر کم ہوتا ہے مگر حکم خداوندی سے ہوائیں اسے اپنے دوش پر اٹھا کر دور تک ہانک کر کسی ویران شہر کی طرف لاتی ہیں۔ اور پھر خدا اس سے پانی برساتا ہے جس سے ہر قسم کے پھل اور فصلیں پیدا کرتا ہے عام عادت یوں جاری ہے کہ خدا باران رحمت کے نزول سے پہلے ایسی ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے جس سے انسان کو راحت وسکون حاصل ہوتا ہے اور وہ آنے والی بارش کی خوشخبری سناتی ہیں۔ اسی مطلب کو سورہ شوریٰ ۲۸ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔''وَهُوَ الَّذِىۡ يُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا قَنَطُوۡا وَيَنۡشُرُ رَحۡمَتَهٗ''اور وہ (خدا) وہی ہے جو لوگوں کی مایوسی کے بعد بارش برساتا ہے۔ اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔

۵۵ كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰى ...لآية۔

مردوں کو زندہ کرنے کی عجیب تمثیل

خدائے علیم وحکیم اپنے اس احسان عظیم کا تذکرہ کرنے کے بعد منکرین قیامت کو ان کی کوتاہ اندیشی پر تنبیہ کرتے ہوئے اپنے اس کرشمۂ قدرت سے قیامت کے دن مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے پر استدلال فرما رہا ہے کہ جس طرح وہ قادر مطلق بارش برسا کر چند لمحوں میں مردہ اور بے آب و گیاہ زمین کو از سر نو زندہ کر دیتا ہے اور ویران علاقوں کو سرسبز وشاداب کر دیتا ہے وہ اسی طرح ہزاروں سالوں کے مردوں کو بھی از سر نو زندہ کر سکتا ہے''وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيۡزٍ''(سورہ ابراہیم......۲۰)۔ اور اگر وہ ممکن ہے اور تمہارا روز مرہ کا مشاہدہ ہے تو پھر یہ کیوں محال ہے یہ تمثیلیں اس لئے ہم نے دی ہیں کہ شاید تم نصیحت حاصل کرو۔ مگر آہ! وما اکثر العبر واقل الاعتبار؟

آیات القرآن

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥٩﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٦٠﴾ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦١﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو زمین عمدہ و پاکیزہ ہوتی ہے خدا کے حکم سے اس کی نبات (پیداوار) خوب نکلتی ہے اور جو خراب اور ناکارہ ہوتی ہے تو اس کی پیداوار بھی خراب اور بہت کم نکلتی ہے، ہم اسی طرح شکر گزار قوم کیلئے اپنی نشانیاں الٹ پھیر کر بیان کرتے ہیں (۵۸) ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا۔ تو انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی اللہ نہیں ہے۔ یقیناً مجھے تمہاری نسبت ایک بڑے سخت دن (قیامت) کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ (۵۹) ان کی قوم کے سرداروں نے کہا۔ ہم تو تم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں (۶۰) نوح نے کہا اے میری قوم! مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں تو سارے جہانوں کے پروردگار کا رسول ہوں۔ (۶۱) تمہیں اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور (تمہاری خیر خواہی کے لیے) تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ اور اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (۶۲)

تفسیر الآیات

۵۸۔ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ ...الآية۔

انسانی دل ودماغ کی زمین سے لطیف تمثیل

مشاہدہ شاہد ہے کہ تمام زمینیں جنسی اشتراک کے باوجود سب یکساں اور ایک جیسی نہیں ہوتیں بلکہ بعض زرخیز ہوتی ہیں اور بعض شور اور بنجر چنانچہ جب باران رحمت کا نزول ہوتا ہے تو ہر قسم کی زمین اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق اس سے اثر لیتی ہے۔ بقول طوطیٔ شیراز۔؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روئیدور شور بوم و خس

چنانچہ بارش سے جہاں زرخیز زمین گل وگلزار اور رشک جنان بن جاتی ہے وہاں بنجر اور شور زمین کے تھور وسیم میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ پہلے تو اس سے کچھ اگتا ہی نہیں ہے اور اگر کچھ اُگے تو بس خار وخس۔

زمین شور سنبل بر نیارد
دروتخم عمل ضائع مگر داں

بالکل اسی طرح قرآن وحدیث اور پند ونصیحت کی بارش گو یکساں برستی ہے مگر اثر پذیری کے لحاظ سے ہر شخص اپنی قلبی وذہنی صلاحیت واستعداد کے مطابق اس سے اثر لیتا ہے اسی طرح جن لوگوں میں صلاحیت تھی اور استعداد اچھی تھی ان میں فیضان نبوت سے کوئی ابوذرؓ، کوئی مقدادؓ اور کوئی عمارؓ بن کر نکلا اور جن کی فطرت خبیث تھی وہ ابوجہل اور ابولہب ہی رہے۔

سچ ہے کہ

ہوا نہ سرسبز دریا میں رہ کے عکس سرو کنار جو کا

عملی لطیفہ

بعض کتابوں میں مروی ہے کہ ایک بار ایک دشمن اہل بیت علیہم السلام نے حضرت امام حسنؑ سے پوچھا کہ جب قرآن مجید میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے تو پھر میری ہلکی اور آپ کی گھنی ڈاڑھی کا ذکر کہاں ہے؟

امام علیہ السلام نے یہی آیت پڑھی ''وَ الْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ''
اسی طرح یہ بھی مروی ہے کہ ایک مشہور دشمن خاندان نبوت نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ آپ بنی ہاشم کی ڈاڑھیاں گھنی کیوں ہوتی ہیں اور ہماری خفیف کیوں؟ اس پر امامؑ نے اسی آیت کی تلاوت کی تھی۔ (کتاب۔مناقب شہر بن آشوب)

حضرت نوح علیہ السلام پہلے اولوالعزم رسول

۵۷۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا ...الآیۃ۔

ہم نے سورہ اعراف کے مضامین کی اجمالی فہرست کے نمبر ۲ پر ذکر کیا ہے کہ اس سورہ میں جناب نوحؑ، جناب ہودؑ جناب صالحؑ جناب لوطؑ جناب شعیبؑ کے قصص وواقعات اور ان کی قوموں کے حالات کا تذکرہ بھی ہے قبل ازیں سورہ انعام کی آیت ۸۵ کی تفسیر میں حضرت نوح علیہ السلام کے مختصر حالات زندگی اور یہ کہ وہ پانچ اولوالعزم رسولوں میں سے پہلے رسول ہیں اور قوم کی ہدایت کے سلسلہ میں ان کی بے مثال جدوجہد اور پھر ان کے ناقابل رشک نتائج کا اجمالی تذکرہ کیا جا چکا ہے آپ کا سلسلہ نسب دسویں پشت سے حضرت آدم علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ نوح بن ملک بن متوشخ بن اخنوخ یعنی ادریس نبی بن بارو بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم (مجمع البیان)
آپ کا نام نامی واسم گرامی چالیس مقامات پر قرآن میں آیا ہے آپ کا ذکر خیر متعدد سورتوں میں کیا گیا ہے جیسے آل عمران، النساء، انعام، اعراف، التوبہ، یونس، ہود، ابراہیم، بنی اسرائیل اور نوح وغیرہ وغیرہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ

اس حقیقت کا کئی بار اظہار کیا جا چکا ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین کی دعوت کا مرکزی نقطہ خدا کی وحدانیت، اس کی عبادت اور شرک کے خلاف آواز بلند کرنا رہا ہے جو ہر قسم کے فتنہ وفساد کی جڑ ہے چنانچہ ارشاد قدرت ہے ''وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ''۔ ہم نے جو بھی پیغمبر بھیجا اسے یہی وحی کی میرے سوا کوئی الہ نہیں اور میری عبادت کرو۔ (سورہ انبیاء......۲۵)
چنانچہ نوح علیہ السلام نے بھی اسی سے اپنی تبلیغ نبوت کا آغاز کیا۔
''یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ''۔ اے میری قوم۔ خدا کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ اور کوئی الہ نہیں ہے۔
''اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ''۔ اگر تم شرک سے باز نہ آئے اور واحد ویکتا الہ کا اقرار کر کے اس کی

عبادت نہ کی تو پھر مجھے ایک ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو نازل ہونا ہی چاہتا ہے۔جس سے دنیا و آخرت دونوں کے عذاب مراد ہوسکتے ہیں۔اگرچہ اظہر یہ ہے کہ اس سے مراد عذاب قیامت ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا طریقۂ تبلیغ اور مدت تبلیغ؟

قرآن وسنت کی تصریحات سے چند حقائق واضح ہوتے ہیں۔

۱۔آپ کسی طمع ولالچ کے بغیر بےلوث اور جان توڑ تبلیغ کرتے تھے۔

۲۔دن میں بھی تبلیغ کرتے تھے اور رات میں بھی علانیہ بھی کرتے تھے اور خفیہ بھی۔

۳۔اور یہ تبلیغ کوئی چند ماہ یا چند سال تک نہیں کی بلکہ پورے ساڑھے نوسو سال تک کی۔

۴۔مجمع عام میں بھی کی اور گھر گھر جا کر بھی۔

قوم کا ردعمل اور تبلیغ کا اثر

۵۸۔قَالَ الْمَلَاُ مِن...الآیۃ۔

قرآن اور تاریخ انبیاء شاہد ہے کہ بجائے اس کے کہ قوم کے کہ روساء اور سرداروں کا طبقہ آپ کی مخلصانہ دعوت پر پوری متانت اور سنجیدگی سے غور کرتا اور پھر اس سے کوئی مثبت اثر لیتا الٹا جناب نوح پر الزام تراشی اور آپ کی ایذارسانی شروع کردی۔

۱۔آپ کو کھلا ہوا گمراہ قرار دیا۔

۲۔دیوانہ کہا۔

۳۔جادوگر کہا۔

اور جب یہ بہتان اور افترا پردازی سن کر بھی جناب نوح علیہ السلام اپنی دعوت وتبلیغ سے باز نہ آئے اور جذبات کی رو میں بہہ کر اور مشتعل ہوکر کوئی غلط اقدام وکام کرنے کی بجائے پورے سکینہ ووقار اور ٹھنڈے دل ودماغ سے اپنے مقدس مشن کی تبلیغ جاری رکھی اور بڑے مدبرانہ اور مخلصانہ انداز میں ان کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم! میں گمراہ اور دیوانہ نہیں ہوں بلکہ اللہ کا رسول ہوں اپنے پروردگار کے پیغامات تم تک پہنچاتا ہوں۔تمہیں نصیحت کرتا ہوں،اور اللہ کی جانب سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔مگر اس وعظ ونصیحت کے باوجود قوم تکذیب وافترا پردازی سے باز نہ آئی۔اور آپ کی دعوت قبول کرنے کی بجائے آپ کو روحانی اذیت پہنچانے کے ساتھ ساتھ بدنی ایذارسانی بھی شروع کردی وہ اس قدر آپ

کو پتھر وغیرہ مارتے کہ آپ بے ہوش ہوجاتے وہ سمجھتے کہ اب وہ اس وعظ ونصیحت سے باز آجائیں گے مگر انہیں جب بھی کچھ افاقہ ہوتا تو ہدایت کی دعا بھی کرتے اور سلسلہ تبلیغ بھی شروع کردیتے۔ حتیٰ کہ آخرکار وہ وقت آہی گیا جب قوم کی حالت سے بالکل مایوس ہوگئے تو بد دعا کی اور خدا نے ان لوگوں کے سوا جو آپ کشتی نجات پر سوار ہوگئے تھے باقی سب کو غرق کردیا۔ اور وہ تباہ وبرباد ہوگئے ارشاد قدرت ہے!

''فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً'' یہ جب ان لوگوں نے آپ کو مسلسل جھٹلایا تو ہم نے ان کو ہلاک کردیا (سورہ شعراء......۱۳۹)

اور یہاں مذکور ہے ''وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا'' جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم نے ان کو غرق کردیا (سورہ اعراف...... ۶۴)

اس کشتی نجات کا تذکرہ کسی اور مناسب مقام پر کیا جائے گا۔

اس تمام جدوجہد کا نتیجہ کیا نکلا

قرآن سے واضح وعیاں ہوتا ہے کہ ساڑھے نو سو سال کی اس مخلصانہ ومجاہدانہ دعوت تبلیغ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ'' (سورہ ھود......۴۰)

صرف چند آدمی آپ پر ایمان لائے۔ وہ چند آدمی کتنے تھے؟ ایک روایت میں جو کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے وہ کل آٹھ آدمی مذکور ہیں۔ (معانی الاخبار ومجمع البیان)

اور دوسری روایت میں وارد ہے جو کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایمان لانے والوں کی کل تعداد اسی تھی۔ (تفسیر قمی ونور الثقلین)

''انا لله وانا اليه راجعون''۔ اس تضاد کو یوں ختم کیا جاسکتا جس کے شواہد خود حدیث کے اندر موجود ہیں کہ آپ کی قوم سے کل آٹھ آدمی ایمان لائے تھے ''آمن مع نوح من قومه ثمانية نفر'' اور ساری دنیا سے کل اسی (۸۰) آدمی ایمان لائے تھے ''وكان الذين آمنوا به من جميع الدنيا ثمانون رجلا''

درس عبرت

ان تمام واقعات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ تبلیغ کا دو وجوہ کی بنا پر بالکل اثر نہیں ہوتا یا اگر ہوتا ہے تو کم ہوتا ہے۔

۱۔ خود مبلغ بے عمل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی تبلیغ موثر نہیں ہوتی۔

۲۔ سامعین ایسے نااہل اور بدطینت ہوتے ہیں کہ ان پر کسی نبی مرسل کی تبلیغ کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہاں یہی دوسری صورت حال درپیش تھی سچ ہے۔

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز دریا میں رہ کے عکس سرو کنار جو کا

کیونکہ

تربیت نا اہل راچوں گردگاں برگنبداست

آیات القرآن

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمۃ الآیات

کیا تمہیں! اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری اپنی قوم کے ایک شخص کے پاس وعظ و نصیحت کا پیغام آیا ہے تا کہ وہ تمہیں (خدا کے عذاب سے) ڈرائے اور یاد کرو (خدا کے اس احسان کو) کہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد ان کا جانشین بنایا۔ اور (تمہاری) خلقت میں یعنی قوت و طاقت اور قد و قامت میں زیادتی اور وسعت عطا کی پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم (ہر طرح) فلاح پاؤ (۶۹) انہوں نے کہا (اے ہود) کیا تم

ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ان (معبودوں) کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے چلے آئے ہیں اگر تم سچے ہو تو۔ ہمارے پاس لاؤ وہ (عذاب) جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو (۷۰) اس (ہود) نے کہا (سمجھ لو کہ) تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو گیا ہے کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (از خود) رکھ لئے ہیں۔ جن کے متعلق اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اچھا تو پھر تم (خدا کے عذاب کا) انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں (۷۱)۔

تفسیر الآیات

۵۹۔ اَوَ عَجِبۡتُمۡ ...الآیۃ۔

قوم نوحؑ کے کفار انبیاء کی بشریت کو نبوت کے منافی جانتے تھے۔

جناب نوح علیہ السلام کے اس جوابی کلام کہ دو آیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے وعظ و نصیحت کا پیغام ایک ایسے انسان کے ذریعہ سے آیا ہے جو تم میں سے ہے ''یعنی انسانی نوع کا فرد ہے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب نوح کے زمانہ کے کفار ہر دور کے کفار و مشرکین کی طرح بشریت کو منافی نبوت جانتے تھے کیونکہ ان کا یہ فاسد نظریہ تھا کہ نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ سورہ مومنون آیت...... ۲۴ میں ان کا یہ اعتراض بڑی صراحت سے مذکور ہے۔'' مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتَفَضَّلَ عَلَيۡكُمۡ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً ''۔ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے اگر خدا (کوئی پیغمبر بھیجنا) چاہتا تو فرشتوں کو نازل کرتا۔ خداوند علیم و حکیم نے بار بار قرآن کریم میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ کہ جب نبی و رسول کو بھیجنا انسانوں کی طرف تھا تو پھر ان کی بعثت کا مقصد تب ہی پورا ہو سکتا تھا کہ نبی و رسول بشر و انسان ہوں۔ تاکہ ان کا قول و فعل ان کی سیرت و کردار اور ان کی روش و رفتار عام انسانوں کیلئے نمونۂ عمل بن سکے۔ اور اس طرح لوگوں پر حجت تمام ہو سکے ظاہر ہے کہ فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ ورنہ لوگ ان کی اتباع اور پیروی نہ کرنے کا یہ عذر پیش کر دیتے کہ ان کو تو نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس۔ نہ ان کو نیند آتی ہے نہ اونگھ اور نہ ہی ان پر سیف و سنان کا کوئی اثر ہوتا ہے لہٰذا اگر یہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو جاگ کر

مصلائے عبادت پر نماز پڑھتے ہیں اور بے جگری سے میدان کارزار میں جہاد کرتے ہیں تو اس میں ان کا کمال کیا ہے؟ ہم میں تو چونکہ بشری خواہشات از قسم بھوک و پیاس اور نینداور تھکان اور اذیت سیف و سناں پائی جاتی ہیں لہٰذا ہم ان کی پیروی نہیں کر سکتے۔ اس لئے خدائے حکیم نے نوع انسانی سے انبیاء و مرسلین اور آئمہ طاہرینؑ مقرر کر کے ان لوگوں کا یہ عذر قطع کر دیا۔ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔

ایک عجوبہ

ساڑھے نوسو سال تک تو جناب نوح نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی۔ مگر اعلان نبوت سے قبل اور طوفان کے آنے اور قوم کے غرق ہونے کے بعد کس قدر وقت گزارا؟ قرآن تو اس سلسلہ میں خاموش ہے مگر احادیث میں ان کی مجموعی تعداد اڑہائی ہزار سال مذکور ہے بایں تفصیل ۸۵۰ برس بعثت سے پہلے، ۹۵۰ سال تبلیغ ۲۰۰ سال کشتی بنانے میں اور ۵۰۰ سال طوفان کے بعد (مجمع البیان)

مگر اس کے باوجود جب ملک الموت آپ کی روح قبض کرنے کیلئے آئے تو آپ دھوپ میں لیٹے ہوئے تھے ملک الموت سے کہا مجھے اتنی مہلت دے کر سایہ کی طرف منتقل ہو جاؤں۔ جب مہلت ملی تو وجہ دریافت کرنے پر فرمایا۔ مجھے یہ ساری زندگی یوں مختصر معلوم ہوتی ہے جیسے دھوپ سے سایہ کی طرف منتقل ہوا ہوں۔ (مجمع البیان)

سچ ہے

ہو عمر نوحؑ بھی تو کہیں گے بوقت مرگ
ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے

۶۰۔ لِيُنْذِرَكُمْ...الآية۔

یہ ترتیب بڑی فطری وطبیعی ہے کہ رسول کی آمد کا اصلی انذار اور خدا کے عذاب سے ڈرانا ہے۔ اور انذار کا اصل مقصد لوگوں کے اندر تقویٰ پیدا کرنا ہے اور تقویٰ کا اصل مقصد دنیا و آخرت میں رحمت پروردگار کا حاصل کرنا ہے۔ وبس

جناب ہود علیہ السلام کا مختصر تعارف

۶۱۔ وَإِلَىٰ عَادٍ...الآية۔

''والی عاد اخاهم هودا'' کا عطف ''لقد ارسلنا نوحا'' پر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ

ہم نے قبیلہ عاد کی طرف ان کے بھائی بند جناب ہود علیہ السلام کو بھیجا۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کون تھے؟ ان کا مختصر سا تعارف یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام سامی نسل کے قدیم ترین پیغمبروں میں سے ہوئے ہیں۔ جنوبی عرب میں آج بھی ''قبر نبی ہود علیہ السلام'' کے نام سے ایک مقام پر مرجع خلائق و زیارت گاہ ہے۔ فرنگی سیاحوں نے بھی اس کا ذکر بار بار کیا ہے۔ آپ کی قوم جنوبی عرب میں آباد تھی۔ اس کے حدود مشرق میں خلیج فارس تک وسیع تھے۔ اور مغرب میں بحر قلزم کے جنوب تک گویا! آج کے یمن و عمان وغیرہ سب پر شامل۔ (اعلام القرآن از مولانا دریابادی)

چند سورتوں میں آپ کا ذکر خیر ہوا ہے جیسے یہی سورہ اعراف، ہود اور شعراء۔ تفسیر المنار میں اسحاق بن بشر اور ابن عساکر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جناب ہود پہلے شخص ہیں جنہوں نے عربی میں کلام کیا۔ اور ان کے چار بیٹے تھے قحطان، مقحط، قاحط اور فالغ اور یہی قبیلہ مضر کے جد اعلیٰ ہیں۔ اور قحطان یمنی قوم کے جد اعلیٰ ہیں۔ باقی مقحط اور قاحط کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جناب ہود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے تھے اور انہی کے دین و مذہب پر تھے (تفسیر کاشف)

آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے ہود بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام اور بروایتے یوں ہے ہود علیہ السلام بن عبداللہ بن ریاح بن جلوث بن عاد بن عوص بن ارم بن، سام بن نوح علیہ السلام (مجمع البیان)۔

مخفی نہ رہے کہ عاد عرب کی قدیم ترین قوم تھی جس کے افسانے اہل عرب میں زبان زد عام تھے بچہ بچہ ان کے نام سے واقف تھا ان کی شان و شوکت ضرب المثل تھی اور پھر دنیا سے ان کا نام و نشان تک مٹ جانا بھی ضرب المثل ہو کر رہ گیا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

جناب نوحؑ اور جناب ہودؑ کے حالات والی آیات میں مماثلت

ان آیات کے بنظر غائر دیکھنے سے جو جناب ہود اور ان کی قوم کے حالات و واقعات کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ معمولی اختلاف کے علاوہ لفظی اور معنوی طور پر یہ بالکل ان آیات جیسی ہیں جو جناب نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے حالات و واقعات کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں جن کی اوپر تفسیر بیان کر دی گئی ہے۔

وہ تھوڑے تھوڑے فرق جو دونوں قسم کی آیات میں پائے جاتے ہیں

۱۔ جناب نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا ''اِنِّیٓ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ''

جناب ہود نے فرمایا: اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ؟

کیونکہ جناب نوح علیہ السلام سے پہلے ایسا عذاب دنیا والوں نے نہیں دیکھا تھا۔ مگر قوم ہود کو اس کا علم تھا اس لئے جناب ہود علیہ السلام نے شرک ترک کر کے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔

۲۔ جناب نوح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا۔ ''اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ''

اور جناب ہود علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا ''اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیۡ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الۡكٰذِبِیۡنَ''

جناب نوح علیہ السلام نے اس وقت کشتی بنائی تھی جب وہاں نہ کوئی نہر تھی اور نہ بحر۔ اس لئے ان کی قوم نے ان کے اس اقدام کو جہالت وضلالت قرار دیا تھا مگر حضرت ہود علیہ السلام نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا ہاں البتہ انہوں نے اپنی قوم کو بت پرستی کرنے کی وجہ سے سفیہ اور بے وقوف کہا تھا۔ تو قوم نے انہیں ترکی بترکی جواب دیتے ہوئے سفیہ کہا۔

۳۔ جناب نوح علیہ السلام نے قوم سے کہا تھا ''لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ'' اور جناب ہود نے کہا ''لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ''۔ جناب نوح علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ رحمت کی وجہ سے تم سے عذاب ٹل جائے۔ اور جناب ہود علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

۴۔ ہاں البتہ جناب ہود علیہ السلام کے واقعہ میں خداوند عالم نے کچھ ایسی باتوں کا تذکرہ کیا ہے جو جناب ہود کی قوم نے ان سے کہی تھیں۔ مگر وہ جناب نوح کے واقعہ میں مذکور نہیں ہیں۔ مثلاً جناب ہود علیہ السلام کی قوم نے آپ سے کہا ''اَجِئۡتَنَا لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا'' وہ بولے کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم صرف خدائے یکتا کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے؟ یہ وہی گھسی پٹی بات ہے جو اسلاف کا ہر اندھا مقلد ایک محقق سے کہتا ہے۔

ب۔ ''فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ'' جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم سچے ہو تو پھر اسے ہمارے پاس لاؤ۔

انہوں نے بطور تمسخر و مذاق جلد عذاب لانے کا مطالبہ کیا تھا۔ جناب ہود علیہ السلام نے فوراً جواب

میں کہا۔ ''قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ'' اچھا تو اب تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور قہر وغضب لازم ہو ہی گیا۔ (تفسیر الکاشف)۔

۶۲۔ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ ... الآیۃ۔

جناب ہود علیہ السلام اپنی قوم سے اس کی زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرمار ہے ہیں کہ کیا تم مجھ سے (چند بتوں) کے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو۔ جو خود تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لئے ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ نے کوئی سند اور دلیل نہیں اتاری۔ بھلا جب ان جھوٹے معبودوں کا کوئی وجود ہی نہیں ہے تو ان پر دلیل کہاں سے آئے گی؟ جب ان کے وجود کی نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نوشتہ آسمانی کی شکل میں کوئی نقلی دلیل ہے تو پھر ہم بلا سند کس طرح گڑھے ہوئے دیوی دیوتاؤں کو تسلیم کر لیں بعض آثار سے پتہ چلتا ہے کہ قوم عاد اللہ کے وجود کی قائل تھی۔ مگر وہ اپنے خود ساختہ معبودوں کو بھی الوہیت، خالقیت، راقیت اور استحقاق عبادت میں خدا کا شریک جانتی تھی (تفسیر مظہری)

قوم عاد سمجھتی تھی کہ فلاں بت بارش کا دیوتا ہے کہ وہ بارش برساتا ہے فلاں صحت کا دیوتا ہے کہ وہ بیماروں کو صحت دیتا ہے۔ وعلی ھذا القیاس۔ اپنے ہر خود ساختہ معبودوں کے نام مختلف ذمہ داریاں تقسیم کر رکھی تھیں۔

۶۲۔ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ ... الآیۃ۔

یہ قوم کے اس احمقانہ مطالبہ کا جواب ہے جس میں انہوں نے جلدی عذاب لانے کی خواہش ظاہر کی تھی اچھا پھر انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

آیات القرآن

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۳ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ
بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا
وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ
مُفْسِدِيْنَ ۝۷۴

ترجمۃ الآیات

پس (آخر کار) ہم نے اپنی رحمت سے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی (بچا لیا)۔اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہیں تھے ان کی جڑ ہی کاٹ دی (۷۲) اور قوم ثمود کی طرف ان کے (قومی) بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے پروردگار کی طرف سے (میری صداقت کا) ایک خاص معجزہ آچکا ہے جو یہ اللہ کی خاص اونٹنی ہے جو تمہارے لئے ایک (قدرتی) نشانی (معجزہ) ہے اسے کھلا چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے۔ اور (خبردار) اسے برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا (اسے تکلیف نہ پہنچانا) ورنہ دردناک عذاب تمہیں اپنی گرفت میں لے لے گا (۷۳) اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قوم عاد کا جانشین بنایا۔ اور تمہیں زمین میں رہنے کیلئے ٹھکانا دیا کہ تم نرم اور ہموار زمین میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو۔ سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اور زمین میں فساد مت پھیلاتے پھرو۔ (۷۴)

تفسیر الآیات

۶۳۔ فَاَنْجَيْنٰهُ... الآیۃ۔

قوم ہود کس طرح ہلاک ہوئی؟

ارشاد قدرت ہے کہ ہم نے انہیں اور ان کے ساتھ والوں کو اپنی رحمت ورافت سے بچا لیا اور جن

لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ہم نے ان کی جڑ ہی کاٹ دی۔ اور وہ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اس ہلاکت کی کیفیت کیا تھی؟ اس کا تذکرہ سورہ حاقہ کی آیات ۵ تا ۸ میں موجود ہے ارشاد ہوتا ہے۔

"فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ"

''اور قوم عاد بہت سخت آندھی سے ہلاک کی گئی۔ خدا نے اسے لگا تار سات رات اور آٹھ دن چلایا تو ان لوگوں کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا ہے کہ گویا کٹی ہوئی کھجور کے تنے پڑے ہیں تو کیا تمہیں ان میں سے کوئی بچا ہوا نظر آیا؟

اس آخری آیت میں تباہی و بربادی کے بعد اس قوم کی لاشوں کا منظر دکھایا گیا ہے۔ کٹی ہوئی کھجور کے تنے کے ساتھ تشبیہ اس قوم کی قدآوری اور تنومندی کے اعتبار سے بڑی موزوں ہے۔ مخفی نہ رہے کہ جناب ہود علیہ السلام کے مزید حالات وواقعات سورہ ہود میں بیان کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

حضرت صالح علیہ السلام کا مختصر تعارف

۶۴۔ وَاِلٰى ثَمُوْدَ... الآیۃ

قرآن مجید کی چار سورتوں میں آپ کا تذکرہ ہوا ہے اعراف، ہود، بقرہ، اور نحل۔ شمالی عرب کے ایک قدیم ترین پیغمبر کا نام تھا۔ جن کا زمانہ حضرت ہود کے بعد کا ہے جس قبیلہ کا نام ثمود ہے وہ اس قبیلہ کا جداعلیٰ تھا جس کا سلسلہ نسب پانچویں پشت سے حضرت نوح تک پہنچتا ہے بایں طور ثمود بن عاثر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ یہ حضرت صالح اسی ثمود کی نسل سے تھے (مجمع البیان)

آپ کا مزار مبارک جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی کنارے وادی سیر میں نبی صالح کے نام سے آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ آپ کی قوم یعنی قوم ثمود عرب کے شمالی وغربی علاقہ وادی القری میں آباد تھی اور اپنے زمانہ کی بڑی متمدن اور ترقی یافتہ قوم تھی (اعلام القرآن۔ از دریابادی)

نیز آپ ان پانچ انبیاء میں سے ایک ہیں جن کی زبان عربی تھی۔ جو یہ ہیں۔ ۱۔ جناب ہود علیہ السلام ۲۔ جناب صالح علیہ السلام۔ ۳۔ جناب شعیب علیہ السلام ۴۔ جناب اسماعیل علیہ السلام۔ ۵۔ حضرت خاتم الانبیاءؐ (مجمع البیان)۔

قوم ثمود کا اجمالی تذکرہ

قبل ازیں قوم عاد کا اجمالی تذکرہ جناب ہود کے حالات کے ذیل میں کیا جا چکا ہے۔ یہ ثمود اور عاد چچا زاد بھائی تھے۔ کیونکہ ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام عوص تھا۔ اور دوسرے کا عاثر۔ چنانچہ عاد، عوص، کا بیٹا تھا۔ اور ثمود عاد کا فرزند تھا (مجمع البیان)

بنی عاد کی طرف جناب ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے اور ان کی ہلاکت وتباہی کے بعد بنی ثمود ان کے وارث قرار پائے اور ان کی طرف جناب صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ اس قوم کی عمریں بڑی طولانی ہوا کرتی تھیں۔ اور یہ قوم ویسے بڑی مرفہ الحال اور سرمایہ دار تھی۔ سردیوں اور گرمیوں میں نرم زمین میں اپنے محلات بناتی تھی اور سردیوں میں پہاڑ کو کرید کر دامن کوہ میں اپنے گھر بناتی تھی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے اس قوم کا بڑا شہر حجر تھا جو حجاز اور شام کے درمیان تھا جس کے حدود وادی القری تک پھیلے ہوئے تھے جسے آج کل مدائن صالح کہا جاتا ہے۔ صاحب ارض القرآن کے مطابق ''ان کی تعمیری یادگاریں اب تک باقی ہیں۔

قوم ثمود کے بگاڑ کا اصلی سبب

جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا ہے کہ یہ قوم بڑی دولتمند، تنومند، اور بہادر تھی اور یہی دولتمندی اسے لے ڈوبی۔ باوجودیکہ قوم نوحؑ ولوطؑ کی تباہی کے واقعات کا تذکرہ ہنوز محافل میں موجود تھا اور ان کے بھائی بندوں یعنی قوم عاد کی بربادی تو ابھی کل کی بات تھی۔ اور یہی ان کے جائیداد اور مکانات وغیرہ کے وارث قرار پائے تھے لہٰذا حزم واحتیاط کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ لوگ ہر اس کام واقدام سے اجتناب کرتے جس کا انجام تباہی و بربادی ہوتا ہے۔ مگر دولت کا نشہ وہ بری بلا ہے کہ جب آدمی اس نشہ میں مخمور و چور ہو جائے تو پھر سب کچھ بھول جاتا ہے ارشاد قدرت ہے۔ ''اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰۤی اَنۡ رَّاٰہُ اسۡتَغۡنٰی'' (سورہ علق ......۶، ۷) جب آدمی دیکھتا ہے کہ وہ سرمایہ دار ہو گیا ہے تو پھر وہ سرکش ہو جاتا ہے۔

چنانچہ یہ قوم بھی اپنے پیش رووں کے نقش قدم پر چلتی ہوئی کفر وشرک میں مبتلا ہو گئی۔ اور انہی برے اعمال کا بے تحاشا ارتکاب کرنے لگی جن کی وجہ سے وہ قومیں ہلاک و برباد ہوئی تھیں۔ چنانچہ خدا نے اپنے فضل وکرم سے ان کی ہدایت وراہنمائی کیلئے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث برسالت کیا۔ جو ان کے نسبتی بھائی تھے۔

جناب صالح علیہ السلام کی دعوت کا خلاصہ

چنانچہ آپ تشریف لائے اور قوم کو وہی دعوت دینی شروع کی جو قدیم سے ان کے بھائی بند

انبیاء و مرسلین دیتے چلے آ رہے تھے۔ یعنی خدا کی ہستی اور اس کی وحدانیت کا اقرار، اس کی عبادت و پرستش کرنے کا حکم و اقرار اور کفر و شرک کا انکار، ارشاد قدرت ہے ''یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُه'' اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

جناب صالح علیہ السلام کی اس مخلصانہ دعوت کا نتیجہ کیا برآمد ہوا؟

جناب صالح علیہ السلام کی اس پیغمبرانہ، مخلصانہ اور مشفقانہ دعوت وارشاد کا نتیجہ وہی برآمد ہوا جو عموماً برآمد ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا کہ قوم کے سرداروں اور سرمایہ کاروں نے ان کی تکذیب کی اور آپ کی تبلیغ کی سخت مخالفت کی مگر چند خوش قسمت غریب غرباء جن کی مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی اور نہ ہی معاشرہ میں ان کی کوئی حیثیت تھی وہ ایمان لائے۔ چنانچہ خدا نے کافر سرداروں اور سرمایہ داروں کیلئے ''الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا''۔ اور کمزور مومنین کیلئے ''لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ''قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ'' کمزور اہل ایمان نے کہا کہ بے شک ہم اس پر ایمان لائے جسے دے کر صالح کو بھیجا گیا ہے۔ ''قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ'' متکبرین نے کہا جس پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ان لوگوں کا یہ ابا و انکار اور تکبر و استکبار اور طغیان و عصیان اس حد تک بڑھا کہ بالآخر ان کی تباہی و بربادی تک منجر ہوا۔ اور وہ حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ جس کی بقدر ضرورت تفصیل ذیل میں آ رہی ہے۔

ناقۂ صالح کا بینہ اور معجزہ

مختلف اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ جناب صالح نے جوانی میں کار نبوت یعنی تبلیغ و ارشاد کا کام شروع کیا اور اب بڑھاپے کے آثار نمودار ہو گئے۔ مگر قوم کی حالت بقول شاعر یہ تھی کہ۔

وہی ہے چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نے آپ سے کسی نا قابل تعمیل معجزہ کا مطالبہ کیا تا کہ جب وہ پورا نہ کر سکیں تو ان کو انکار کرنے کا جواز مل جائے۔ چنانچہ جناب صالح نے بطور معجزہ وہ ناقہ پیش کی جس کا کئی مقامات پر قرآن میں تذکرہ موجود ہے اور جناب صالح نے اسے بینہ (معجزہ) قرار دیا ہے۔ قد جائتکم بینة من ربکم۔ تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے بینہ و برہان (معجزہ) آ گیا ہے۔ چنانچہ سورہ شعراء کی آیت...... ۱۵۴ میں یہ مطالبہ اور اس کا جواب صراحتاً مذکور ہے قوم نے آپ سے مطالبہ کیا ''فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ

الصّٰدِقِیْنَ ''۔اگرتم سچے ہوتو کوئی معجزہ لاؤ۔''قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰه ''(سورہ شعراء......۱۵۵)۔فرمایا! لو یہ ناقہ۔معجزہ ہے۔اب ان حقائق سے یہ حقیقت تو بالکل واضح ہے کہ یہ اونٹنی معجزہ ہے مگر اس کی وجہ اعجاز کیا ہے؟ آیا اس کی پیدائش معجزانہ طور پر ہوئی ہے؟ یا یہ کہ وہ عظیم الجثہ اور قوی ہیکل تھی کہ ایک دن چشمہ کا تمام پانی پی جاتی تھی اور اس دن ساری قوم کو دودھ پلاتی تھی اور دوسرے دن قوم اپنے حیوانات کو پانی پلاتی تھی جیسا کہ جناب صالح علیہ السلام اور قوم کے درمیان باری مقرر ہوئی تھی وغیرہ وغیرہ اس میں مختلف اقوال ہیں مگر مشہور یہی ہے کہ اس کی وجہ اعجاز یہی تھی کہ وہ ایک چٹان کے بطن سے بالکل اسی طرح پیدا ہوئی تھی۔جس طرح کوئی حیوان شکم مادر سے پیدا ہوتا ہے پھر اس کا بچہ بھی پیدا ہوا جو ماں کی طرح عظیم الجثہ تھا۔

ناقہ کے بارے میں جناب صالح علیہ السلام اور قوم میں معاہدہ

جناب صالح علیہ السلام کا قوم سے معاہدا ہوا تھا۔

۱۔یہ تمہاری زمینوں اور چراگاہوں میں آزادانہ طور پر چرتی پھرے گی تم اسے منع نہیں کرو گے۔

۲۔چشمہ کا پانی ایک دن یہ اکیلی پئے گی دوسرے دن پوری قوم کے جانور پیں گے۔

۳۔اگر تم نے اسے کوئی تکلیف پہنچائی تو یکدم تم پر عذاب نازل ہو جائے گا یہ معاہدہ آیت ۷۳ میں تفصیلا مذکور ہے۔

چنانچہ کافی عرصہ تک طوعاًو کرھاً اس معاہدہ پر عمل درآمد ہوتا رہا لیکن قوم کے سرکش اور سازشی لوگ اسے برداشت نہ کر سکے اور ایک گہری سازش کے ذریعہ قذار نامی شقی و بدبخت شخص کے ہاتھ سے اس ناقہ کی کونچیں کاٹ کر قتل کرا دیا۔ جسے قرآن نے ''اشقی ''شقی ترین شخص قرار دیا ہے مروی ہے کہ جب اس ناقہ کے بچہ نے یہ منظر دیکھا تو دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے تین بار اس طرح زور سے چیخا کہ اس کی چیخ و پکار سنکر لوگوں کے دل دہل گئے۔

خلاصہ یہ کہ اس المناک واقعہ کے بعد جناب صالح علیہ السلام نے خدا کے حکم سے قوم کو آگاہ کر دیا کہ اب تمہاری زندگی کے صرف تین دن باقی ہیں۔اس کے بعد تم پر عذاب خداوندی نازل ہوگا جو تمہیں نیست و نابود کر دے گا۔''تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ''(سورہ ہود......۶۵) یعنی صرف تین دن تک اپنے گھروں میں آرام کر لو اس میں وعدہ خلافی کا کوئی امکان نہیں ہے چنانچہ تیسرے دن ان پر وہ عذاب نازل ہوا اور ان کا نام ونشان مٹا دیا فاضل رازی نے اس مقام پر لکھا ہے۔''قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يا على اشقى الاولين عاقر ناقة صالح واشقى الآخرين

قاتلك'' یا علی اولین میں سے شقی ترین شخص وہ تھا جس نے جناب صالح کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور آخر میں سے شقی ترین وہ ہوگا جو آپ کو شہید کرے گا۔ (تفسیر کبیر)

ایک ضروری وضاحت

مخفی نہ رہے کہ اگرچہ حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ کو قتل ایک شخص نے کیا تھا مگر چونکہ راضی سب تھے اور سب اس کی پشت پر تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے سب کو مجرم قرار دے کر سب پر عذاب کیا کیونکہ ''من رضی یفعل قوم فھو منھم'' جو شخص کسی قوم کے فعل پر راضی ہو وہ اسی قوم سے شمار ہوتا ہے۔

وہ عذاب کیسا تھا؟

اس عذاب کیلئے یہاں ''رجفہ'' (جسکے معنی میں بھونچال)۔ ''صدمہ''۔ جس کے معنی ہیں اضطراب انگیز آواز اور دوسرے مقامات پر کہیں صحیہ چیخ) ''صاعقہ'' (آسمانی بجلی کا کڑاکا) اور کہیں طاغیہ (سخت زور کی آواز) وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور جو کچھ روایات سے ظاہر ہے وہ یہی ہے کہ جبرئیل نے اسطرح خوفناک آواز بلند کی تھی کہ جس سے ان لوگوں کے کان اور جگر پھٹ گئے تھے اور سب ہلاک ہو گئے تھے۔ اور بعید نہیں ہے کہ ان کی ہلاکت میں زمینی زلزلہ اور آسمانی بجلی اور جبرئیل کی چیخ نے اپنا کام کیا ہو اور سب نے ان کی تباہی میں حصہ لیا ہو۔ واللہ العالم۔

الغرض ''فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ''۔ وہ اپنے گھروں میں ڈھیر ہو گئے۔ ''فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' (سورہ انعام......۴۵)

آیات القرآن

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۝۷۵ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ۝۷۶ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۝۷۷ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ
اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ﴿۷۹﴾
وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ
مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ﴿۸۰﴾

ترجمۃ الآیات

قوم کے بڑے لوگوں نے جو متکبر تھے۔ان کمزور لوگوں سے کہا جو ایمان لائے تھے۔کیا تم جانتے ہو صالح واقعی اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے ہوئے (رسول) ہیں انہوں نے کہا بے شک ہم تو اس (پیغام) پر ایمان لائے جسے دے کر ان کو بھیجا گیا ہے۔(۷۵) (یہ سن کر) متکبر مزاج بڑے کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کے کافر و منکر ہیں (۷۶) پھر انہوں نے اس اونٹنی کو پے کر دیا (اس کی کونچیں کاٹ دیں) اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی و سرتابی کی اور کہا اے صالح! اگر تم رسولوں میں سے ہو تو پھر ہمارے پاس لاؤ وہ (عذاب) جس کی ہمیں دھمکی دیتے ہو (۷۷) پس انہیں زلزلہ نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (۷۸) پس وہ (صالح) یہ کہتے ہوئے وہاں سے منہ موڑ کر نکل گئے اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا اور تم کو نصیحت کی مگر تم نصیحت کرنے والے خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے (۷۹) اور ہم نے لوط کو بھیجا انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ ایسا کام تم سے پہلے دنیا جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔(۸۰)

تفسیر الآیات

۶۴۔ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ ...الآیة۔

اگر یہ آیت اسی مقام کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قوم کی تباہی و بربادی کے بعد جب جناب صالح

وہاں سے مکہ یا شام تشریف لے جانے لگے تو اپنے قلبی تاثرات وحسرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا جس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہوا ے میری قوم! میں نے تو تم تک اپنے پروردگار کا پیغام پہنچایا اور تمہیں وعظ ونصیحت کی مگر تم نے تو نصیحت کرنیوالے کو پسند ہی نہیں کیا۔ صاحب ضیاء القرآن لکھتے ہیں ''اور یہ بعینہ ایسے ہے جیسے جنگ بدر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گڑھے کے کنارے تشریف لے گئے جس میں کفار کے لاشے پڑے تھے۔ وہاں جا کر فرمایا! اے ابوجہل، اے امیہ، اے عتبہ، اے عتیبہ! میرے رب نے فتح ونصرت کا جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا تم کہو تمہارے ساتھ ذلت وعذاب کا جو وعدہ تھا وہ بھی پورا ہوا؟ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ تین دن کے مردوں سے خطاب فرما رہے ہیں؟ تو حضور نے فرمایا۔ ''ما انتم باسمع ما اقول منھم غیر انھم لا یستطیعون ان یردو اعلینا شیئاً'' (بخاری ومسلم)

میری گفتگو تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔ البتہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر بھی قبر میں سنتا ہے جب ایسا ہے تو مومن قبر میں کیوں نہیں سنتا؟'' (ضیاء القران جلد ۲ صفحہ ۵۲)

اگر ترتیب کو مطابق تنزیل نہ دیکھا جائے تو مضمون کے اعتبار سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات جناب صالح علیہ السلام نے عذاب کے آنے اور قوم کے ہلاک ہونے سے پہلے ان سے روگردانی اختیار کرتے ہوئے کہی تھی'' (فصل الخطاب)

۶۵۔ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ...الآیۃ۔

جناب لوط علیہ السلام کا مختصر تعارف

جناب لوط بن ھاران بن تارخ اللہ کے پیغمبر برحق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جب حضرت ابراہیم ہجرت کر کے شام چلے گئے تو آپ بھی اسی ملک میں ہجرت گزین ہو گئے جسے اب شرق اردن کہتے ہیں۔ آپ کی قوم بے ایمانی کے علاوہ طرح طرح کی بداخلاقیوں اور بدکرداریوں میں مبتلا تھی بالخصوص خلاف وضع فطری فعل (جسے عمل قوم لوط کہا جاتا ہے) کا ارتکاب کرتی تھی اور انجام کار عذاب الٰہی نازل ہوا اور وہ بستی الٹ دی گئی وہاں چند بستیاں تھیں جن کے نام عمورہ اومہ اور یالع وغیرہ منقول آتے ہیں اور سدوم ان کا مرکزی شہر تھا اور کہا جاتا ہے کہ یہ بستیاں بحر مردار کے عین کنارے پر تھیں (اعلام القرآن دریابادی)

کچھ عرصہ تک وہ اپنے چچا حضرت ابراہیم کے ہمراہ رہے جو ارض بابل کے رہنے والے تھے پھر انہیں اہل سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔

عمل قوم لوط کی مذمت

جناب لوط علیہ السلام نے اپنی ناہنجار قوم سے فرمایا! اتاتون الفاحشہ۔تم ایسا غیر فطری فحش اور بے حیائی کا کام کرتے ہو اور ایسی بدمعاشی کرتے ہو جو تم سے پہلے تمام جہانوں میں سے کسی نے نہیں کی۔اس جرم کی نوعیت وکیفیت اس کی شرعی حد اور دیگر احکام سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے۔کہ یہ فعل شنیع زنا جیسے گناہ کبیرہ سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔اور بذات خود کئی ہے۔نازکی وجہ سے کوئی قوم مسخ یا ہلاک نہیں ہوئی۔جبکہ لواطت کی وجہ سے ایک قوم ہلاک وبرباد ہو چکی ہے۔کئی احادیث میں وارد ہے کہ جب کوئی مرد کسی مرد کی پشت پر سوار ہوتا ہے تو عرش الٰہی کانپ اٹھتا ہے (الوسائل)

اور جب قیامت کے دن ایسا شخص محشور ہوگا تو خدائے قہار کے قہر وغضب میں گرفتار ہوگا۔(الوسائل)

آیات القرآن

اِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَهۡوَةً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ‌ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ
مُّسۡرِفُوۡنَ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ
قَرۡيَتِكُمۡ‌ ۚ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوۡنَ﴿۸۲﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ‌ۖ
كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ﴿۸۳﴾ وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا‌ ؕ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ﴿۸۴﴾ وَاِلٰى مَدۡيَنَ اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا‌ ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ
اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ‌ ؕ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ
فَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا
تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ
مُّؤۡمِنِيۡنَ‌ۚ﴿۸۵﴾

ترجمۃ الآیات

یعنی تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو؟ تم بڑے حد گزرے ہوئے لوگ ہو(۸۱) ان کی قوم کا اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ آپس میں کہنے لگے کہ انہیں اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں (۸۲) تو ہم نے انہیں اوران کے گھر والوں کوسوا ان کی بیوی کے نجات دی (بچا لیا) ہاں البتہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی (۸۳) اورہم نے ان پر (پتھروں) کی بارش برسائی تو دیکھو مجرموں کا کیسا انجام ہوا (۸۴) اورہم نے مدین کی طرف ان کے (قومی) بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی الہٰ نہیں ہے۔ یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلا نشان بھی آچکا ہے پس ناپ تول پورا کیا کرو اورلوگوں کوان کی (خرید کردہ) چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اورزمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو(۸۵)۔

تفسیر الآیات

٦٦۔ وَمَا كَانَ جَوَابَ...الآیۃ۔

خداوند عالم خبر دے رہا ہے کہ ان لوگوں نے جناب لوط علیہ السلام کی اس پیغمبرانہ نصیحت کا نہ کوئی اثر لیا اور نہ ہی ان سے کوئی صحیح جواب بن سکا وہ تو صرف ضد میں آکر بھڑک کر بولے کہ دیکھو لوط اوران کے ساتھی بڑے پاکباز اور پاکدامن ہونے کے دعویدار ہیں ان کو اپنی بستی سے دیس نکالا دے دو۔ تا کہ پھر تم بلا روک ٹوک اپنا یہ مشغلہ جاری وساری رکھ سکو۔ سچ ہے کہ کمینوں کی لغت میں شرافت سے بڑا، بدمعاشوں کی لغت میں پاکدامنی سے بڑا اورخیانت کاروں کی لغت میں دیانت وامانت سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے۔

درس عبرت

تعجب کا مقام ہے کہ وہ غلیظ اور گناہ جس کے تصور سے ہی طبیعت کو گھن آتی ہے اوروہ فضیع وشنیع جرم جس کی وجہ سے پوری ایک قوم تباہ برباد ہو چکی ہے قبل از تاریخ تاریک عہد میں اہل سدوم نے کیا تھا آج اس

متمدن دور میں اور تہذیب نو کے علمبر داروں کے اپنے ممالک امریکہ اور انگلینڈ وغیرہ یورپی ممالک میں نہ صرف یہ کہ بڑے شوق و ذوق سے اس خلاف فطرت فعل شنیع کا ارتکاب کیا جاتا ہے بلکہ ان میں سے بعض ممالک میں تو اسے قانونی تحفظ بھی حاصل ہے اور دوسرے ممالک میں بھی اس کے قانونی جواز کیلئے قلمی جنگ لڑی جارہی ہے۔ انا للہ............

نیز جناب لوط علیہ السلام کے موعظہ ونصیحت کے جواب میں ان کی قوم کے باطل نواز لوگوں کا انداز گفتگو اور دیس نکالے کی دھمکی سے اور اس جیسے دوسرے بیسیوں قرآنی وتاریخی واقعات سے نیز ذاتی مشاہدات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو لوگ معقول ومہذب اور حق وصداقت کے علمبر دار ہوتے ہیں۔ وہ شریفانہ لب و لہجہ میں اور وہ بھی معقول طریقہ پر یعنی دلیل وبرہان سے بات کرتے ہیں مگر جو باطل نواز اور غیر معقول ہوتے ہیں وہ پہلے تو درشت وکرخت لب ولہجہ اور غیر شریفانہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں اور اگر اس سے مطلب برآری نہ ہوتو پھر دھمکیوں پر اور اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ عقل وخرد اور حق وصداقت سے بالکل تہی دامن ہیں اگر آپ ذرہ غور وفکر کریں گے تو جناب آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام تک اور ان کے دور سے لے کر آج کے دن تک آپ کو ہمیشہ اہل حق اور اہل باطل کے درمیان اس قسم کے مناظر ضرور نظر آئیں گے۔

۶۷۔ فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ...الآیۃ۔

ہر کام کا ایک طبعی انجام ہوتا ہے

ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اور ہر کام کا ایک طبعی انجام ہوتا ہے اس کے بعد اس کا اختتام ہو جاتا ہے چنانچہ یہاں بھی ایسا ہوا جب قوم کو قعر مذلت سے نکالنے اور اسے برے انجام سے ہمکنار ہونے سے بچانے کے متعلق جناب لوط کی ہر کوشش وکاوش ناکام ہوگئی اور گنے چنے چند آدمیوں کے سوا کسی نے بھی آپ کی دعوت حق پر لبیک نہ کہا قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر مذکور ہے کہ فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین۔ کہ ان بستیوں کے اندر ایک گھر کے سوا اور کوئی مسلمان نہ تھا۔ تو آخر عذاب کے نزول کا ہنگام آ گیا۔ ارشاد قدرت ہے کہ ہم نے جناب لوط اور ان کے اہل کے سوا۔۔ باقی سب کو ان کی بیوی سمیت ہلاک وبرباد کر دیا۔

اہل سے کون مراد ہے؟

بعض مفسرین نے اس سے جناب لوط کی دولڑکیاں مراد لی ہیں جو مسلمان تھیں اور بعض مفسرین نے

اس سے آپ کے تمام گھر والے اور دوسرے وہ لوگ مراد لئے ہیں جو اسلام لا چکے تھے۔ **وھو الاظھر و الاشھر۔**

جناب لوط علیہ السلام کی بیوی کیوں برباد ہوئی ؟

اس سوال کا جواب قرآن نے یہ دیا ہے کہ وہ کافرہ تھی اور اسلام نہیں لائی تھی۔ ارشاد قدرت ہے:

"ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ"

خدا نے کافروں کی مثال جناب نوح ولوط کی بیویوں سے دی ہے جو ہمارے دو نیکو کار بندوں کی زوجیت میں تھیں مگر ان دونوں نے ان سے خیانت کی (ایمان نہ لائیں) سو وہ دونوں نیکو کار بندے ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اور انجام کار ان سے کہا جائے گا کہ تم دونوں جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ (سورہ تحریم......۱۰)

لمحۂ فکریہ

اس قرآنی واقعہ اور اس جیسے بیسیوں واقعات سے روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہے کہ خداوند عالم کے نزدیک نجات دارین اور فلاح کونین کا دارومدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے "وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ"

(سورہ بقرہ......۸۲)

کسی بزرگ و برتر شخصیت سے نسبی یا سببی قرابتداری اور رشتہ داری پر نہیں۔ اگر کوئی فارس کا رہنے والا غیر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جائے اور ایمان و نیک کام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے تو وہ "**سلمان منا اھل البیت**۔ کا مصداق بن جاتا ہے اور اگر سگا چچا منحرف ہو جائے تو لعنت و پھٹکار کا سزاوار بن جاتا ہے بہر حال اس واقعہ میں ان لوگوں کیلئے لمحہ فکریہ ہے جو انبیاء سے کسی قسم کی نسبی یا سببی رشتہ داری کو نجات کا ضامن سمجھتے ہیں کیونکہ جب یہ دو برگزیدہ نبی اپنی شریکہ الحیات بیویوں کو آتش دوزخ سے نہ بچا سکے اور ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے تو پھر دوسرے دور والے لوگ اہلیت کے بغیر کیا توقع رکھ سکتے ہیں؟ انبیاء واوصیاء اور صلحاء کی شفاعت برحق ہے مگر اس کے استحقاق کیلئے اہلبیت شرط اولین ہے۔ **ولا یشفعون الا لمن ارتضی۔**

مخفی نہ رہے کہ اس دور میں ایک مسلمان مرد کا عقد وازدواج کافرہ عورت سے جائز تھا۔ مگر اب جائز نہیں ہے۔ فتدبرو ولا تکن من الجاحدین۔

۸۴۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ ... الآیة۔

اس عذاب کی کیفیت کیا تھی؟

اس مقام پر تو صرف یہ مذکور ہے کہ "وامطرنا علیهم مطرکہ ہم نے ان پر مینہ برسایا۔ مگر یہ وضاحت نہیں ہے کہ وہ مینہ پانی کا تھا یا پتھروں کا؟ مگر سورہ ہود آیت ۸۱ میں وضاحت کی گئی ہے کہ "وامطرنا علیها حجارة من سجیل منضود" ہم نے ان پر کھرنجے دار تابڑ توڑ پتھر برسائے اور وہ بھی اس طرح کہ "جعلنا عالیها سافلها" بستی کے زمینی طبقہ کو الٹ کر اس کے اوپر کے حصے کو نیچے کا بنادیا ہے (اور نیچے کے حصہ کو اوپر کا بنادیا)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے جبرئیلؑ نے اس بستی کے پورے طبقہ کو اٹھا کر اوندھا الٹ دیا تھا اور اوپر سے پتھروں کی بارش برسائی گئی تھی۔ اور اس طرح اس بستی اور بستی والے بدکاروں کا نام ونشاں بھی مٹ گیا۔ "فانظر کیف کان عاقبة المجرمین" دیکھو مجرموں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا۔

واضح رہے کہ جناب لوط کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ رات کے آخری حصہ میں بیوی کے سوا اپنے اہل وعیال اور متعلقین کو ہمراہ لے کر اس بستی سے نکل جائیں۔ اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھیں۔ کیونکہ جب آپ وہاں سے نکل جائیں گے تو پھر فوراً بستی والوں پر عذاب نازل ہوجائے گا۔ چنانچہ قرآن گواہ ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ العیاذ باللہ من غضبه۔

۸۵۔ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ... الآیة۔

جناب شعیب علیہ السلام کا مختصر تعارف اور ان کی تعلیمات کا خلاصہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قطورا نامی بیوی کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا تھا جس کا نام مدین تھا۔ مدین شہر جہاں جناب شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم رہائش پذیر تھی انہی مدین کے نام پر رکھا گیا تھا۔ انہی کی نسل سے جناب شعیب تھے جن کا سلسلہ نسب یوں ہے شعیب بن میکیل بن لشجر بن مدین بن ابراہیمؑ شہر مدین کا محل وقوع بحر احمر کا ساحل عرب تھا کوہ طور کے جنوب ومشرق میں اس سے معلوم ہوا کہ مدین ایک قوم کا نام بھی ہے اور ایک شہر کا نام بھی آجکل یہ شہر شرق اردن کی بندرگاہ معان کے قریب ہے۔

جناب شعیب علیہ السلام جناب موسیٰ علیہ السلام کے خسر بھی تھے۔ آپ کی صاحبزادی بی بی صفورہ ان کے حبالہ عقد میں تھیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بحر احمر کو عبور کر کے مصر سے جزیرہ نمائے سینا میں آ گئے تو جناب شعیب بھی ان کی بیوی اور دونوں صاحبزادوں کو لے کر ان کے پاس گئے۔ جناب شعیب کو حسن استدلال اور فصیحانہ کلام کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ آپ کے مواعظ اور تبلیغات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ توحید کا اقرار کرنے اور اس کی عبادت کرنے اور کفر و شرک سے احتراز کرنے کی دعوت دینے کے بعد کاروبار میں دیانت داری اختیار کرنے اور ہر قسم کی خیانت کاری سے بچنے کی تعلیم و تلقین کرتے تھے۔ کیونکہ اہل مدین ایک تجارت پیشہ قوم تھے۔ (اعلام القرآن وغیرہ)۔

قوم نے کیا اثر لیا؟

مگر افسوس کہ اکثر بدنصیب قوموں کی طرح جناب شعیب کی بدقسمت قوم نے بھی آپ سے اور آپ کی تبلیغ سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا۔ بلکہ شرک جیسے عظیم جرم میں مبتلا ہو گئے کاروبار میں دھوکہ و فریب کرنے، کم تولنے اور کم ناپنے لگے الغرض ہر قسم کے کاروباری امراض و عوارض میں گرفتار ہو گئے۔ ان کا مطمع نظر صرف دولت کا حاصل کرنا تھا وہ اس سلسلہ میں حلال و حرام، جائز و ناجائز کی تفریق روا رکھنے کے روادار نہ تھے اور ہر حربہ استعمال کرنا جائز جانتے تھے۔ انہوں نے تجارتی اصولوں کو پائمال کر دیا تھا وہ اس سلسلہ میں جھوٹ بولنے کم ناپنے اور ہر قسم کی دغابازی، جعل سازی کرنے میں ذرہ بھی ہچکاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے شاید ان کی ہلاکت و تباہی کے وقت یہ سب اسباب جمع ہو گئے تھے زمین میں زلزلہ آیا، آسمان سے آگ برسی اور سخت آواز بھی بلند ہوئی جس سے وہ منہ کے بل گر کر ہلاک ہو گئے۔ سچ ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت بدلنے کا

چنانچہ اس قوم کا وہی انجام ہوا جو ایسے عقائد و اعمال بجالانے والی قوم کا ہوا کرتا ہے کہ عذاب خداوندی زلزلہ کی شکل میں نازل ہوا۔ فاصبحو افی دارہم جثمین۔ اور وہ اپنے گھروں میں صبح کے وقت منہ کے بل گرے پڑے تھے۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ قوم مدین کے عذاب کے سلسلہ میں قرآن مجید میں تین لفظ استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔ رجفہ (زلزلہ) ۲۔ صیحہ (چیخ)

۳۔ عذاب ظلہ (بادل وسائبان کا عذاب)۔

ایضاح مخفی نہ رہے کہ جن لوگوں کی طرف جناب شعیب علیہ السلام بھیجے گئے تھے قرآن میں انہیں اہل مدین اور اصحاب ایکہ کہا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے مفسرین میں قدرے اختلاف رونما ہو گیا کہ آیا یہ دو مختلف قومیں تھیں کہ ایک قوم کی ہلاکت کے بعد آپ کو دوسری قوم کی طرف بھیجا گیا۔ یا ایک قوم کے دو عنوان ہیں۔ بہر حال

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی چند قدم ہے

۷۰۔ وَلَا تُفۡسِدُوۡا ...الآیۃ۔

قوم مدین کے فساد پھیلانے کی کیفیت

یہ آیت انہی الفاظ کے ساتھ اسی سورہ میں نمبر ۵۶ پر گذر چکی اور ہم اس مقام پر فساد فی الارض کی مذمت اور اس کی کیفیت اور اصلاح کی نوعیت پر بقدر ضرورت گفتگو کر چکے ہیں۔ اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ البتہ یہاں اہل مدین کے فساد فی الارض کی نوعیت کے بارے میں مختصر سا تبصرہ کیا جاتا ہے اور وہ بھی اس کے بعد آنے والی آیت اور اس میں بیان کردہ طریقہ کار کی روشنی میں فانتظر۔

آیات القرآن

وَلَا تَقۡعُدُوۡا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوۡعِدُوۡنَ وَتَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ كُنۡتُمۡ قَلِيۡلًا فَكَثَّرَكُمۡ ۖ وَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنۡ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنۡكُمۡ اٰمَنُوۡا بِالَّذِيۡۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا فَاصۡبِرُوۡا حَتّٰى يَحۡكُمَ اللّٰهُ بَيۡنَنَا ۚ وَهُوَ خَيۡرُ الۡحٰكِمِيۡنَ ﴿۸۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہر راستے پر اس طرح نہ بیٹھو کہ تم (راہ گیروں) کو ڈراؤ دھمکاؤ اور ایمان لانے والوں کو اللہ کی راہ سے روکو۔ اور اس راہ میں کجی تلاش کرو۔ اور وہ وقت یاد کرو۔ جب تم تھوڑے تھے تو اس (خدا) نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو کہ فساد پھیلانے والوں کا انجام کیسا ہوتا رہا ہے۔ (۸۶) اور اگر تم میں سے ایک گروہ اس پر ایمان نہیں لایا تو صبر کرو۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۸۷)

تفسیر الآیات

۱۔ وَلَاتَقْعُدُوْا .... الآية۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ جناب شعیب کی قوم کے شریر لوگوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ اس راستے پر جا کر بیٹھ جاتے تھے جو جناب شعیب علیہ السلام کی منزل کی طرف جاتا تھا۔ اور جب کوئی شخص ادھر جاتا ہوا نظر آتا تو اس سے جناب شعیب کا شکوہ وشکایت کرتے اور کہتے وہ کذاب ہیں ان کی بات پر اعتبار نہ کرنا خیال کرنا کہیں وہ تمہیں تمہارے آبائی دین سے گمراہ نہ کر دے اور ان کے نظریات کو توڑ موڑ کر پیش کرتے اور پھر اس پر تنقید کے تیر برساتے۔ تاکہ کسی طرح بندگان خدا کو راہ راست سے روکا جائے۔ اور اگر کوئی شخص اس کے باوجود آنجناب کی خدمت میں حاضر ہونے پر اصرار کرتا تو پھر اسے ڈراتے دھمکاتے اور اگر کوئی آدمی پھر بھی اپنے نیک ارادہ سے باز نہ آتا تو پھر اسے قوت بازو یعنی ڈنڈے کے زور سے روکتے تھے۔

الغرض وہ اس طرح کرتے جس طرح ہمیشہ باطل نواز حق پرستوں کے ساتھ کرتے آئے ہیں اور اہل حق بھی ہمیشہ کی طرح اس قوم کی روکاوٹوں کو پھلانگتے ہوئے اور ان دشوار گذر وادیوں سے گزرتے ہوئے حق و صداقت سے گلوگیر ہوتے رہے ہیں اور اعلاء کلمہ حق کی خاطر بڑے سے بڑے طوفانوں سے ٹکراتے رہے ہیں۔ کیونکہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں؟
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟

۲۰۔ وَاِنْ کَانَ طَآئِفَةٌ ... الآیة۔

اسلامی رواداری کی پاکیزہ تعلیم اور حق و باطل کا فیصلہ معلوم کرنے کی خاطر صبر کی تلقین

حضرت شعیب علیہ السلام کے مواعظ کافیہ اور نصائح شافیہ کے نتیجہ میں چاہیے تو یہ تھا کہ سب لوگ ایمان لاتے۔ مگر مع الاسف کہ ایسا نہ ہوا۔ بلکہ صرف چند لوگ ایمان لائے اور اکثر لوگوں نے ایمان اختیار نہ کیا۔ اب یہ تو بدیہی بات ہے کہ یہ دونوں گروہ اپنے اختلاف عقائد ونظریات کی وجہ سے نہ تو دونوں ناجی ہو سکتے ہیں اور نہ ہی دونوں ہالک۔ بلکہ ماننا پڑے گا کہ ایک گروہ ناجی ہے اور دوسرا ہالک مگر یہ فیصلہ کون کرے کہ ناجی کون ہے اور ہالک کون؟ ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ خدا ہی کر سکتا ہے۔ مگر اس کا فیصلہ معلوم کرنے کیلئے صبر سے کام لینا پڑے گا اور قیامت کے دن کا انتظار کرنا پڑے گا۔

لہٰذا نتیجہ یہ برآمد ہوا۔ کہ تمام مختلف عقائد ونظریات کے لوگوں کو باہمی صلح وصفائی سے رہنا چاہیے اور تحمل، برداشت اور رواداری کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنانا چاہیے اور دین ومذہب اور مسلک ومشرب کے نام پر باہم نزاع اور تکرار بھی نہیں کرنی چاہیے۔ چہ جائیکہ باہمی جنگ وجدال اور قتل وقتال جیسے جرائم کا ارتکاب کیا جائے۔ کیونکہ ع

مذہب نہیں سکھا تا آپس میں بیر رکھنا۔

ارباب عقل وانصاف غور فرمائیں۔ یہ کیسا زریں اصول ہے؟ اور یہ کیسی سنہری تعلیم وتلقین ہے؟ اے کاش کہ عام مسلمان عموماً اور علماء اسلام خصوصاً اسلام وقرآن کی ان گرانقدر تعلیمات پر عمل درآمد فرمائیں تا کہ دین ومذہب کی صداقت کو چار چاند لگ جائیں، مخالفین اسلام کے مذموم ارادے خاک میں مل جائیں اور اسلام وقرآن کی حقانیت وصداقت کے چہار دانگ عالم میں ڈنکے بج جائیں۔ و ما ذلك علی الله بعزیز۔

اللهم ايد من ايد الدين واخذل من خذل الدين ۔وانصر ناعلى القوم الكافرين بحق النبی واله الطاهرين

آیات القرآن

قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لَنُخۡرِجَنَّكَ يٰشُعَيۡبُ
وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَكَ مِنۡ قَرۡيَتِنَاۤ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِىۡ مِلَّتِنَا ‌ؕ قَالَ اَوَلَوۡ
كُنَّا كٰرِهِيۡنَ ۚ‏ ﴿۸۸﴾ قَدِ افۡتَرَيۡنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنۡ عُدۡنَا فِىۡ مِلَّتِكُمۡ بَعۡدَ اِذۡ
نَجّٰٮنَا اللّٰهُ مِنۡهَا ؕ وَمَا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّعُوۡدَ فِيۡهَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ
رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا ؕ رَبَّنَا افۡتَحۡ
بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَـقِّ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الۡفٰتِحِيۡنَ‏ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الۡمَلَاُ
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لَـئِنِ اتَّبَعۡتُمۡ شُعَيۡبًا اِنَّكُمۡ اِذًا
لَّخٰسِرُوۡنَ‏ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۛۚ‏ ﴿۹۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا۔ اے شعیب ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم لوگ ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ۔ شعیب نے کہا اگر چہ ہم اسے ناپسند ہی کرتے ہوں (۸۸) جب اللہ نے ہمیں تمہارے مذہب سے نجات دے دی ہے۔ اگر اس کے بعد بھی ہم تمہارے مذہب میں واپس آجائیں تو پھر تو ہم نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا۔ اور ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ ہم لوٹ آئیں مگر یہ کہ اللہ جو ہمارا پروردگار ہے چاہے۔ ہمارا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا اللہ ہی پر بھروسہ ہے۔ اے ہمارے پروردگار! تو ہی ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے۔ اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۸۹) اور ان کی قوم کے ان سرداروں نے جو کافر تھے آپس میں کہا کہ اگر تم شعیب کی پیروی کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے (۹۰) سو زلزلہ نے انہیں آ پکڑا جس

کے بعد وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔(۹۱)

تفسیر الآیات

۷۳۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ ... الآیة۔

جناب شعیب علیہ السلام کی قوم کے بڑوں کی روش و رفتار کا تذکرہ

ہم قبل ازیں آیت نمبر ۸۲ کی تفسیر کے ضمن میں اور قوم لوط کے حالات کے سلسلہ میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ ہمیشہ سے باطل نواز لوگوں کا یہ طریقہ کار رہا ہے۔ کہ جب وہ اہل حق و صداقت کی معقول باتوں کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکتے تو وہ بدزبانی اور تشدد کی کاروائیوں پر اتر آتے ہیں اور حق کو طاقت سے کچلنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں چنانچہ جناب شعیب علیہ السلام کی باطل پرست قوم نے بھی اسی روش و رفتار کا مظاہرہ کیا کہ جناب شعیب کا پیغمبرانہ و ناصحانہ کلام و بیان سنکر بجائے اس کے کہ کفر و شرک اور کجروی و کج رفتاری چھوڑتے اور خدا کی وحدانیت پر ایمان لاتے اور راست روی اختیار کرتے اور فوز و فلاح پاتے یا پھر اہل ایمان کے ساتھ صلح و صفائی کے ساتھ رہتے اور وقت گزارتے مگر چونکہ آئینہ دل زنگ آلود ہو چکا تھا لہٰذا ماننا تو درکنار کوئی معقول اور شریفانہ جواب دینے کی بھی توفیق نہ ہوئی بلکہ تشدد پر اتر آئے اور جناب شعیب اور ان کے ساتھیوں کو دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

۱۔ ان کے شہر سے نکل جائیں۔

۲۔ ان کے ساتھی اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ آئیں اور آپ اپنے اعلان نبوت سے پہلے والی روش کی طرف لوٹ آئیں کہ نہ ان کے دین کی تائید کریں اور نہ تردید اور یہی بات ان لوگوں کے اس مطالبہ کا مقصد تھا کہ ''وہ ان کے دین کی طرف لوٹ آئیں''۔ ورنہ جناب شعیب علیہ السلام کب ان کے دین و مذہب پر تھے کہ اب اس کی طرف لوٹتے؟؟

۷۴۔ قَالَ اولو کنا ... الآیة۔

جناب شعیب علیہ السلام کا منصفانہ اور معقول جواب

اگرچہ ہم اس بات کو ناپسند بھی کرتے ہوں تو کیا تم پھر بھی ہمیں اس پر مجبور کرو گے؟ آیا جبر و تشدد سے کسی کو اپنا دین و ایمان بدلنے پر مجبور کرنا جائز ہے؟ آیا ایمان جبر و اکراہ سے ہوتا ہے؟ آیا کوئی صاحب ایمان

وطن کو اپنے عقیدہ وایمان پر ترجیح دے سکتا ہے؟ اگر ہم ایسا کریں تو پھر خدا پر افترا پردازی کرنے کے سنگین جرم کے مرتکب ہوں گے اور سابقہ دین اور سابقہ روش کی طرف لوٹ کر گویا ہم عملی طور پر اس بات کا اعلان کرینگے کہ ارتداداللہ اور اس کی وحدانیت پر ایمان لانے سے بہتر ہے (العیاذ باللہ)۔ لہٰذا ہم بڑی سے بڑی قربانی دے سکتے ہیں مگر دین و ایمان کو نہیں چھوڑ سکتے۔ بہرکیف اس آیت نے واضح کردیا کہ مذہبی اعتقاد دل کے یقین و طمانیت کا معاملہ ہے اور کسی پر جبر کر کے اسے ایمان کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا سکتا۔ داعیان حق اور منکرین میں ہمیشہ یہی نزاع رہی ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا دل و دماغ جس راہ کو حق سمجھے گا ہم اس پر چلیں گے۔ اور یہ کہتے تھے۔ نہیں ہم تمہیں جبراً اپنی راہ پر چلائیں گے اسلام اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ دین میں جبر نہیں ہے

۷۵۔ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ... الآية۔

''مگر یہ کہ ہمارا اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے''

یعنی جب اللہ چاہے تب اپنا دین و مذہب چھوڑ سکتے ہیں اور اس پر ثابت قدمی ترک کر سکتے ہیں۔ لیکن کیا اللہ ایسا چاہے گا؟ ہرگز نہیں؟

تو گویا یہ جواب ایسا ہی ہے جیسے خدا فرماتا ہے کافر اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہوجائے گا۔ لہٰذا جب نہ اونٹ کا قد کاٹھ گھٹے گا اور نہ سوئی کا ناکہ بڑھے گا بلکہ اسی موجودہ حالت میں اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجائے گا تو پھر کافر بھی جنت میں داخل ہوجائیں گے۔

اس مثال کا مطلب یہ ہے کہ نہ کبھی اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوسکے گا اور نہ کبھی کافر جنت میں داخل ہوسکیں گے۔ اسی طرح جب اللہ چاہے گا کہ مومن ایمان چھوڑ کر کفر و شرک میں داخل ہوجائیں تو پھر جناب شعیب علیہ السلام اور ان کی جماعت ایسا کرنے پر تیار ہوجائیں گے مگر نہ اللہ تعالیٰ کبھی ایسا چاہے گا اور نہ آپ اور آپ کے ساتھی ایسا اقدام کریں گے (مجمع البیان و کاشف وغیرہ)

۷۶۔ وَسِعَ رَبُّنَا ... الآية۔

اس آیت کی تفسیر سورہ انعام کی آیت نمبر ۸۰ میں گذر چکی ہے لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۷۷۔ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ...الآية

ہمارا توکل اور اعتماد اللہ کی ذات جامع جمیع صفات پر ہے اور ظاہر ہے کہ جن کا اللہ پر ایمان بھی ہو اور توکل بھی وہ کسی کی وعید وتہدید اور دھمکیوں سے نہ ڈرتے ہیں نہ ان کی پروا کرتے ہیں کیوں کہ ان کو علم و یقین ہے کہ نفع ہو یا نقصان سود ہو یا زیاں بلکہ موت ہو یا حیات سب کچھ خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

اس لئے

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۷۸۔ رَبَّنَا افْتَحْ ...الآیۃ۔

الغرض جناب شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم کے حالات وواقعات دیکھ کر اس کے ایمان لانے اور راہ راست پر آنے سے بالکل مایوس ہو گئے تو بارگاہ ایزدی میں التجا کی اے ہمارے پرودگار! اپنے عمل سے ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ تا کہ ساری دنیا پر یہ بات واضح ہو جائے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟ چنانچہ احکم الحاکمین نے عملی فیصلہ کر دیا کہ جناب شعیب کو جھٹلانے والوں کو زلزلہ نے آ پکڑا اور وہ اس طرح نیست و نابود ہو گئے کہ گویا کبھی ان بستیوں میں بستے ہی نہ تھے۔

مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے ؟

تمام انبیاء کے حالات پر غور کرو؟

(الف)۔ سب اسی قوم میں پیدا ہوئے جس کی ہدایت کے لیے معبوث ہوئے تھے ایسا نہیں ہوا کہ باہر سے کوئی اجنبی آ گیا ہو، جس کی زندگی سے لوگ بے خبر ہوں۔

(ب)۔ کوئی بھی بادشاہ یا امیر نہ تھا۔ نہ کسی طرح کا دنیوی سروسامان رکھتا تھا۔ سب کا ظہور اسی طرح ہوا کہ تن تنہا اعلان حق کیا۔ خدا کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

(ج)۔ سب کا پیام ایک ہی تھا۔ خدا کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(د)۔ سب نے نیک عملی کی تلقین کی، انکار و بدعملی کے نتائج سے متنبہ کیا۔

(ہ)۔ سب کے ساتھ یہ ہوا کہ رئیسوں نے سرکشی کی، بے نواؤں نے ساتھ دیا۔

(و)۔ مخالفت بھی ہمیشہ ایک ہی طرح ہوئی، یعنی اعلان رسالت کی ہنسی اڑائی گئی۔ ان کی باتوں کو حماقت سے تعبیر کیا گیا۔ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اذیت پہنچانے کے تمام وسائل کام میں لائے، ان کی دعوت کی اشاعت روکنے کے لیے اپنی ساری قوتیں خرچ کر ڈالیں۔

(ز)۔ پیغمبروں نے ہمیشہ کہا۔ اگر میری دعوت قبول نہیں کرتے تو کم از کم میری موجودگی برداشت کر لو اور فیصلہ نتائج پر چھوڑ دو۔ لیکن منکر اس کیلئے بھی تیار نہ ہوئے۔

(ح)۔ ہمیشہ یہی ہوا کہ داعی حق اور ان کے ساتھی وعظ و پند کے ذریعے تبلیغ کرتے، یعنی دل و دماغ کو اپیل کرتے، لیکن منکر جبر و تشدد سے ان کی راہ روکنا چاہتے۔ پیغمبروں کی پکار یہ ہوئی تھی کہ روشن دلیلوں پر غور کرو۔ منکروں کا جواب یہ ہوتا تھا کہ انہیں بستی سے نکال باہر کرو۔ یا سنگسار کر دو!۔

(ط)۔ پھر دیکھو! نتیجہ بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کا پیش آیا۔ وہ تمام جماعتیں جنہوں نے دعوتِ حق کا مقابلہ کیا تھا، ہلاک و نابود ہوگئیں اور دنیا کی کوئی طاقت بھی انہیں قانون الٰہی کی پکڑ سے نجات نہ دلا سکی۔ یہی نتیجہ ہے جس پر خصوصیت کے ساتھ یہاں توجہ دلائی ہے اور قرآن دعوت حق کے ظہور و احوال کی یکسانیت سے بے شمار مقاصد و نتائج پر استدلال کرتا ہے۔ چنانچہ آیت ۹۴ میں فرمایا کہ ہمیشہ سنت الٰہی ایسی ہی رہی ہے۔ اور پھر آیت ۱۰۱ اور اس کے بعد کی آیات میں واضح کر دیا ہے۔ کہ گزشتہ دعوتوں کے ذکر سے مقصود اسی حقیقت کی تلقین ہے۔ (ترجمان القرآن)۔

آیات القرآن

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا
كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ۝۹۲ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ
رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ۝۹۳ وَمَآ
اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ
يَضَّرَّعُوْنَ۝۹۴ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ
مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝۹۵
وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝۹۶

ترجمۃ الآیات

جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہ (اسطرح برباد ہوئے کہ) گویا کبھی ان گھروں میں بستے ہی نہ تھے جنہوں نے شعیب کو جھٹلا دیا تھا وہی نقصان اٹھانے والے ثابت ہوئے (۹۲) (اس وقت) وہ ان سے منہ موڑ کر چلے اور کہا اے میری قوم! میں نے تو یقیناً اپنے پروردگار کے پیغامات تمہیں پہچا دیئے تھے اور تمہیں نصیحت بھی کی تھی تو (اب) کافر قوم (کے عبرتناک انجام) پر کیونکر افسوس کروں؟ (۹۳) اور ہم نے کبھی کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے باشندوں کو (ان کی تکذیب پر پہلے) سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ تضرع وزاری کریں (۹۴) پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب بڑھے (اور پھلے پھولے) اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادا کو بھی کبھی تکلیف اور کبھی راحت یونہی پہنچتی رہی ہے۔ تو ایک دم ہم نے ان کو اس طرح پکڑ لیا کہ انہیں اس کا شعور بھی نہ ہوسکا (۹۵) اور اگر ان بستیوں کے باشندے ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا۔ لہٰذا ہم نے ان کو ان کے کرتوتوں کی پاداش میں پکڑ لیا (۹۶)۔

تفسیر الآیات

۷۹۔ اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا...الآیۃ۔

ابھی اوپر آیت نمبر ۹۰ میں گذر چکا ہے کہ جناب شعیب کی قوم کے بڑے لوگ جناب شعیب پر ایمان لانے اور ان کی اتباع کرنے والوں کو خسارے میں مبتلا قرار دیتے تھے اور یہ کہہ کر ان کو معاشی بدحالی اور مفلوک الحالی سے ڈراتے تھے کہ اگر ان پر ایمان لائے تو پھر کاروبار میں کم تولنا اور کم ناپنا وغیرہ غیر شرعی طریقوں کو چھوڑنا پڑے گا جس کی وجہ سے تم غریب و نادار ہوجاؤ گے اور مرفہ الحالی ختم ہوجائیگی خداوند عالم فرماتا ہے۔ کہ انجام کار خسارے میں تو جناب شعیب کو جھٹلانے والے گرفتار ہوئے اور اپنی دنیا و آخرت سب برباد کر بیٹھے اور ان پر ایمان لانے اور ان کی پیروی کرنے والے تو انجام کار نفع میں رہے کہ دنیا و آخرت میں خدا کے عذاب اور اس کی

گرفت سے بچ گئے اور ظاہر ہے کہ:

کام وہ اچھا ہے جس کا انجام اچھا ہے

درس عبرت

خداوند عالم مختلف انبیاء اوران کی امتوں کے حالات اور واقعات سنا کر صرف کوئی داستان سرائی نہیں کرنا چاہتا بلکہ امت مرحومہ کو خواب غفلت سے جگا کر یہ بتانا چاہتا ہے کہ اللہ کا قانون قدرت اور آئین فطرت اٹل ہے ہمیشہ سے ایک رہا ہے اور ایک رہے گا ''وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيْلاً'' (سورہ احزاب...... ۶۲) تم اس کے قانون میں تبدیلی نہیں پاؤ گے اور وہ یہ ہے کہ ''وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى'' (سورہ نجم...... ۳۹)۔ کہ آدمی جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے ''ان خیراً فخیر اً و ان شراً فشر ا'' جو وقت کی قدر کرتا ہے اور اچھا کام کرتا ہے تو اچھے نتیجہ سے سرشار ہوتا ہے اور جو وقت کی قدر نہیں کرتا اور اچھا کام نہیں کرتا تو پھر برے نتیجہ میں گرفتار ہوتا ہے۔ لہٰذا اے مسلمانو! تم بھی یاد رکھو کہ اگر پیغمبر اسلام اور قرآن کی مقدس تعلیمات پر عمل کرو گے اور صحیح معنی میں مسلمان بن کے رہو گے تو دنیا وآخرت میں مظفر ومنصور اور کامیاب وکامران ہو گے اور اگر ان سے منہ موڑو گے۔ اور اگر مسلمان کہلا کر کام کافروں والے کرو گے اور اہل ایمان کہلا کر کردار بے ایمانوں والا پیش کرو گے اور اسلامی اقدار کے علمبردار ہونے کی دعویدار ہو کر اگر پدر مادر آزاد تہذیب پر عمل پیرا ہو گے تو پھر یاد رکھو۔ ع

سخت ہیں قدرت کی تعزیریں

لہٰذا

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

(لاقدر اللہ)

۸۰۔ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ ...الآیۃ۔

قبل ازیں اسی سورہ کی آیت ۷۹ میں گذر چکا ہے کہ جناب صالح نے بھی اپنی قوم کی ہلاکت پر انہی لفظوں کے ساتھ اپنے قلبی افسوس کا اظہار کیا تھا۔ اور عذاب کی آمد کے آثار دیکھ کر انہی لفظوں کے ساتھ جناب شعیب علیہ السلام بھی اپنے قلبی تاثرات کا اظہار کر رہے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ جناب صالح کا آخری جملہ یہ تھا کہ میں نے تمہیں نصیحت کی مگر تم نصیحت کرنے والوں کو پسند ہی نہیں کرتے۔ مگر جناب شعیب علیہ السلام

فرمارہے ہیں کہ میں نے تمہیں نصیحت تو کی تھی مگر تم نے اس پر عمل نہ کر کے اپنے آپ کو برباد کیا تو اب میں کافروں پر کیونکر افسوس کروں؟؟ سچ ہے کہ!

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں؟

مخفی نہ رہے کہ مفسرین اسلام نے لکھا ہے کہ قوم کی ہلاکت کے بعد جناب شعیب اور ان کے ساتھی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے اور پھر وہیں قیام پذیر رہے۔

۸۱۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا ...الآیۃ۔

خدا کا دستور ہے کہ وہ کبھی سختی اور تکلیف سے اور کبھی راحت و آرام سے ازمائش کرتا ہے

ہم قبل ازیں سورہ انعام کی آیت ۴۳ سے لے کر آیت ۴۵ تک ان آیتوں جیسی آیات کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ کہ سنت الٰہیہ یہ ہے کہ وہ جب بھی کوئی نبی و رسول بھیجتا ہے تو لوگوں کی اکثریت ان کی تکذیب کرتی ہے اور بہت ہی کم اور خوش قسمت لوگ ہوتے ہیں جو ان کی دعوت حق پر لبیک کہنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ جب ایسا ہوتا ہے تو پہلے اللہ منکرین و مکذبین کی اصلاح کیلئے انہیں سختی اور تکلیف میں مبتلا کرتا ہے۔ تاکہ وہ کفر و شرک سے باز آئیں اور ایمان لائیں اور اپنے خالق و مالک سے لو لگائیں چنانچہ اب ہوتا یہ ہے کہ ان منکرین میں سے کچھ اقل قلیل متوجہ ہوتے ہیں اور راہ راست پر آجاتے ہیں۔ مگر ان کی اکثریت اب بھی اپنے کفر و عصیاں پر ڈٹی رہتی ہے۔ تو اب علیم و حکیم خدا سختی اور تکلیف کو آرام و آسائش سے بدل دیتا ہے تاکہ وہ لوگ اس مہلت و استدراج سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دل کھول کر گناہ و عصیاں کریں۔ حالانکہ خدائے حکیم کا تو پہلے اس سختی و تکلیف اور بعد ازاں، راحت و آرام سے مقصد یہ تھا کہ پہلی صورت میں وہ اپنی اصلاح کریں اور کفر و عصیاں کاری چھوڑ کر ایمان لائیں اور نیک عمل بجا لائیں۔ اور دوسری صورت سے مقصد یہ تھا کہ اپنے محسن و منعم حقیقی کا شکر بجا لائیں۔ اور اس کی عبادت کر کے اس سے لو لگائیں۔ مگر وہ بدبخت ان دونوں حالتوں سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے بلکہ اس تغیر و تبدل کو اتفاقات زمانہ کا ثمرہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اتفاقات ہیں زمانے کے۔

کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

مزید برآں یہ کہ اپنے دل ناداں کو تسلی دیتے ہیں کہ یہ گردش لیل و نہار اور یہ اختلاف حالات کوئی

نئی بات نہیں ہے قدیم الایام سے ہمارے آباؤ اجداد کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔ کہ کبھی شدت وسختی کا دور آیا اور کبھی راحت و آرام کا۔ کبھی برائی اور کبھی بھلائی۔ ان تمام آزمائشوں کے بعد اور ہر طرف سے حجت تمام ہو جانے کے بعد قانون قدرت پہلی امتوں میں تو یہ رہا ہے کہ عذاب استیصال آیا اور سب کمذبین و عاصین کو نیست و نابود کر دیا مگر قرآن و حدیث کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ گو یہ امت اپنے گناہ و عصیاں کی وجہ سے ابتلاء و آزمائش اور شدائد و مصائب کی مختلف گھاٹیوں سے گزرے گی مگر رحمۃ اللعالمین کے وجود ذی جود کی برکت سے اس پر عذاب استیصال نہیں آئے گا چنانچہ ارشاد قدرت ہے: "وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ" اللہ اس وقت تک ان لوگوں پر عذاب نازل نہیں کرے گا۔ جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں۔ (سورہ انفال...... ۳۳)

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا
کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

ورنہ ہماری حالت تو عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے۔

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

۸۱۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ...الآیۃ

ایمان و تقویٰ اختیار کرنے سے رزق اور برکت میں اضافہ ہوتا ہے

نعمت ایمان سے تہی دست لوگ یہ گمان کرتے ہیں۔ کہ ایمان لانے، تقویٰ اختیار کرنے اور حلال و حرام کی پابندی سے روزی کم ہوتی ہے مگر رازق حقیقی خبر دے رہا ہے کہ ایمان و تقویٰ سے آسمان و زمین سے رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یعنی آسمان سے بروقت بارش برستی ہے دعا قبول ہوتی ہے اور زمین بہترین فصلیں اگاتی ہے جس سے ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر آدمی خدا پر ایمان لائے، تقویٰ اختیار کرے عدل اسلامی پر عمل کرے اور ایمان باللہ کے جو عملی تقاضے ہیں کہ منجملہ ان کے کسب حلال کیلئے سعی و کوشش اور جدوجہد کرنا بھی شامل ہے کیونکہ لیس للانسان الا ما سعیٰ انہیں پورا کرے تو حالات بدل جاتے ہیں سختی اور تنگدستی دور ہو جاتی ہے اور فارغ البالی و مرفہ الحالی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے کہ "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ جو کوئی تقویٰ اختیار کرے خدا اس کیلئے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا"۔

آیات القرآن

اَفَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰۤى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا بَيَاتًا وَّهُمۡ نَآٮِٕمُوۡنَؕ ۹۷ اَوَاَمِنَ
اَهۡلُ الۡقُرٰۤى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًى وَّهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ۹۸ اَفَاَمِنُوۡا مَكۡرَ
اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاۡمَنُ مَكۡرَ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۹۹ اَوَلَمۡ يَهۡدِ لِلَّذِيۡنَ
يَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ ۚ
وَنَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ۱۰۰ تِلۡكَ الۡقُرٰى نَقُصُّ عَلَيۡكَ
مِنۡ اَنۡۢبَآٮِٕهَا ۚ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوۡا
لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ
الۡكٰفِرِيۡنَ ۱۰۱

ترجمۃ الآیات

آیا ان بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ کہ ان پر ہمارا عذاب راتوں رات آ جائے جبکہ وہ سو رہے ہوں (۹۷) یا کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے (چاشت کے وقت آ جائے جبکہ وہ کھیل کود رہے ہوں (۹۸) کیا یہ لوگ اللہ کے عذاب یا اس کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے عذاب یا اس کی خفیہ تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہو جاتے ہیں جو گھاٹا اٹھانے والے ہوں (۹۹) کیا ان لوگوں پر جو پہلے اہل زمین کی تباہی کے بعد زمین کے وارث بنے یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ان کو گناہوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر لگا دیتے کہ وہ سن (سمجھ) نہ سکیں (۱۰۰) یہ وہ بستیاں ہیں کہ جن کی کچھ خبریں ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں بے شک ان کے پاس ان کے رسل کھلے ہوئے نشان (معجزے) لے کر آئے۔ مگر وہ ایسے نہیں تھے کہ اس بات پر ایمان لاتے جسے وہ پہلے جھٹلا

چکے تھے اللہ اسی طرح کافروں کے دلوں پر مہر لگاتا ہے(۱۰۱)

تفسیر الآیات

۸۲۔ اَوَ اَمِنَ ...الآیۃ۔

اس آیت میں سرکشوں کو عذاب خداوندی سے ڈرایا جارہا ہے

کہ جس طرح پہلی امتوں اور مختلف بستیوں میں رہنے والوں پر مختلف اوقات میں خدا کا عذاب نازل ہوتا کبھی رات کے وقت جبکہ وہ گہری نیند کے مزے لوٹ رہے تھے اور کبھی دن کے وقت جبکہ وہ اپنی پسندیدہ سرگرمیوں میں مصروف تھے تو جو لوگ انہی جیسے لوگوں کا کردار پیش کر کے خدا کے عذاب کو دعوت دے رہے ہیں کیا وہ اس میں مصروف تھے تو جو لوگ انہی جیسے لوگوں کا کردار پیش کر کے خدا کے عذاب کو دعوت دے رہے ہیں کیا وہ اس عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے ان برے اعمال سے باز آنا چاہئے۔ ورنہ وہ بھی انہی ہلاک ہونے والے لوگوں کی طرح اللہ کے عذاب میں رات یا دن میں کسی بھی وقت گرفتار ہو سکتے ہیں۔

۸۳۔ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ...الآیۃ۔

مکر کے مفہوم کی وضاحت

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۵۴ ومکروا ومکر اللہ کی تفسیر میں لفظ مکر کی مکمل تشریح کی جا چکی ہے اور مختلف زبانوں میں اس کے موارد استعمال بیان کئے جا چکے ہیں اور یہ کہ جب اس لفظ کی نسبت خدا کی طرح ہو تو اس کا مفہوم کیا ہوتا ہے۔ ان تمام متعلقہ مباحث کی کماحقہ، توضیح اس مقام پر کی جا چکی ہے۔ لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے ہم اعادہ و تکرار کر کے تفسیر کا حجم نہیں بڑھانا چاہتے ویسے یہاں ''مکر اللہ'' سے عذاب اللہ'' مراد ہے کہ کیا یہ لوگ اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ کہ یکدم ان کو اس طرح عذاب آ پکڑے کہ جس کا انہیں سان و گمان بھی نہ ہو۔ اس سے تو صرف وہ لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو خسارا اٹھانے والے ہوتے ہیں اور بعض مفسرین نے اس سے اللہ کی خفیہ تدبیر مراد لی ہے۔ جس کا مطلب استدراج اور خدائی ڈھیل ہے کہ خدا انہیں برابر صحت و سلامتی، طول عمری اور دوسری نعمتوں کی فروانی سے نوازتا رہتا ہے تاکہ وہ دل کھول کر گناہ و عصیاں کرنے کی ہر حسرت مٹالیں۔ اور پھر اچانک اس طرح انہیں اپنے سخت عذاب کی گرفت میں جکڑتا ہے کہ جس کا

انہیں شعور بھی نہیں ہوتا۔

۸۴۔ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ ...الآیۃ۔

''ھدی یھدی'' کا صلہ جب لام ہوتو اس کے معنی واضح ہونے کے ہوتے ہیں۔ خداوند عالم ان کافرین ومشرکین کو جھنجھوڑ رہا ہے جو اپنے سے پہلے کفر وشرک اور بدعملیوں کی وجہ سے تباہ وبرباد ہونے والوں کی زمین وجائیداد کے وارث قرار پائے ہیں کہ کیا ان پر یہ کھلی ہوئی حقیقت بھی واضح نہیں ہوئی کہ اگر خدا چاہے تو ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیدے اور چاہے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دے جس کے بعد وہ کچھ بھی سمجھ نہ سکیں۔ قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۷ (ختم اللہ علی قلوبھم) کی تفسیر میں اس مہر لگنے لگانے کی پوری کیفیت بیان کی جا چکی ہے اور یہ کہ کافروں اور بدکاروں کے کفر وعصیاں کی وجہ سے یہ مہر لگتی ہے ایسا نہیں ہوتا کہ اس مہر کی وجہ سے یہ کفر اور گناہ کا ارتکاب کریں۔ کیونکہ یہ چیز اللہ کے عدل اور اس کی حکمت کے منافی ہے۔

۸۴۔ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ ...الآیۃ۔

سابقہ بستیوں والے لوگوں کے قصص وحکایات کا خلاصہ

ان بستیوں کا اشارہ جناب نوحؑ جناب ہودؑ، جناب لوطؑ، اور جناب شعیبؑ کی قوموں کی بستیوں کی طرف ہے جن کے حالات کی بقدر ضرورت تفصیلات سابقہ رکوعات میں بیان کی جا چکی ہیں۔ اور اب یہاں بطور خلاصہ ان کا مفہوم ومطلب اہل اسلام کے سامنے اس لئے بیان کیا جا رہا ہے تا کہ وہ اس سے درس عبرت حاصل کریں اور اس قسم کی روش ورفتار اختیار کرنے سے احتراز کریں۔ وہ خلاصہ یہ ہے کہ وہ قومیں رسولوں کی تشریف آوری سے پہلے کفر وشرک اور ضلالت وگمراہی میں مبتلا تھیں۔ اور رسولوں کے دلائل ومعجزات کے ساتھ آنے کے باوجود انہوں نے کوئی اثر نہ لیا بلکہ اپنے کفر وانکار پر ڈٹے رہے اور ان کے وجود سے کچھ بھی فائدہ نہ اٹھایا۔ اور اس طرح رسولوں کے فیوض وبرکات سے محروم رہے کہ گویا ان کے پاس کوئی نبی ورسول آیا نہ تھا ان کی اکثریت نے کسی عہد وپیمان کی پابندی نہ کی اور فاسق وفاجر ثابت ہوئی۔ انہی وجوہ کی بنا پر ان پر عذاب استیصال نازل ہوا۔ اور ان کا نام ونشان مٹا دیا۔

آیات القرآن

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوْا

بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى
يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ
عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے ان کی اکثریت میں عہد و پیمان کی پاسداری نہیں پائی اور ہم نے اکثر کو فاسق و فاجر پایا ہے (۱۰۲) پھر ہم نے ان (نبیوں) کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیاں (معجزے) دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ مگر انہوں نے ان (نشانیوں) کے ساتھ ظلم کیا (انکار کر دیا) دیکھو مفسدین کا کیا برا انجام ہوا؟ (۱۰۳) اور موسیٰ نے کہا اے فرعون میں تمام جہانوں کے پروردگار کا رسول ہوں (۱۰۴) میرے لئے ضروری ہے کہ اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہوں میں تمہارے پروردگار کی طرف سے معجزہ لے کر آیا ہوں۔ پس تو بنی اسرائیل کو (آزاد کر کے) میرے ساتھ بھیج دے (۱۰۵) فرعون نے کہا اگر تم کوئی معجزہ لائے ہو تو اگر تم سچے ہو تو اسے پیش کرو (۱۰۶) پس انہوں نے اپنا عصا پھینک دیا اور وہ یکا یک کھلا ہوا اژدھا بن گیا۔ (۱۰۷)

تفسیر الآیات

۸۵۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ ... الآیۃ۔

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ اور ان کا تعارف

قبل ازیں سورہ انعام کی آیت ۸۵ کی تفسیر کے ضمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مختصر مگر جامع حالات کا ایک خاکہ پیش کیا جا چکا ہے۔ وہ بنی یعقوب کی نسل سے اولوالعزم انبیاء میں سے ایک عظیم الشان

رسول تھے جوان سابق الذکر انبیاء کے بعد بڑی سج دھج سے تشریف لائے اور بڑی شان سے کار رسالت انجام دیا اور جہاں تک فرعون کا تعلق ہے تو کسی بادشاہ کا شخصی نام نہیں بلکہ کئی صدیوں تک یہ شاہان مصر کا عمومی لقب رہا ہے جیسے قیصر روم، کسرائے ایران اور سلطان ترکی۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کے عہد کے فرعون کا شخصی نام غالباً رعمیس تھا اور بعض شارحین وعلماء توراۃ کا مستحکم خیال ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے معاصر دو فرعون تھے ایک یہی رعمیس تھا جس کے وقت میں آپ کی ولادت اور پرورش ہوئی اور دوسرے کا نام غالباً "ینتہا ثالی" یا "منفتاح" تھا جس کے دور میں آپ پیغمبر بن کر آئے (واللہ العالم)

فرعون مصر نہ صرف یہ کہ ظالم اور ستمگر تھا جو عام لوگوں پر عموماً اور بنی اسرائیل پر خصوصاً ظلم و جور کے پہاڑ گراتا تھا۔ بلکہ بے دینی میں ربوبیت کے دعویٰ تک پہنچ گیا تھا۔ وہ بڑا متکبر و مغرور تھا۔ اسی کے شاہی محل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزانہ طور پر پرورش ہوئی تھی۔ جناب موسیٰ، ہارونؑ، کی تبلیغ وارشاد کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ نہ ایمان لایا نہ ہی اپنے دعوائے ربوبیت سے دستبردار ہوا اور نہ ہی ظلم و جور سے تائب ہوا۔ ہاں جب غرق ہونے لگا تو اس وقت ضرور نادم ہوا تھا مگر اب توبہ کا وقت گزر چکا تھا۔ حکم الٰہی ہوا کہ اب نجات صرف جسم کو ملے گی اور اسے دنیا کی عبرت کے لیے باقی رکھا جائے (اعلام القرآن دریابادی)

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ... الآیۃ۔

جناب موسیٰؑ و ہارونؑ کے دربار فرعون میں جانے اور اسے تبلیغ کرنے کا مختصر قصہ

پہلے اس تمام واقعہ کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے بعد ازاں موقع و محل کی مناسبت سے اس کی کچھ تفصیلات بھی بیان کی جائیں گی۔ خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کو حکم دیا کہ فرعون کے دربار میں، جاؤ، کہ وہ سرکش بن گیا ہے اور جا کر نرم نازک الفاظ میں تبلیغ کرو۔ شاید کہ اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہوا ور وہ نصیحت حاصل کرے۔ چنانچہ دونوں بھائی دربار میں تشریف لے گئے اور اس کے رعب داب اور درباری آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جناب موسیٰ علیہ السلام نے بلا جھجک اس سے فرمایا۔ اے فرعون! میں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول ہوں۔ مجھ پر واجب ہے کہ خدا کے بارے میں سچ کہوں۔ اور تمہارے پروردگار کی جانب سے بینہ و برہان (معجزہ) لے کر آیا ہوں۔ چونکہ فرعون نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا جو حضرت یوسفؑ کے عہد میں اپنے اصلی وطن فسلطین سے ہجرت کر کے مصر آ گئے

تھے جس کی تفصیل سورہ بقرۃ میں گذر چکی ہے بہر حال انہوں نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں آزاد کردے اور انہیں آزادی کے ساتھ اپنے وطن جانے دے۔فرعون نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ کوئی نشانی (معجزہ) لائے ہیں تو پیش کریں؟

اس پر جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوطرح کے معجزات میں سے سردست دو معجزے دکھائے لکڑی کا عصازمین پر پھینکا جوفوراً کھلا ہوا اژدھا بن گیا۔اور پھنکارنے لگا۔دوسرا یہ کہ جب انہوں نے اپنا ہاتھ گریبان میں یا بروایتے بغل میں ڈالا اور پھر باہر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید نورانی ہوگیا۔جس کی چمک دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کررہی تھی مگر انہوں نے انکار کردیا اس وقت فرعون کے وڈیروں (اس کی کابینہ کے ارکان) نے کہا یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے۔فرعون نے ان کے بارے میں ان لوگوں سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟ انہوں نے کہا کہ ان کو چند دن قید کردیجئے اور ملک سے ان کے مقابلہ کے لیے ماہر جادوگر اکٹھے کیجئے۔

چنانچہ جب جادوگر آگئے تو انہوں نے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے سے پہلے فرعون سے کہا کہ اگر ہم جیت جائیں تو ہمیں کچھ انعام ملے گا؟ فرعون نے کہا۔ہاں انعام کے علاوہ تم ہمارے دربار کے مقربین میں سے ہوگے چنانچہ انہوں نے اپنی رسیاں جب دربار میں پھینکیں تو لوگوں کی نظر بندی کردی۔انہیں یوں محسوس ہوا کہ سانپ دوڑ رہے ہیں وحی الٰہی کے مطابق جب جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ اژدھا بن گیا اور ایک ایک کرکے ان کے بنائے ہوئے (جھوٹے) سانپوں کو نگل گیا۔اس طرح حق غالب آگیا اور باطل ملیا میٹ ہوگیا پس فرعون اور فرعونی ہار گئے اور ذلیل ہوکے پلٹے اور جادوگر یہ منظر دیکھ کر سجدہ میں گر گئے اور عجز وانکساری سے بولے کہ ہم سارے جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے ہیں۔

ہر چند کہ فرعون نے ان کو سخت دھمکی دی کہ تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو۔میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ کر تمہیں سولی دے دوں گا۔اور اس نے اس دھمکی پر عمل درآمد بھی کیا۔مگر ان لوگوں کے پائے ثبات میں لغزش واقع نہ ہوئی۔بعدازاں فرعون نے جناب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر بڑے مظالم ڈھائے مگر انہوں نے برابر اپنا سلسلہ تبلیغ وارشاد جاری رکھا۔اور پھر خدائے جبار وقہار نے فرعون اور اس کی قوم کو مختلف عذابوں میں گرفتار کیا۔کبھی قحط وخشک سالی کبھی بارشوں کی کثرت،کبھی،مکڑوں جوؤں کی یورش اور کبھی مینڈکوں کی یلغار۔ان حالات میں جناب موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے کہا کہ اگر آپ کا پرودگار ہماری یہ مصیبت دور کردے تو ہم ایمان لائینگے۔چنانچہ خدا نے کچھ وقت کے لیے یہ مصیبت دور کردی۔مگر وہ

اپنے عہد و پیمان سے مکر گئے اور ایمان نہ لائے یہاں تک کہ خدائے قہار نے ان کو دریائے نیل میں غرق کر دیا اور اسطرح ان کا قلع قمع ہو گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

آیات القرآن

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ
اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا
تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾
يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا
لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾
قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ
اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ
بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ
تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور اپنا ہاتھ باہر نکالا۔ تو وہ ایک دم دیکھنے والوں کے لیے سفید اور روشن تھا (۱۰۸) قوم فرعون کے سرداروں نے (یہ منظر دیکھ کر) کہا کہ یہ شخص (موسیٰ بڑا ماہر جادوگر ہے (۱۰۹) یہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتا ہے تو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ (۱۱۰) ان لوگوں نے کہا کہ انہیں اور ان کے بھائی کو روک رکھیے۔ اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے (۱۱۱) جو ہر بڑے ماہر جادوگر کو لے آئیں۔ (۱۱۲) چنانچہ جادوگر فرعون کے پاس آگئے اور کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آگئے تو یقینا ہم ایک بڑے معاوضے کے حقدار ہوں گے (۱۱۳) فرعون نے کہا۔

ہاں۔اوراس کے علاوہ تم ہمارے مقرب بارگاہ لوگوں میں سے ہوجاؤ گے (۱۱۴) انہوں نے کہا اے موسیٰ یا تم (پہلے) پھینکو یا پھر ہم پھینکتے ہیں (۱۱۵) انہوں نے (جواب میں) کہا کہ تم ہی پھینکو! پھر جب انہوں نے (اپنی لاٹھیاں اور رسیاں) پھینکیں تو لوگوں کی نگاہوں کو مسحور کردیا (ان کی نظر بندی کردی) اور انہیں خوف زدہ کردیا اور انہوں نے بڑا زبردست جادو پیش کیا۔(۱۱۶) ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنا عصا پھینکو۔تو یکا یک وہ (اژدھا بنکر) ان کے طلسموں (جادو کے جھوٹے سانپوں) کو نگلنے لگا (۱۱۷)۔

تفسیر الآیات

۸۷۔ قَالُوْٓا اَرْجِهْ...الآیة۔

فرعون کے درباریوں اور یزید کے درباریوں میں فرق؟

مروی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ظالم خاندان نبوت کو قید کر کے شام لے گئے اور انہیں دربار یزید میں پیش کیا تو یزید نے اپنے درباریوں سے اسیران آل محمدؐ کے بارے میں مشورہ کیا (کہ انہیں قتل کیا جائے، قید کیا جائے یا رہا کیا جائے؟) تو بعض درباریوں نے بڑے گستاخانہ الفاظ میں مشورہ دیا کہ سب کو شہید کردیا جائے۔اس وقت امام زین العابدینؑ نے فرمایا اے یزید تیرے درباریوں نے تجھے وہ مشورہ دیا ہے جو فرعون کے درباریوں نے بھی اسے نہیں دیا تھا۔جب اس نے جناب موسیٰؑ وہارون کے بارے میں ان سے مشورہ کیا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ ان دونوں بھائیوں کو ذرا ڈھیل دو (قید کردو) پھر فرمایا اولا دانبیاء کو ولد الزنا کے سوا اور کوئی قتل نہیں کرتا۔(اثبات الوصیة مسعودی، ملهوف ، قمقام، نفس المهوم)

۸۸۔ وَجَآءَ السَّحَرَةُ... الآیة۔

چونکہ فرعون اوراس کے ارکان سلطنت جناب موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر خائف ہوگئے تھے کہ کہیں جناب موسیٰ علیہ السلام اس قسم کے کارنامے پیش کر کے اور لوگوں کو اپنا عقیدت منداور گرویدہ بنا کر اور جمعیت اکٹھی کر کے حکومت کا تختہ الٹ کر خود بادشاہ نہ بن جائے اور بنی قبط کو دیس نکالا نہ دیدے۔اس لیے انہوں نے مشورہ دیا تھا کہ ملک سے ماہر جادوگرا کھٹے کئے جائیں تا کہ اس فتنہ کا سر کچل دیا جائے۔اس وقت مصر میں جادو کا فن بڑے عروج پر

تھا۔ بہر حال ملک کے طول وعرض سے سب بڑے بڑے جادوگر اکٹھے کئے گئے جن کی تعداد بقولے ستر (۷۰) بقولے بہتر (۷۲) اور بقولے پندرہ ہزار اور بقولے اس سے بھی بہت زیادہ تھی (مجمع البیان)

بہر حال مقررہ تاریخ پر ادھر حضرت موسیٰ و ہارون بھی دربار میں پہنچ گئے ادھر جادوگران فرعون بھی بڑے طمطراق سے حاضر ہوئے اور فرعون سے مک مکا کرنے کے بعد اپنے پیشہ ورانہ آداب کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آیا پہلے آپ اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے یا ہم پہل کریں؟ چونکہ جناب موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پروردگار کی تائید غیبی کی وجہ سے اپنی فتح و فیروزی کا یقین کامل تھا لہٰذا بڑے اطمینان سے فرمایا کہ تم پہلے اپنا ہنر دکھاؤ مروی ہے کہ جادوگروں کی اتنی سی ادب والی گفتگو خدا کو پسند آگئی اور انہیں توفیق ایمان عطا فرمائی بہر حال انہوں نے اپنے فن کا بھرپور مظاہرہ کیا ارشاد قدرت ہے "وَ جَآءُوْا بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ" انہوں نے بڑے جادو کا مظاہرہ کیا انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر کے اپنی رسیوں کو سانپ کی شکل مین دکھایا اور انہیں خوف زدہ کر دیا۔

۸۹۔ وَ جَآءُوْا بِسِحْرٍ ...الآیۃ

جادو کی اصل حقیقت کیا ہے؟

اور آیا اس کی تاثیر واقعی ہے یا صرف نظر بندی ہے اور اگر واقعی ہے تو کس حد تک ہے؟) اس موضوع پر ہم سورۃ بقرۃ کی آیت ۱۰۲ کی تفسیر کے ضمن میں مفصل گفتگو کر چکے ہیں قارئین کرام اس مقام کی طرف رجوع فرما کر اپنی علمی و تحقیقی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ بہر حال اس تمام طویل وعریض بحث و تمحیص کا خلاصہ یہ ہے کہ بجعل الٰہی جادو میں واقعی تاثیر ہے۔ مگر وہ صرف صحت و مرض اور حب و بغض وغیرہ عام عادی اور معمولی حالات و واقعات تک محدود ہے اس سے کسی چیز کی قلب ماہیت نہیں کی جا سکتی۔ اور اس کی اصلیت تبدیل نہیں کی جا سکتی۔ یہاں جو یہ وارد ہے کہ لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ ایک دوسرے مقام پر یوں وارد ہے۔ "یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی" (سورہ طہ......۶۶) ان کے جادو کی وجہ سے خیال یہی ہوتا تھا کہ وہ سانپ نما رسیاں دوڑ رہی ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ جادو کا اثر صرف چشم و بصر اور قوت متخیلہ تک محدود ہوتا ہے اور خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ مگر یہ استنتاج بطور عموم اور کلیہ درست نہیں ہے۔ ہاں! البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ

جادوگر فرعون کا سحر شعبدہ بازی کی قسم سے تھا؟

سحر کی وہ قسم جس کا جادوگران فرعون نے مظاہرہ کیا تھا وہ اسی قسم کی تھی کیونکہ شعبدہ بازی بھی تو جادو کی قسموں میں سے ایک قسم ہے جس سے صرف دیکھنے والوں کا حاسہ متاثر ہوتا ہے اصل چیز کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی یعنی ایک جادوگر کسی چیز کی شکل تو بدلی ہوئی دکھا سکتا ہے مگر اس کی حقیقت نہیں بدل سکتا یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدھا بنا تھا تو وہ جادوگروں کے تمام نمائشی سانپوں سنپولیوں کو ہڑپ کر گیا تھا۔ ان رسیوں کے سانپ نظر آنے کے شعبدہ ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ روایات میں وارد ہے کہ ان لوگوں نے ان میں پارہ بھر رکھا تھا جب ان پر سورج کی گرمی پڑی تو پارا پگھلا اور حرکت میں آیا تو رسیاں حرکت کرنے لگیں تو لوگوں نے خیال کیا کہ گویا سانپ چل پھر رہے ہیں (تفسیر، برہان وغیرہ)

بہر حال جادو کا اعتقاد دنیا کی قدیم اور عالمگیر گمراہیوں میں سے ہے اور انسانی نوع کے لیے بڑی مصیبتوں کا باعث رہا ہے مگر قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس کے بے اصل ہونے کا اعلان کر دیا تھا کہ اس سے کسی چیز کی قلب ماہیت نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی اس سے کسی کی موت واقع ہوسکتی ہے۔ اگر اس کا ضعیف الا عتقاد پر کچھ اثر ہوتا ہے تو وہ اس کی اسی ضعیف الاعتقادی کا نتیجہ و اثر ہے۔ جادو کا اثر نہیں ہے۔

۹۰۔ واوحینا۔۔۔الایۃ

معجزہ کی تاثیر واقعی ہوتی ہے اور یہ کہ معجزہ کا فاعل حقیقی خدا ہوتا ہے

ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنا عصا پھینکو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا تو خدا نے اسے اژدھا بنا دیا اور وہ ایک دم اسے نگلنے لگا جو جھوٹ موٹ جادوں گروں نے ظاہر کیا تھا اس سے جہاں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ معجزہ کی تاثیر واقعی ہوتی ہے اور اس سے کسی شے کی ماہیت تبدیل ہوجاتی ہے وہاں یہ بات بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہوتا ہے اور نبی و امام فاعل مجازی ہوتے ہیں کہ ان کی دعا اور استدعا پر ان کی صداقت ظاہر کرنے کیلئے خدا ان کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دوسرے مقام پر قرآن میں مذکور ہے کہ جب ایک دم عصا اژدھا بن گیا تو جناب موسیٰ علیہ السلام بھی خوفزدہ ہوگئے تو خدا نے تسلی دی کہ اسے پکڑ و اور خوف زدہ نہ ہو۔ ہم اس کو اس کی اصلی شکل وصورت میں لوٹا دیں گے۔ جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ عصا کو اژدھا بھی خدا نے بنایا تھا اور پھر اسے لوٹا کر عصا بھی خدا بنائے گا۔ **ھو المقصود**

آیات القرآن

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا
صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾
رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ
اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ
لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ
مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

(نتیجہ یہ نکلا کہ) حق ثابت ہوگیا۔ اور جو جھوٹے کارروائی کر رہے تھے، وہ باطل ہوگئی۔ (۱۱۸) اس طرح وہ (فرعون اور فرعونی) مغلوب ہوئے اور ذلیل ورسوا ہو کر رہ گئے (۱۱۹) اور تمام جادوگر (کسی غیبی طاقت سے) سجدہ میں گر دیئے گئے (۱۲۰) اور کہنے لگے ہم سارے جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے (۱۲۱) جو موسیٰ وہارون کا پروردگار ہے (۱۲۲) فرعون نے کہا تم اس پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں؟ یقیناً یہ کوئی خفیہ سازش ہے جو تم لوگوں نے کی ہے۔ تاکہ تم شہر کے باشندوں کو اس سے باہر نکالو۔ عنقریب تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا (۱۲۳) میں تمہارے ہاتھ پاؤں کو مختلف سمتوں سے کاٹ دوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا (۱۲۴) انہوں نے کہا (ہمیں کیا پروا ہے) ہم لوگ بہرحال اپنے پروردگار کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں (۱۲۵) اور تم ہم سے صرف اس بات کا انتقام لینا چاہتے

ہو کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لائے ہیں جب وہ ہمارے پاس آئی ہیں (پھر یوں دعا کی) اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں اس حالت میں وفات دے کہ ہم تیرے سچے مسلمان (فرمانبردار) ہوں (۱۲۶)۔

تفسیر الآیات

۹۱۔ وَ اُلْقِيَ السَّحَرَۃُ... الآیۃ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہوش رُبا معجزہ اور ان کی فتح و فیروزی اور جاگروں کی شکست جو درحقیقت فرعون اور فرعونیوں کی شکست تھی دیکھ کر ان کے قلب وجگر پر کیا کیفیت گزری ہوگی اس کا تصور کرنا چنداں مشکل نہیں ہے۔ گوان لوگوں کو یقین ہوگیا تھا کہ جناب موسیٰ۔ خدا کے برحق نبی ہیں مگر ان کو اپنی مخصوص مصلحتوں کے تحت ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی۔ لیکن جادوگرفن کار ہونے کی وجہ سے معجزہ اور سحر کے باہمی فرق کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے وہ جانتے تھے کہ جادو کی حد کہاں ختم ہوتی اور معجزہ کی حد کہاں سے شروع ہوتی ہے؟

ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر فوراً معلوم ہوگیا۔ کہ جس چیز کا مظاہرہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے کیا ہے وہ ان کی حد سے ماورا ہے۔ یہ جادو نہیں بلکہ چیزے دیگر است اور اس کی پہچان کے ساتھ خدا نے ان کو یہ اخلاقی جرأت بھی دی تھی کہ حق وحقیقت کا برملا اقرار واظہار بھی کر سکیں۔ چنانچہ وہ یہ ایمان افزاء منظر دیکھ کر فرط جذبات سے سجدہ ریز ہوگئے اور اعلان کر دیا کہ ''اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ''۔ کہ ہم سارے جہانوں کے مالک و پروردگار پر ایمان لائے ہیں۔ جو موسیٰ وہارون علیہما السلام کا بھی پروردگار ہے۔

ان لوگوں کے اس اعلان کا عام لوگوں پر عموماً اور فرعون، اور فرعونیوں پر بالاخص کیا اثر ہوا ہوگا؟ اور انہیں کس ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا ہوگا؟ اس کا تصور کرنا چنداں مشکل نہیں ہے! مگر چونکہ فرعون بڑا کائیاں آدمی تھا اپنی خفت کو کم کرنے اور اپنی ساکھ کو سنبھالا دینے کیلئے اشفلا چھوڑا کہ یہ ان جادوں گروں اور موسیٰ وہارون علیہ السلام کی ملی بھگت ہے۔ یہ سب ہمیں یہاں سے بے دخل کرنے کی سازش میں شریک ہیں۔ اس طرح ان پر سازش کا الزام لگا کر اس کی کڑی سزا کا اعلان کر دیا کہ پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں مختلف طرفوں سے کاٹے جائیں گے۔

بعدازاں برسرعام تمہیں تختہء دار پر لٹکایا جائیگا۔ اتنی بڑی سزا کا اعلان سن کر شمع توحید کے پروانوں اور تسلیم ورضا کے پیکروں نے بے دھڑک جواب دیا کہ تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے وہ کر گزر۔ آخر ہم نے اپنے پروردگار

کی بارگاہ میں جانا ہے۔ پھر بارگاہ رب العزت میں یوں دعا کی۔

اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر انڈیل دے اور اس حالت پر ہمیں وفات دے کر ہم مسلمان ہوں۔ یعنی ہمیں حق پر ثابت قدم رکھ قابل دید و داد ہے یہ بات کہ ایمان لانے کے بعد ان کے اندر کس قدر جرأت و طاقت اور بے باکی پیدا ہوگئی ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق طاقت ہے۔ طاقت حق نہیں ہے۔

آئین جو ان مردی ان حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ آیا فرعون نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ بھی پہنایا یا نہ؟

مشہور یہی ہے کہ اس شقی نے اسی دن اس سزا پر عمل درآمد کر دیا تھا اور ان کے ہاتھ و پاؤں کاٹ کر نہر مصر کے کنارے کھجور کی شاخوں پر انہیں سولی دے دی تھی۔ **کانوا اول النہار کفاراً سحرۃ و آخر النہار شھداء ابررۃ** اسی لئے کہا گیا کہ یہ لوگ اگلے پہر کافر اور جادوگر تھے۔ اور پچھلے پہر شہید اور نیکوکار تھے (مجمع البیان)

اور ایک قول یہ ہے کہ خدائے قدیر نے ان کو اس سزا سے بچا لیا تھا (مجمع البیان) واللہ العالم

آیات القرآن

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۬ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

ترجمۃ الآیات

قوم فرعون کے سرداروں نے کہا! کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کے آدمیوں کو چھوڑے رکھے گا کہ وہ ملک میں فساد پھیلاتے رہیں اور تمہیں اور تمہارے معبودوں کو چھوڑتے رہیں۔ اس (فرعون) نے (چین بجبیں ہو کر) کہا ہم عنقریب ان کے لڑکوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم (پوری طرح) ان پر غالب ہیں (۱۲۷) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا! تم اللہ سے مدد طلب کرو۔ اور صبر و تحمل سے کام لو بے شک زمین اللہ کی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام تو پرہیزگاروں کا ہی ہے (۱۲۸) ان لوگوں (بنی اسرائیل) نے کہا ہم آپ کے آنے سے پہلے بھی ستائے جاتے رہے اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ انہوں نے کہا! عنقریب تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں (ان کا) جانشین بنائے گا (تمہیں اقتدار عطا فرمائے گا) تا کہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ (۱۲۹) اور ہم نے فرعونیوں کو قحط اور پھلوں کی پیداوار کی کمی میں گرفتار کیا شاید وہ نصیحت حاصل کریں (۱۳۰)

تفسیر الآیات

۹۲۔ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ ... الآیۃ۔

قبط کے سرداروں کی جناب موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خلاف ریشہ دوانیاں

جب قبط قوم کے سرداروں نے دیکھا کہ سابقہ کھلے مقابلہ میں جناب موسیٰ علیہ السلام کو نمایاں کامیابی ہوئی اور فرعون اور فرعونیوں کو شکست فاش ہوئی ہے تو اس سے وہ بوکھلا گئے اور مزید برآں دیکھا کہ بنی اسرائیل تو خیر جناب موسیٰ علیہ السلام کے گرد جمع تھے ہی اور ان کو سردار بھی ماننے لگے تھے۔ مگر اب تو دوسرے لوگوں میں بھی روز بروز ان کا اثر و رسوخ بڑھ رہا ہے اور لوگ ان کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ تو

انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں تشویش لاحق ہوئی کہ کہیں یہ لوگ ان کیلئے بھی خطرہ ثابت نہ ہوں اس لیے انہوں نے فرعون کوان لوگوں کے خلاف کوئی سخت اقدام کرنے پر یوں آمادہ کیا۔؟ کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یونہی آزاد چھوڑے رکھے گا؟ تاکہ وہ زمین میں فساد برپا کریں۔اور آپ کواور آپ کے خداؤں کو چھوڑ دیں ۔اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بے دینوں کی نظر میں فرعون اور اس کے خداؤں کی پرستش کو چھوڑ کر خدائے واحد و یکتا کی بندگی و پرستش کرنا فساد تھا۔ بہر حال اس طرح مختلف حربوں اور لطائف الحیل سے وہ فرعون کو اپنی سابقہ روش و رفتار اختیار کرنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جو اس نے جناب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے اپنا رکھی تھی کہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرا دیتا تھا اور بچیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ اس وقت وہ نجومیوں کے اس کہنے پر کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جو تیری سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا۔ ایسا کرتا تھا اور اب ان کے اثر و نفوذ سے ڈر کر ایسا کرنا چاہتا تھا تاکہ رفتہ رفتہ اس قوم کا خاتمہ ہو جائے اور وہ کسی وقت اس کے لیے کسی خطرہ کا باعث نہ بن سکیں۔

ایک سوال کا جواب

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ایک سوال کا جواب دینا مناسب ہوگا اور وہ یہ ہے کہ جب خود فرعون کھلم کھلا کہتا تھا "مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِي" (سورہ قصص......۳۸) میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی الٰہ و خدا نہیں جانتا۔تو پھر قوم کے سرداروں نے اسے یہ کہہ کر کس طرح بھڑکایا۔ کہ موسیٰ اور اس کی قوم تمہیں اور تمہارے خداؤں کو چھوڑنا چاہتے ہیں اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون بھی کچھ خود ساختہ خداؤں کی پوجا پاٹ کرتا تھا۔اور اس کے بھی کوئی دیوی دیوتا تھے۔اس سوال کے مورخین نے مختلف جوابات دے ہیں منجملہ ان کے ایک جواب یہ ہے کہ فرعون پہلے بت پرست تھا اس کے بعد اس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا (تفسیر قمی)

دوسرا جواب یہ ہے کہ فرعون اپنے آپ کو مصریوں کے سب سے بڑے دیوتا یعنی سورج کا اوتار سمجھتا تھا اس لیے بیک وقت اس کی حیثیت مصریوں کے بادشاہ کی بھی تھی اور ان کے بڑے دیوتا کا مظہر اور اوتار ہونے کے سبب سے انکار ب اعلیٰ ہونے کی بھی تھی (تدبر القرآن)

۹۳۔ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ... الآیۃ

(حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ سے مدد مانگنے اور صبر کرنے کی تلقین کرتے ہیں) جب جناب موسیٰ علیہ السلام کو فرعون و فرعونیوں کے اس جارحانہ منصوبہ کا علم ہوا۔ تو انہوں نے قوم کو اللہ سے مدد طلب کرنے

اور مشکلات ومصائب پر صبر وضبط سے کام لینے کی تلقین فرمائی جیسا کہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر مشکلات پر قابو پانے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے یہی دو ہتھیار استعمال کرنے کی تاکید کی گئی ہے بے شک صبر وسیلہ ظفر ہے۔۔ ہرگز نہ گھبراؤ۔ زمین فرعون اور اس کی قوم کی نہیں ہے بلکہ اللہ کی ہے وہ اس عالم اسباب میں تکوینی عدل واسباب کے تحت جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور آخرت کی کامیابی اور اچھا انجام تو بہر حال پرہیز گاروں ہی کے لیے ہے۔ دینوی تسلط تو کبھی دوسروں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن اخروی کامیابی کا دارومدار تو تقویٰ پرہیز گاری پر ہے۔

اس دینوی اقتدار وتسلط کی بحث کہ اس میں قانون قدرت کیا ہے؟ اور کس طرح اس کے عادی علل واسباب ہیں کہ جوان کو عمل میں لائے وہ اقتدار پر قابض ہوسکتا ہے اور پھر اس کی نسبت خدا کی طرف کس طرح مجازی ہے سورہ آل عمران کی آیت قل اللھم مالك الملك کی تفسیر کے ذیل میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے گرد وپیش کے حالات سے آنکھیں بند کر کے اگر صرف حصول اقتدار کو کسی صاحب اقتدار کی حقانیت کی دلیل قرار دیا جائے تو پھر یہ اقتدار تو کبھی کبھار کفار و مشرکین کو بھی حاصل ہو جاتا ہے تو کیا اس اقتدار کو بھی منجانب اللہ ان کی حقانیت کا ثبوت سمجھا جائے گا۔ مالکم کیف تحکومن؟

۹۴۔ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا... الآية۔

بنی اسرائیل کی بے یقینی

بنی اسرائیل نے کچھ اپنی بے یقینی اور کچھ حالات کی ستم ظریفی کی وجہ سے کیونکہ عرصہ دراز سے فرعون کے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کی اس تعلیم وتلقین کا کوئی زیادہ خوشگوار اثر نہ لیا۔ بولے کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم فرعون کے مظالم کا نشانہ بنے رہے اور اب بھی ستائے جارہے ہیں ہمارے لڑکے قتل کر دیے جاتے تھے اور لڑکیوں کو کنیز بنا لیا جاتا تھا۔ اور اب پھر اسی سابقہ روش کے دھرانے کا اعلان کیا جارہا ہے۔

۹۵۔ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ... الآية

آپ نے ان کی اس گھبراہٹ کا ازالہ بھی بڑے اطمینان بخش طریقہ سے کیا کہ ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: عنقریب خدا تمہارے دشمنوں کو ہلاک و برباد کرے گا اور تمہیں ان کے مال و جائیداد اور زمین کا جانشین

بنائے گا۔ تاکہ وہ دیکھے کہ تم اس خلافت و جانشینی اور اقتدار کے حاصل ہونے کے بعد کس طرح عمل کرتے ہو اور اس کی عبادت و اطاعت کا حق کس طرح ادا کرتے ہو؟ اور کیا رویہ اختیار کرتے ہو؟

۹۶۔ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ... الآیۃ۔

سنت اللہ یہ ہے کہ وہ کبھی سختی اور کبھی آسائش سے امتحان لیتا ہے

اسی سورہ کی آیت نمبر ۹۴ کی تفسیر میں اور قبل ازیں سورہ انعام کی آیت نمبر ۴۳ تا ۴۵ تک کی تفسیر میں یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ خدا کی سنت یہ ہے کہ خدا کسی بھی قوم پر خواہ جس قدر کافر و مشرک اور بدکردار و ناہنجار ہو فوراً عذاب استیصال نازل نہیں کرتا۔ بلکہ اسے کبھی سختی اور تکلیف سے اور کبھی راحت و آرام سے راہ راست پر لانے، رسولوں کی دعوت قبول کرنے اور اپنے کفر و عصیاں سے تائب ہونے کا موقع دیتا ہے۔ اور اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم ان پر حجت تو تمام ہو جائیگی۔ چنانچہ خدا نے اپنی اسی سنت جاریہ کے مطابق پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور فرعونیوں کے انکار کے بعد ان پر عذاب نازل کر کے ان کا قلع قمع کرنے سے پہلے قحط اور برآمدات میں کمی کی آزمائش میں مبتلا کیا تا کہ شاید ان کے اندر خوف خدا پیدا ہو اور اپنے گناہوں سے تائب ہو کر اس کی چوکھٹ پر جبین نیاز جھکا دیں۔ پھر نعمتوں کی فراوانی سے نوازا تا کہ اس کا شکریہ ادا کر سکیں مگر جب ہر آزمائش بے فائدہ ثابت ہوئی اور حجت تمام ہو گئی۔ تو خدائے قہار نے ان کو دریائے نیل میں غرق کر کے تباہ و برباد کر دیا اور ان کا نام و نشان مٹا دیا۔

ان سختیوں کی تفصیل جن سے خدا نے فرعونیوں کو پکڑا تھا؟

اور وہ چند چیزیں تھیں۔ ۱۔ قحط سالی۔ سنین سنہ کی جمع ہے جس کے معنی تو سال کے ہیں لیکن یہاں قحط سالی کے معنی میں استعمال ہوا ہے عرب کہتے ہیں انہیں قحط سالی نے آ پکڑا۔ ۲۔ پھلوں کی پیداوار میں کمی وہ سرزمین مصر جہاں خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا بارشیں برستی تھیں اور نہریں جاری تھیں اچانک خشک سالی اس طرح مسلط ہو گئی کہ بارشوں کا سلسلہ بند ہو گیا اور نہریں خشک ہو گئیں۔ جس کا لازمی نتیجہ قحط سالی کی صورت میں نکلنا تھا۔ تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ باقی تفصیل آیت ۱۳۳ میں آ رہی ہے۔

آیات القرآن

فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا
بِمُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا
يَعۡلَمُوۡنَ ﴿١٣١﴾ وَقَالُوۡا مَهۡمَا تَاۡتِنَا بِهٖ مِنۡ اٰيَةٍ لِّـتَسۡحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحۡنُ لَـكَ
بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿١٣٢﴾ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَالۡجَـرَادَ وَالۡقُمَّلَ
وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا
مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿١٣٣﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيۡهِمُ الرِّجۡزُ قَالُوۡا يٰمُوۡسَى ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا
عَهِدَ عِنۡدَكَ ۚ لَـئِنۡ كَشَفۡتَ عَنَّا الرِّجۡزَ لَـنُؤۡمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرۡسِلَنَّ
مَعَكَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ﴿١٣٤﴾ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الرِّجۡزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمۡ
بٰلِغُوۡهُ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ ﴿١٣٥﴾

ترجمۃ الآیات

(مگر ان کی حالت یہ تھی کہ) جب خوش حالی آتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارا حق ہے اور جب بد حالی آتی تو اسے موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست اور فال بد قرار دیتے۔ حالانکہ ان کی نحوست اور بدشگونی خدا کے ہاں ہے لیکن اکثر لوگ (یہ حقیقت) جانتے نہیں ہیں (۱۳۱) اور انہوں نے (موسیٰ سے) کہا تم جو بھی نشانی (معجزہ) ہمارے سامنے لے آؤ اور اس سے ہمیں مسحور کرنا چاہو ہم پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے (۱۳۲) پھر ہم نے بھیجا ان پر عذاب، طوفان، ٹڈی دل، جوؤں، مینڈکوں اور خون (کی صورت میں) یہ کھلی ہوئی نشانیاں تھیں مگر وہ پھر بھی تکبر اور سرکشی ہی کرتے رہے اور وہ بڑے ہی مجرم لوگ تھے۔ (۱۳۳) اور جب کبھی ان پر کوئی عذاب نازل ہوتا تو کہتے اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے

پروردگار سے دعا کرو۔ جس کا اس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اگر تم نے یہ عذاب ہم سے ٹلوا دیا۔ تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے (۱۳۴) تو جب ہم وہ عذاب ایک مقررہ مدت تک ہٹا دیتے جس تک وہ بہرحال پہنچنے والے تھے۔ تو وہ اپنے کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑ دیتے (۱۳۵)۔

تفسیر الآیات

۹۷ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ... الایۃ

ان سختیوں کے وقت فرعون اور فرعونیوں کا ردعمل

خدا نے ان کو سختی اور تکلیف میں اس لیے مبتلا کیا تھا کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں اور نعمات و نوازشات سے اس لیے نوازا تھا کہ منعم حقیقی کو پہچانیں اور اس کا شکریہ ادا کریں۔ مگر فرعون اور فرعونیوں کا تمرد و سرکشی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ جب ان کے حالات سازگار ہوتے اور نعمات کی بارش برستی تو اسے اپنے استحقاق کا نتیجہ قرار دیتے کہ یہ ہماری وجہ سے ہے یہ ہمارا حق ہے اور جب کسی ارضی و سماوی بلا و مصیبت میں گرفتار ہوتے تو اسے جناب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست اور بدشگونی قرار دیتے۔ اور کہتے یہ تکلیف ان کی وجہ سے پہنچی ہے کیونکہ ان کی دعوت اور تبلیغ کی وجہ سے دیوتا ناراض ہو گئے۔

اسلام میں شگون بد لینے کا کوئی تصور نہیں ہے

کافر و مشرک قوموں میں شگون بد لینے کی رسم بد قدیم زمانہ سے جاری ہے۔ جسے عربی میں ''تطیر'' کہا جاتا ہے یہ لوگ جب کسی کام کے لیے گھر سے نکلتے اور کوئی خاص جانور سامنے سے گزر جاتا یا کسی خاص پرندہ کی آواز کانوں میں پڑ جاتی تو یہ توہم پرست لوگ واپس گھر لوٹ جاتے اور کہتے اب کام نہیں ہوگا۔ اسلام نے جہاں اور بہت سی مشرکانہ رسموں رواجوں کی ممانعت کر کے ان کی اصلاح کی وہاں اس غلط رسم کی بھی بانی اسلام نے یہ کہہ کر بیخ کنی کی ہے ''لاطیرۃ فی الاسلام'' اسلام میں شگون نہیں ہے۔ (مجمع البحرین و انوار اللغۃ)

اور انہوں نے اپنی سرکشی سے جناب موسیٰ علیہ السلام سے یہاں تک کہہ دیا کہ جس قدر معجزے ہمارے سامنے لانا چاہو اور اس کے ذریعہ سے ہم پر جادو کرنا چاہو ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ واہ رے بد

نصیبی و بد قسمتی۔

۹۸ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ... الآية۔

فرعونیوں کے تعصب وعناد کی وہ سزا جو خدا نے دنیا میں ان کو دی

جن بلاؤں اور تکلیفوں سے خدا نے ان کی آزمائش کی ان میں سے دو کا ذکر تو اوپر ہو چکا اب یہاں پانچ اور آفتوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

۱۔ طوفان باد و باران جس سے فصلیں غرق آب ہوگئیں اور مویشی مر گئے۔

۲۔ **جراد**۔ بارشوں کے فطری نتیجہ میں بے شمار ٹڈی پیدا ہوگئی جو باقیماندہ فصلوں کو چٹ کر گئی۔

۳۔ **قمل**۔ جس کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی جوئیں بھی ہیں اور دوسرے معنی چھوٹی مکھیاں بھی نیز اس سے مراد وہ گھن بھی ہوسکتا ہے جو گندم وغیرہ کو لگتا ہے نیز اس کے معنی پسو بھی ہیں۔ الغرض جوؤں۔ مکھیوں اور پسوؤں نے ان کو اس قدر بدنی تکلیف پہنچائی کہ ان کا جینا حرام کر دیا۔

۴۔ **ضفادع**۔ یہ ضفادی جمع ہے جس کے معنی مینڈک کے ہیں بارشوں کے نتیجہ میں مینڈک اس قدر پیدا ہوگئے کہ گھروں میں مینڈک، گلیوں کوچوں میں مینڈک کھانے پینے کے برتنوں میں مینڈک۔ خلاصہ یہ کہ ہر طرف مینڈک ہی مینڈک انہوں نے ان کا ناک میں دم کر دیا۔

۵۔ **دم**۔ یعنی لہو۔ یہ عذاب اسطرح نازل ہوا کہ ان کا پانی لہو بن جاتا وہ پینے کے لیے برتنوں میں پانی بھرتے اور وہ لہو بن جاتا اور ہر چیز خونو خون ہو جاتی تھی۔

۹۹۔ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ... الآية۔

فرعونیوں کی عہد شکنی

تاریخ بھی شاہد ہے اور خود قرآن بھی خبر دے رہا ہے کہ ان پانچ عذابوں میں سے جب بھی ان لوگوں پر کوئی عذاب نازل ہوتا اور ان کو اس سے بچنے کا کوئی راستہ اور وسیلہ نظر نہ آتا تو ہر طرف سے مایوس ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کہتے کہ اپنے پروردگار سے کہیں کہ وہ اس عذاب کو دفع کرے ہم آپ پر بھی ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ روانہ کر دیں گے چنانچہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی دعا و استدعا سے جب وہ عذاب ٹل جاتا تو وہ اپنے وعدہ سے منحرف ہو جاتے پھر دوسرا عذاب نازل ہو جاتا اور

وہ پھر بدستور بارگاہ موسیٰ میں حاضر ہو کر سابقہ عہد و پیمان کرتے اور جب وہ بلا بھی ٹل جاتی تو پھر ایفاء عہد سے مکر جاتے انجام کار جب پانچویں بار بھی ایسا ہی کیا تو پھر مہلت کی مدت ختم ہوگئی اس لیے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خدائے جبار نے انہیں بحر قلزم میں غرق کر دیا اور ان کا قلع قمع کر دیا اور یہ عذاب استیصال ان کی آیات الٰہیہ کی پیہم تکذیب اور ان کی مسلسل غفلت کی وجہ سے نازل ہوا۔

آیات القرآن

فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ فِى الۡيَمِّ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا
عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِيۡنَ كَانُوۡا يُسۡتَضۡعَفُوۡنَ مَشَارِقَ
الۡاَرۡضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا ؕ وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ الۡحُسۡنٰى
عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۙ بِمَا صَبَرُوۡا ؕ وَدَمَّرۡنَا مَا كَانَ يَصۡنَعُ فِرۡعَوۡنُ
وَقَوۡمُهٗ وَمَا كَانُوۡا يَعۡرِشُوۡنَ ﴿۱۳۷﴾ وَجٰوَزۡنَا بِبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الۡبَحۡرَ فَاَتَوۡا
عَلٰى قَوۡمٍ يَّعۡكُفُوۡنَ عَلٰٓى اَصۡنَامٍ لَّهُمۡ ۚ قَالُوۡا يٰمُوۡسَى اجۡعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا
كَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمۡ
فِيۡهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۹﴾

ترجمۃ الآیات

تب ہم نے ان سے اس طرح انتقام لیا کہ انہیں سمندر میں غرق کر دیا۔ کیونکہ وہ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کی طرف سے غفلت برتتے تھے (۱۳۶) اور ان کی جگہ ہم نے ان لوگوں کو وارث (اور مالک) بنایا جن کو کمزور سمجھا جاتا تھا۔ اور وارث بھی اس مشرق و مغرب کا بنایا جس میں ہم نے برکت دی ہے اور اسی طرح آپ کے پروردگار کا وہ اچھا وعدہ پورا ہو گیا جو اس نے بنی اسرائیل سے کیا تھا کیونکہ انہوں نے صبر و ضبط سے کام لیا تھا اور ہم نے اسے مٹا دیا جو کچھ فرعون اور اس کی قوم والے کرتے تھے اور برباد کر دیے

وہ اونچے مکان جو وہ تعمیر کرتے تھے (۱۳۷) اور جب ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے اس پار اتار دیا تو ان کا گزر ایک ایسی قوم سے ہوا جو اپنے (خودساختہ) معبودوں کی پرستش میں مگن بیٹھی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک الہ بنا دیں جیسے ان کے الہٰ ہیں موسیٰ نے کہا تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو (۱۳۸) جس طریقہ پر یہ لوگ ہیں وہ یقیناً تباہ ہو کر رہے گا۔ اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ باطل ہو کر رہے گا (۱۳۹)

تفسیر الآیات

۱۰۰۔ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ... الآیۃ۔

خدائے قدیر کی قدرت اور شان کریمی کا نمونہ

وہ قوم جس کے ختم کرنے کیلئے فرعون اور فرعونیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، جس کو ظلم و جور کی چکیوں میں پیسا گیا۔ جس پر مصائب و شدائد کے کوہائے گراں ڈھائے گئے اور جس کو مدت مدید تک جور و جفا کا تختہ مشق بنایا گیا۔ انجام کار خدا نے اپنے وعدہ کی وفا کرتے ہوئے ان کے دشمن کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا کر اس کمزور و ناتواں قوم کو مشرق و مغرب یعنی شام و مصر کی زمام حکومت عطا فرمائی اور یہ سب کچھ قانون قدرت، مکافات عمل اور آئین فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہوا۔ فرعونی غرق ہوئے تو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اور بنی اسرائیل کے حق میں خدا کا وعدہ سچا ہوا اور ان کو حکومت ملی تو ان کے صبر و ضبط کی وجہ سے۔

سچ ہے ؎

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

کما تدین تدان یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

کیونکہ ؎

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

بہرنوع یہ قانون قدرت ہے کہ ظالم قومیں جن مظلوم قوموں کو حقیر اور کمزور سمجھتی ہیں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہی کمزور و ناتواں قومیں شاہی اور جہانداری کی وارث ہو جاتی ہیں۔ ذلك تقدير العزيز

العلم۔

۱۰۱۔ وَجَاوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ... الآیۃ۔

مصر چھوڑنے کے بعد بنی اسرائیل کی سرگزشت

بنی اسرائیل جو دنیا کی بدترین اکھڑ مزاج قوم تھی۔ جس کی ناسپاس گزاریوں اور ناشکریوں اور اکھڑ مزاجیوں کی حکایات سے نہ صرف اوراق تاریخ بلکہ پورا قرآن جھلک رہا ہے مگر خدائے کریم ورحیم نے ان پر نظر عنایت فرمائی، بہر حال اب تک اس قوم کی تاریخ کا وہ حصہ بیان ہوا ہے۔ جس کا تعلق حکومت مصر اور فرعون وفر عونیوں کے ساتھ ہے اور اس دور میں خداوند عالم نے ان کے دشمن کو تباہ و برباد کر کے اور ان کو ان کی زمین و جائیداد کا وارث بنا کر جس شان کریمی اور بندہ نوازی کا مظاہرہ فرمایا۔ آپ سابقہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں جو عیاں راچہ بیاں کا مصداق ہے۔ اب یہاں سے بنی اسرائیل کی زندگی کا وہ دور شروع ہو رہا ہے جو مصر چھوڑنے ، دریا پار کرنے کے بعد والی زمین سے متعلق ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس دور میں کس طرح قدم قدم پر خدا نے ان کی نصرت اور راہنمائی فرمائی ہے۔ اور انہوں نے کس طرح قدم قدم پر ناشکری کی ہے اور ٹھوکر کھائی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا میں عصا مارا۔ دریا پھٹ گیا۔ فرعون اور فرعونی ہلاک و برباد ہو گئے مگر بنی اسرائیل سلامتی کے ساتھ دوسرے کنارے پہنچ گئے۔

یہ قافلہ اب جزیرہ نمائے سینا کے جنوب کی طرف روانہ ہوا اور وہاں منفقہ یارقہ شہر کے پاس سے گزر ہوا۔ جس کے لوگ اپنے بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے تھے۔ یہ منظر دیکھتے ہی بنی اسرائیل نے خدا کی ان نعمتوں کا شکرانہ اس طرح ادا کیا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ داغ دیا کہ ہمارے لیے بھی اسی طرح کا ایک دیوتا بنائیں جسطرح ان کے پاس دیوتا ہیں۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس احمقانہ اور جاہلانہ مطالبہ کے جواب میں فرمایا تم بڑے ہی جاہل اور بے عقل ہو۔ یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں چونکہ یہ بالکل غلط اور باطل ہے لہٰذا یہ خدا کے ہاں بالکل برباد ہو جائے گا۔ تمہارے ساتھ یہ لطف و کرم خدا نے کیا، تمہارے دشمن کو ہلاک خدا نے کیا، تمہیں اس کے پنجۂ ظلم و استبداد سے نجات خدا نے عطا فرمائی اور زمین کا وارث خدا نے تمہیں بنایا۔ اور تم شکرانہ نعمت یہ ادا کر رہے ہو کہ اسے چھوڑ کر اور اس سے منہ موڑ کر اور معبود ڈھونڈ رہے ہو؟ ہے اس ناشکرو ناسپاس گزاری کی کوئی حد؟

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

آیات القرآن

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ
اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ
اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ
رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ
وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

ترجمۃ الآیات

کہا۔ کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی (اور) خدا تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں تمام جہانوں کی قوموں پر فضیلت دی (۱۴۰) اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات عطا کی۔ جو تمہیں بدترین عذاب کا مزہ چکھاتے تھے تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی (۱۴۱) اور ہم نے موسیٰ سے (تورات دینے کے لئے) تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا اور اسے مزید دس (راتوں) سے مکمل کیا۔ اس طرح ان کے پروردگار کی مدت چالیس راتوں میں پوری ہوگئی اور جناب موسیٰ نے (کوہ طور پر جاتے وقت) اپنے بھائی ہارون سے کہا۔ تم میری قوم میں میرے جانشین بن کر رہو۔ اور اصلاح کرتے رہو اور (خبردار) مفسدین کے راستہ پر نہ چلنا۔ (۱۴۲)

تفسیر الآیات

۱۰۲۔ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ ...الآية۔

سورہ بقرہ کی آیت ۴۷ کی تفسیر میں عالمین پر بنی اسرائیل کی فضیلت کے صحیح مفہوم کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی زجر و توبیخ کرتے ہوئے ان سے فرما رہے ہیں کہ تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایسے رحیم و کریم پروردگار کو جس نے میرے اور تمہارے ساتھ یہ احسانات کئے ہیں چھوڑ کر کوئی اور خدا تلاش کروں؟ حاشا کہ رسم وفا چنین لود۔ اور ایسا نہ ہونا ہے، نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہوگا،

۱۰۳۔ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ ...الآية۔

ان امور کی وضاحت سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۹ میں گذر چکی ہے جو بالکل اس جیسی ہے۔ اور اس آیت میں انہی احسانات وواقعات کا تذکرہ ہے جو یہاں مذکور ہے۔ لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے اعادہ وہ تکرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۱۰۴۔ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ ...الآية۔ ۱۱۰

اس آیت مبارکہ کی تفسیر بھی قبل ازیں سورۃ بقرہ کی آیت ۵۱ میں گذر چکی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ فرعون وفرعونیوں کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کے سلامت واپس پہنچ جانے کے بعد خدا نے جہاں ان کو کتاب تورات اور شریعت عطاء کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ خدا نے اس کیلئے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تھا اور یہاں یہ مذکور ہے کہ یہ وعدہ پہلے (ذی القعدہ) کی تیس راتوں کا تھا۔

بعد ازاں اس میں بداء واقع ہوگئی اور ان میں ذوالحجہ کی دس راتیں شامل کر کے انہیں چالیس راتیں قرار دے دیا گیا۔ اس طرح یہاں ان چالیس راتوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور وہاں دونوں میعادوں کا مجموعہ بیان کیا گیا ہے۔ نیز وہاں عقیدہ بداء کی بھی بقدر ضرورت وضاحت کر دی گئی ہے لہٰذا اسے معلوم کرنے کیلئے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۰۵۔ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ ...الآية۔

باوجودیکہ قرآن سے ثابت ہے کہ جناب ہارون نبی تھے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے **وجعلنا معه هارون نبیا**۔ تو پھر جناب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کس طرح فرمایا کہ تم میری عدم موجودگی میں میری جانشینی کرو؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جانشینی صرف انتظامی امور میں تھی۔ اسی لئے انہیں ضروری ہدایات دی تھیں کہ اصلاح احوال کرتے رہنا اور اگر قوم کے کچھ لوگ میری عدم موجودگی میں کوئی فتنہ وفساد کھڑا کریں تو آپ ان کا ساتھ نہ دینا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر چہ وہ نبی تھے۔ مگر منصب رسالت میں جناب موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے۔

اور دوسرا جواب وہ ہے جو علامہ طبرسی نے دیا ہے کہ جناب ہارون بنص قرآن نبی تو تھے۔ مگر انہیں عہدہ امامت حاصل نہ تھا۔ یعنی وہ انتظامی امور میں قوم کے سربراہ نہ تھے بلکہ یہ منصب جناب موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا اس لیے کوہ طور پر تشریف لے جاتے وقت یہ منصب ان کے تفویض فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت لازمۂ نبوت نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ ہر نبی امام بھی ہو، بلکہ یہ منصب خاص خاص انبیاء کو حاصل ہوتا ہے ان حقائق کی روشنی میں اگر متفق علیہ حدیث "یا علی انت منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ" پر نگاہ ڈالی جائے۔ تو اس سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت وخلافت روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کیونکہ جناب ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو منزلیں حاصل تھیں۔ ایک نبوت والی اور دوسری امامت و خلافت والی۔ تو جناب پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے نبوت والی منزلت کی تو نفی کردی ہے۔ تو اس سے لازماً منزلت خلافت وامامت ثابت ہوجاتی ہے اور واضح ہوجاتا ہے کہ آپ پیغمبر اسلامؐ کے خلیفہ بلافصل ہیں

اس موضوع کی تمام تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب اثبات الامامت کی طرف رجوع فرمائیں۔

آیات القرآن

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ
قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ
تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ
اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى
اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ
وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً

وَّتَفۡصِيۡلًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ‌ ۚ فَخُذۡهَا بِقُوَّةٍ وَّاۡمُرۡ قَوۡمَكَ يَاۡخُذُوۡا بِاَحۡسَنِهَا‌ ؕ سَاُورِيۡكُمۡ دَارَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب جناب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آ گئے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا۔ تو انہوں نے کہا پروردگار! مجھے اپنا جلوہ دکھا تا کہ میں تیری طرف نگاہ کر سکوں ارشاد ہوا تم مجھے کبھی نہیں دیکھ سکو گے۔ مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اگر یہ (تجلی حق کے وقت) اپنی جگہ پر برقرار رہا تو پھر امید کرنا کر مجھے دیکھ سکو گے پس جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ غش کھا کر گر گئے۔ اور جب ہوش میں آئے تو بولے پاک ہے تیری ذات! میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں (کہ تو نظر نہیں آتا) (۱۴۳) ارشاد ہوا اے موسیٰ! میں نے تمہیں اپنی پیغمبری اور ہمکلامی کیلئے تمام لوگوں سے منتخب کیا ہے پس جو چیز (توراۃ) میں نے تمہیں عطا کی ہے اسے لو اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ (۱۴۴) اور ہم نے موسیٰ کیلئے ان تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی ہے۔ پس اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتوں کو لے لیں (اس کے احکام پر کاربند ہو جائیں) میں عنقریب تم لوگوں کو نافرمان لوگوں کا گھر دکھا دوں گا (۱۴۵)

تفسیر الآیات

۱۰۶۔ قَالَ رَبِّ اَرِنِىۡۤ...الآیۃ۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب جناب موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ خدا قابل رویت ہے تو پھر دیدار الٰہی کا سوال کیوں کیا اور کیوں کہا رب ارنی؟ اس سوال کے مختلف جوابات دے گئے ہیں جو کہ مجمع البیان وغیرہ

مفصل ومطول کتب تفسیر میں مذکور ہیں مگر اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اکھڑ مزاج قوم کے تقاضائے رویئت باری اور اس پر اصرار سے مجبور ہو کر یہ سوال کیا تھا۔ جس کی تفصیل سورۃ بقرہ کی آیت ۵۵ میں گزر چکی ہے۔ ''اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً'' (اے موسیٰ! ہم اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائینگے جب تک ظاہر بظاہر (اعلانیہ) خدا کو نہ دیکھ لیں۔

چنانچہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے مجبور ہو کر اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب کئے اور ان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ اور یہ سوال کیا۔ تو خداوند عالم نے صاف صاف فرمایا۔ کہ ''لن ترانی'' (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) پھر فرمایا پہاڑ کی طرف دیکھو اگر یہ (تجلی ربانی کے وقت) اپنی جگہ پر برقرار رہ گیا تو پھر مجھے دیکھ سکو گے؟ یہ ہے تعلیق الامر علی المحال کسی چیز کو کسی محال اور ناممکن بات پر معلق کرنا۔ کہ اگر وہ (ناممکن کام) ہو گیا تو یہ بھی ہو جائیگا۔ مطلب یہ ہے کہ نہ وہ ہوگا اور نہ یہ ہوگا جیسے ارشاد قدرت ہے: ''وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ'' (سورہ اعراف...... ۴۰) کافر ومشرک اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل نہیں ہو جائیگا۔

مطلب یہ کہ نہ وہ ہوگا۔ اور نہ یہ ہوگا۔ کیونکہ تجلی ربانی کے وقت پہاڑ کا اپنی جگہ قائم رہنا ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ جب رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا (وہ چور وچور ہو گیا)۔ اور جناب موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر گئے۔ اور قوم کے جو ستر آدمی ہمراہ لائے تھے۔ وہ موت کی آغوش میں ابدی نیند سو گئے چنانچہ جناب موسیٰ علیہ السلام کو جب غش سے افاقہ ہوا تو دو باتیں کہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ ''سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ''۔ تو (نظر آنے سے) پاک و پاکیزہ ہے میں (قوم کے احمقانہ تقاضا سے مجبور ہو کر یہ سوال کرنے سے) توبہ کرتا ہوں۔ اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں (کہ تیری رویئت ناممکن ہے اور تو کبھی نظر نہیں آ سکتا)

۲۔ دوسری یہ کہ ''اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا'' اے پروردگار! کیا ہمارے احمقوں کے فعل کی وجہ سے تو ہمیں ہلاک کریگا؟ (سورہ اعراف...... ۱۵۵)۔

اس بات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے یہ سوال انہی احمقوں کے اصرار سے مجبور ہو کر کیا تھا۔ صاحب مجمع البیان۔ نے بھی اسی جواب کو اقویٰ کہا ہے۔ بہر حال اس وقت ارشاد قدرت ہوا۔ (اے موسیٰ! میں نے تمہیں تمہاری امت کے تمام انسانوں سے اپنی پیغمبری اور اپنے کلام کے لیے منتخب کیا ہے سو جو کچھ میں نے تمہیں عطا کیا ہے وہ لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ) اب رہی اس بات کی تحقیق کہ خدا نے وہ تجلی

کس طرح ڈالی؟ مختلف مفسرین نے مختلف نظریے اختیار کئے ہیں چنانچہ۔

(۱) بعضوں نے کہا ''جو حجاب نور خداوندی کو نظر خلائق سے محجوب کئے ہوئے ہیں وہ قدرے مرتفع کر دے گئے۔ (تفسیر ماجدی)

(۲) بعضوں نے کہا جب نور الٰہی کی ایک کرن کوہ طور پر جلوہ طراز ہوئی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا (ضیاء القرآن)

(۳) چونکہ خدا جسم و جسمانیات سے منزہ و مبرا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ اس نے اپنے نور کی ایک کرن دکھائی یا یہ کہ اس کے نور کے آگے سے حجاب ہٹائے گئے یہ سب باتیں اس کی شان خداوندی کے خلاف ہیں۔ لہٰذا درج ذیل معنوں میں سے کوئی ایک معنیٰ کرنا پڑے گا (الف) یہاں مضاف محذوف ہے یعنی تجلی امر ربہ۔ جب موسیٰ کے رب کے امر نے تجلی ڈالی یعنی خدا نے اپنی قدرت کاملہ کا ادنیٰ کرشمہ دکھایا۔

(ب)۔ اپنے عرش الٰہی کا تھوڑا سا جلوہ دکھایا۔

(ج)۔ اپنے اس نور کی تجلی ڈالی جو نور اس کا مخلوق ہے (مجمع البیان)

بہر حال ان تمام باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا ہو یا آخرت ان حواس خمسہ سے خدا کا مشاہدہ اور دیدار الٰہی ممکن نہیں ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں انسان اپنے حواس کے ذریعہ ذات باری کا مشاہدہ و ادراک نہیں کر سکتا۔ اور اس راہ میں معرفت کا منتہی مرتبہ یہ ہے کہ عجز و نارسائی کا اعتراف کیا جائے (ترجمان القرآن)

لہٰذا بعض لوگوں کا اپنے مذہب کی لج رکھنے کی خاطر یہ کہنا کہ خدا دنیا میں تو نظر نہیں آ سکتا مگر آخرت میں اہل ایمان اس کے جمال با کمال کا مشاہدہ کریں گے۔ بالکل غلط ہے اور یہ دنیا و آخرت کی تفریق بے جواز ہے۔ جب خدا نے ''لن ترانی'' (تو کبھی مجھے نہیں دیکھ سکے گا) کہہ دیا اور یہ حرف نفی ابدیت کے لیے ہے اور اسمیں مستقبل کا ہر دور داخل ہے اور عقل کا فیصلہ ہے کہ جو چیز جسم و جسمانیات اور جہت و سمت سے منزہ ہو وہ کبھی نظر نہیں آ سکتی، جناب موسیٰ علیہ السلام کا سوال رؤیت پر غش کھا کر گرنا اور افاقہ کے بعد یہ کہنا کہ ''پاک ہے تیری ذات''۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ رویت خدا کے شایان شان نہیں ہے اور آخر میں جناب موسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں کہ خدا نظر نہیں آتا۔ ان حقائق کی روشنی میں ؂

حیران ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں ؟

الغرض

ہر چہ ہست از قامت ناسازو بے اندام ما

افادۂ جدیدہ

اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جن جوگیوں اور صوفیوں نے مشاہدہ ذات الٰہی کو معرفت کا درجہ کمال قرار دیا ہے اور اس کو نصب العین بنایا ہے انہوں نے اپنا گول اپنی رسائی کی حدّود سے بہت آگے بڑھ کر باندھا ہے اور اس کا حاصل خیرگی اور تحیر کے سوا کچھ نہیں ہے یہ ایسا ہی ہے کہ مگس شہباز کے شکار کے لیے نکلے اور وہ ان کا کیا ذکر سب سے زیادہ عالی مقام اور صاحب قرب حضرت جبرئیل ہیں لیکن ان کی رسائی کی بھی ایک حد مقرر ہے وہیں سے وہ انوار وتجلیات سے بہرمند ہوتے ہیں اگر ذرا اس سے آگے قدم بڑھائیں تو۔

اگر ایک سر مو بر تر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

(تدبر القرآن)

۱۰۷۔ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّىْ...الآية۔ ۱۱۳

اس آیت مبارکہ میں ان انعامات الٰہیہ کا مختصر سا تذکرہ کیا گیا ہے جن سے جناب موسیٰ علیہ السلام کو نوازا گیا مثلاً!

۱۔ ان کو ان تمام لوگوں سے جو ان کے عہد وعصر میں تھے پیغامبری کے لیے منتخب کیا گیا۔

۲۔ خدا نے جب بھی کسی نبی سے کلام کیا تو فرشتوں کے توسط سے کیا لیکن جناب موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر براہ راست کلام کیا (یا پھر سرکار مصطفیٰ ؐ سے شب معراج مقام ''قاب قوسین او ادنی'' پر بلا توسط ملک براہ راست کیا) جب شرعاً ہر نعمت پر شکر منعم واجب ولازم ہے اس لیے ارشاد قدرت ہو رہا ہے کہ میں نے تمہیں جو کچھ توراۃ کی شکل میں دیا ہے اسے لے لو اور میرے شکر گزار بندوں میں سے ہو کر رہو۔

۱۰۸۔ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ...الآية۔ ۱۱۴

مشہور یہ ہے کہ توارت پتھر کی دو سلوں پر لکھی ہوئی تھی۔ بنابریں الواح کا لفظ جمع فوق الواحد کے اعتبار سے ہوگا اور بعض آثار کے مطابق وہ دو سے زیادہ سلیں تھیں۔ مشہور یہ ہے کہ عام قسم کے پتھر کی سلیں تھیں مگر بعض آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ زمرد اخضر اور بروایتے یاقوت احمر اور بروایتے لکڑی کی تختیاں تھیں (مجمع البیان)۔

اور پھر یہ بات پردۂ خفا میں ہے کہ ان تختیوں پر جو تحریر تھی آیا وہ خود خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے لکھی تھی؟ یا کسی فرشتہ سے یہ کام لیا تھا۔ یا خود جناب موسیٰ علیہ السلام نے یہ کام کوہ طور پر انجام دیا تھا؟

بہر حال اس چیز کا معلوم کرنا چونکہ ہمارے لیے ضروری نہیں ہے اس لیے ہم اس قسم کی موشگافیاں کرنے میں اپنا اور اپنے قارئین کرام کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ واللہ عالم۔

ان تختیوں میں کیا تھا؟

البتہ جو چیز اہم ہے وہ یہ ہے کہ ان تختیوں میں (وہ جس چیز سے بھی بنی ہوئی تھیں)؟ اور جس نے بھی ان میں لکھا تھا؟ آخر لکھا ہوا کیا تھا؟ ۱۔ ارشاد قدرت ہے **من کل شے موعظہ**۔ ہر طرح کی نصیحت پذیری۔ ۲۔ وتفصیلاً لکل شے۔ اور ہر اس چیز کی تفصیل جس کی بنی اسرائیل کو اپنی رشد ہدایت کے لیے ضرورت تھی از قسم اوامر ونواہی، حلال وحرام نصائح وعبر اور ذکر جنت ودوزخ وغیرہ وغیرہ یہ سب امور کھول کر اس میں بیان کر دیئے گئے تھے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ توراۃ میں دنیا جہان کی ہر چیز تفصیل کے ساتھ لکھ دی گئی تھی۔ کیونکہ توراۃ کتاب ہدایت تھی۔ وہ فلسفہ یا طبیعات یا انفس وآفاق کی کوئی کتاب نہیں تھی۔

۱۰۹۔ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ... الآیۃ۔

لہٰذا آپ خود اسے مضبوط ہاتھوں سے سنبھالیں یعنی پورے عزم بالجزم کے ساتھ اس کی ہدایت پر عمل کریں اور قوم سے بھی کہیں کہ وہ اس کی بہترین باتوں کی پابندی کرے جو سب ہی بہترین ہیں اور مطابق عقل و خرد ہیں پھر صفت التفات کو کام میں لاتے ہوئے پوری قوم کو خطاب کر کے فرمایا۔ کہ میں عنقریب تمہیں فاسقوں (نافرمانوں) کا گھر دکھاؤں گا۔ جو جہنم بھی ہوسکتا ہے اور دنیا میں مصر اور شام کے فراعنہ وعمالقہ کے برباد شدہ محلات ومکانات کے کھنڈرات بھی ہوسکتے ہیں۔ جو اپنے اندر ایک داستانِ عبرت لیے ہوئے تھے۔ ع

کھنڈر بتا رہے ہیں کہ عمارت عجیب تھی

آیات القرآن

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ
يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ

سَبِيۡلًا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الۡغَيِّ يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ
كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ
الۡاٰخِرَةِ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ؕ هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۷﴾
وَاتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰى مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ حُلِيِّهِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ
اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمۡ وَلَا يَهۡدِيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ۘ اِتَّخَذُوۡهُ وَكَانُوۡا
ظٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِىۡۤ اَيۡدِيۡهِمۡ وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ
لَّمۡ يَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَيَغۡفِرۡ لَنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۱۴۹﴾

ترجمۃ الآیات

جو لوگ ناحق خدا کی زمین میں سرکشی کرتے ہیں میں اپنی نشانیوں سے ان کی نگاہیں پھر ادونگا۔ وہ اگر ہر معجزہ بھی دیکھ لیں۔ تو پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھ بھی لیں تو اسے اپنا راستہ نہیں بنائیں گے۔ اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو (فوراً) اسے (اپنا) راستہ بنالیں گے ان کی یہ حالت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں (نشانیوں) کو جھٹلایا اور ان سے غفلت برتتے رہے (۱۴۶) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے پس انہیں جزا یا سزا نہیں دی جائیگی مگر انہی اعمال کی جو وہ (دار دنیا میں) کرتے تھے (۱۴۷) اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (کوہ طور پر چلے جانے کے) بعد اپنے زیوروں سے (ان کو گلا کر) ایک بچھڑے کا پتلا بنالیا جس سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ کیا انہوں نے اتنا بھی نہ دیکھا (نہ سوچا) کہ وہ نہ ان سے بات کرتا ہے اور نہ ہی کسی طرح کی راہنمائی کر سکتا ہے پھر بھی انہوں نے اسے (معبود) بنالیا اور وہ (اپنے اوپر) سخت ظلم کرنے والے تھے (۱۴۸) پھر جب وہ نادم ہوئے اور کف افسوس ملنے لگے اور محسوس کیا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں۔ تو کہنے لگے کہ ہمارے پروردگار نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے (۱۴۹)

تفسیر الآیات

۱۱۰۔ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ ... الآیۃ۔

ایک جبری خیال کا ابطال

جو لوگ زمین میں تکبر اور سرکشی کرتے ہیں اور بغیر حق بڑے بنتے ہیں ان کی نگاہیں اپنی نشانیوں سے پھیر دونگا۔ چونکہ حسب ظاہر اس آیت سے جبر کی بو آتی ہے کہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ایسا کرتا ہے لہٰذا اگر وہ دنیا جہاں کی نشانیاں بھی دیکھ لیں تو پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ایسا نہیں کرتا بلکہ وہ تو ہر ممکن طریقہ سے چاہتا ہے کہ لوگ اپنے ارادہ واختیار سے ایمان لائیں اس لیے اس کی کوئی مناسب تاویل کرنا پڑے گی۔ اور وہ یہ ہے کہ قانون قدرت اور آئین فطرت یہ ہے کہ جو فرد یا قوم خالق فطرت کے مقرر کئے ہوئے قوانین کی مخالفت کرتی ہے۔ اور پھر اس سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے اسے خدا مجازاً اپنی طرف نسبت دے دیتا ہے کہ چونکہ یہ بات قانون قدرت کی مخالفت کا قدرتی نتیجہ ہے تو گویا خدا نے اسے اس حالت تک پہنچایا ہے۔

چنانچہ قانون یہ ہے کہ جب کوئی بندہ سرکشی پر اتر آئے نہ خدا کی بندگی کرے اور نہ اس کے فرستادہ کا حکم مانے۔ بلکہ اپنے بڑے بوڑھوں کی اندھی تقلید کرنے لگ جائے تو اس روش ورفتار کا رفتہ رفتہ نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی مت ماری جاتی ہے اور جس قدر بھی ان کے بھلے کی کوئی بات کی جائے وہ اور بھی شدت سے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ کیونکہ ان میں دلیل وبرہان سے متاثر ہو کر حق کو قبول کرنے کی استعداد ہی باقی نہیں رہتی اور یہ سب کچھ قانون قدرت اور آئین فطرت کی مسلسل خلاف ورزی کرنے کا فطری نتیجہ ہے تو گویا اللہ نے ایسا کیا ہے اور اسی چیز کا نام قرآنی اصطلاح میں

''ختم'' ''خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ''(سورہ بقرہ......۶)

''طبع'' ''بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا''(سورہ نساء......۱۵۵)

اور ''رین'' ''كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ''(سورہ مطففین......۱۴) ہے

ورنہ ظاہر ہے کہ اس اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا نے ان کو بے عقلی کے کام کرنے اور گمراہی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے (العیاذ باللہ)

خلاصہ یہ ہے کہ ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے توفیق ایزدی بھی ان کے شامل حال نہ ہوگی کہ وہ

آیات الٰہیہ کو دیکھ کر ایمان لائیں۔ ونعم ماقیل ؂

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے

اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا؟

جیسا کہ آیت کے آخر میں اس بات کی صراحت موجود ہے، ''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ'' ان کی یہ حالت اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غفلت برتتے رہے۔

ظاہر ہے کہ

خود کردہ را علاجے نیست

۱۱۱۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا ... الآیۃ۔

کفار ومشرکین کے اعمال کے ضائع ہونے کے سبب کی وضاحت

ان لوگوں کے اعمال وعبادات کے ضائع واکارت ہونے کی وجہ بالکل واضح ہے کیونکہ اخروی فوز وفلاح پانے اور انسانی سعی وکوشش کو ثمر آور بنانے کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک ایمان۔ دوسرا عمل صالح۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی عمل صالح تب عمل صالح قرار نہیں پاتا ہے جب تک قانون شرع کے مطابق نہ بجالایا جائے لیکن جب ایمان کی جگہ بے ایمانی آجائے نہ خدا پر ایمان نہ رسولوں پر ایمان اور نہ یوم آخرت پر ایمان اور پھر عمل بھی قانون شرع کے مطابق نہ بجالایا جائے بلکہ اپنی خواہش نفس اور اپنی مرضی کے مطابق غلط سلط بجالائے تو پھر اگر عمل حبط نہیں ہوگا اور رائیگان نہیں جائے گا تو اور کیا ہوگا۔ بھلا جو شخص کسی کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کریگا تو وہ اگر سزا کا مستوجب نہیں ہوگا تو کیا جزا کا مستحق ہوگا؟ آخر میں عذاب وعقاب کی حقیقت یقینی کیسے انداز میں بیان کی گئی ہے کہ ایسے لوگ جو کچھ بدلا پائیں گے وہ انہی کرتوتوں کا ثمرہ ہوگا جو وہ دار دنیا میں کرتے تھے۔

۱۱۲۔ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى ... الآیۃ۔

جناب موسیٰؑ کے کوہ طور پر جانے کے بعد قوم کی گوسالہ پرستی کا تذکرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مناجات کے لیے کوہ طور پر تشریف لے جانے کے بعد سامری نے زیور کی چیزوں

سے یعنی زیورات کو گلا کر بچھڑے کی ایک مورت بنائی جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی۔ یا اس وجہ سے کہ سامری نے اسمیں جبرائیل کے اس گھوڑے کے سموں کے نیچے سے اٹھائی ہوئی خاک ڈالی تھی جس پر سوار ہو کر انہوں نے فرعون اور فرعونیوں کو دریا میں داخل ہونے کی رغبت دلائی تھی یا سامری نے اس کے بنانے میں یہ صنعت گری کی تھی کہ جب اس سے ہوا گزرتی تھی تو اس سے بچھڑے کے ڈکرنے کی طرح بھاں بھاں کی آواز آتی تھی۔ آج کل یہ صنعت باجوں اور کھلونوں میں استعمال کی جاتی ہے اور ان عقل کے اندھوں نے جو ہر ذرا سی عجیب چیز کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ اور عقل و ہوش کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اتنا بھی نہ سوچا کہ اس سے ایک ہی قسم کی آواز کیوں نکلتی ہے اور وہ آدمی سے ہم کلام کیوں نہیں ہوتا اور بات کا جواب کیوں نہیں دیتا اور ہدایت کیوں نہیں کرتا بہر حال پھر سامری نے یہ دعویٰ کیا کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے۔

باوجودیکہ جناب ہارون علیہ السلام نے قوم کو اس شریک جلی سے منع کیا مگر قوم نے ان کی ایک نہ سنی اور اکثریت نے جن کی تعداد کم و بیش ستر ہزار تھی عقل و خرد کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر نہ صرف یہ کہ اسے خدا مان لیا بلکہ اس کی پرستش بھی کرنے لگے ان باتوں کی بقدر ضرورت تفصیل سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر ۵۱ واذواعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ ثم اتخذتم العجل من بعدہ۔ الایۃ کی تفسیر میں گزر چکی ہے لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

واضح رہے کہ لما سقط فی ایدیھم یہ ایک محاورہ ہے جو کسی بات پر ندامت کی شدت اور اضطراب کی حدت ظاہر کرتا ہے۔ جب جناب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس تشریف لائے اور قوم کو اس غلط حرکت پر سرزنش کی تو اب ان کی غفلت کا پردہ چاک ہوا اور اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو پروردگار کے حضور یوں دعا مانگی! اور توبہ کی جس کی تفصیل سورہ بقرہ میں گزر چکی ہیں۔

آیات القرآن

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسٰۤى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِیۡ ۚ اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ رَبِّكُمۡ ۚ وَاَلۡقَى الۡاَلۡوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاۡسِ اَخِیۡهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیۡهِ ؕ قَالَ ابۡنَ اُمَّ اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِیۡ وَكَادُوۡا یَقۡتُلُوۡنَنِیۡ ۫ۖ فَلَا تُشۡمِتۡ بِیَ الۡاَعۡدَآءَ وَلَا تَجۡعَلۡنِیۡ مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِاَخِیۡ وَاَدۡخِلۡنَا فِیۡ رَحۡمَتِكَ ۫ۖ وَاَنۡتَ

اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا ؗ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴿۱۵۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب موسیٰ غضب ناک اور افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کے پاس واپس آئے۔ تو فرمایا! اے قوم! تم نے میرے بعد میری بہت ہی بری جانشینی کی۔ کیا تم نے اپنے پروردگار کا حکم آنے سے پہلے جلد بازی کر لی (وعدہ خداوندی چالیس راتوں کے پورا ہونے کی انتظار بھی نہ کی) اور پھر (للہی جوش میں آخر تورات کی) تختیاں (ہاتھ سے) پھینک دیں اور اپنے بھائی (ہارون) کا سر ہاتھ میں لے کر اپنی طرف کھینچنے لگے انہوں نے کہا اے میرے ماں جائے! قوم نے مجھے کمزور و بے بس کر دیا تھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں پس تم مجھ سے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دو۔ اور نہ ہی مجھے ظالم گروہ کے ساتھ شامل کرو۔ (۱۵۰) تب موسیٰ نے کہا۔ پروردگار! مجھے اور میری بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں میں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (۱۵۱) بے شک جن لوگوں نے گو سالہ کو (اپنا معبود) بنایا۔ عنقریب ان پر ان کے پروردگار کا غضب نازل ہوگا۔ اور وہ دنیاوی زندگی میں ذلیل و رسوا ہوں گے اور ہم بہتان باندھنے والوں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں (۱۵۲) اور جو لوگ برے کام کریں اور پھر توبہ کر لیں۔ اور ایمان لے آئیں تو یقیناً۔ تمہارا پروردگار اس (توبہ و ایمان) کے بعد بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے (۱۵۳)

تفسیر الآیات

۱۱۳۔ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰی... الآیة۔

چونکہ خداوند علیہم نے کوہ طور پر جناب موسیٰ علیہ السلام کوان کی قوم کی اس کارستانی کی اطلاع دے دی تھی جیسا کہ سورۃ طہ میں ارشاد قدرت ہے قال فانا قدفتنا قومك من بعدك واضلهم السامری چنانچہ وہ بڑے غیظ وغضب اور افسوس کی حالت میں واپس لوٹے اور پہلے بڑے سخت لب ولہجہ میں قوم کی لعنت ملامت کی۔ اور اپنے بھائی کا سر ہاتھ میں لے کر اپنی طرف کھینچا مطلب یہ تھا کہ یہ کیا ہوا؟ کیوں ہوا؟ تم نے اس فتنہ کو کیوں سر اٹھانے دیا؟ جناب ہارون نے اپنی صفائی یوں پیش کی۔ کہ میرے ماں جائے! قوم نے مجھے کمزور سمجھ لیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں میں نے منع کیا مگر وہ باز نہیں آئے۔ لہٰذا اس مین میری کیا تقصیر ہے؟ لہٰذا دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں۔ چنانچہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے ان کا یہ معقول عذر قبول کرتے ہوئے اپنے اور اپنے بھائی کے لیے مغفرت کے لیے دعا کی۔ اللهم اغفرلی ولاخی وادخلنافی رحمتك وانت ارحم الراحمين۔

ایک ایراد اور اس کا جواب

کوہ طور سے واپسی پر جناب موسیٰ علیہ السلام و ہارون کے درمیان جو گفتگو ہوئی اور جس انداز میں ہوئی اس کا مختصر تذکرہ سطور بالا میں کر دیا گیا ہے۔ مگر بعض لوگوں نے اتنی سی بات کا افسانہ بنا دیا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے جناب ہارون علیہ السلام کو سر و ریش سے پکڑ کر زور سے کھینچا اور ان کے بال نوچے وغیرہ وغیرہ۔ گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں چند چیزوں کا مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

(الف) دونوں بزرگوار معصوم ہیں اور جو معصوم ہوتا ہے وہ کوئی غلط کام واقدام نہیں کرتا

(ب) جب جناب موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین مقرر کر کے کوہ طور پر گئے تھے تو انہیں دو ہدایات کی تھیں۔

۱۔ اصلاح احوال کرنا۔

۲۔ مفسدین کی ان کے فتنہ وفساد میں اتباع وپیروی نہ کرنا۔

اور جب جناب ہارون علیہ السلام نے دونوں ہدایات پر بھرپور طریقہ سے عمل کیا اصلاح کی کدو کاوش بھی کی۔ اور مفسدین کی اتباع بھی نہیں کی تو پھر جناب موسیٰ علیہ السلام کے لیے ناراض ہونے کا کیا جواز تھا؟ یہ تو نہیں فرمایا تھا کہ مفسدین سے جدال وقتال کرنا۔ تاکہ ناراض ہوتے کہ قتال کیوں نہ کیا؟ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سر و ریش پر ہاتھ رکھنے کا آخر کیا مقصد تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عام دستور ہے کہ جب کسی اہم معاملہ میں کسی آدمی کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہو تو

ایک ہاتھ دوسرے آدمی کے سر پر رکھا جاتا ہے اور دوسرا اس کی ٹھوڑی کے نیچے اور اس طرح اسے اپنی طرف متوجہ کر کے اس سے حقیقت حال معلوم کرتا ہے تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے بھی کسی ناراضی سے نہیں بلکہ صرف حقیقت حال معلوم کرنے کی خاطر جناب ہارون کے سر و ریش پر ہاتھ رکھ کر ان کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ و بس

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

۱۱۴۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا ... الآیۃ۔

جن لوگوں نے اس گوسالہ کو معبود بنایا اللہ کے قہر و غضب میں گرفتار ہوئے۔ اور دنیا میں کس طرح ذلیل و خوار ہوئے۔ اس کی تصویر کشی سورۃ بقرہ کی آیت ۵۴ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ اور بتایا جا چکا ہے کہ جب انہوں نے اس سنگین گناہ سے توبہ کی تھی تو کس طرح آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر اور شمشیر بکف ہو کر ایک دوسرے کو بے دریغ قتل کیا تھا۔ اور اس طرح ہزار رہا لوگ تہ تیغ ہو گئے تھے اور ابھی کچھ لوگ زندہ تھے کہ خدائے تواب نے ان کی توبہ قبول کر لی اور ان کو معاف کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو قوم اپنے نبی و امام کی مخالفت کرتی ہے اور ان پر ظلم و تعدی کرتی ہے وہ اسی طرح خدا کے قہر و غضب اور دنیا کی ذلت و رسوائی میں مبتلا ہوتی ہے۔ اور مسلمان قوم جو صدیوں سے ذلت و رسوائی اور نکبت و پسپائی میں گرفتار ہے وہ پیغمبر اسلام کی وفات حسرت آیات کے بعد ان کے مقرر کردہ امام برحق مثیل ہارون حضرت علیؑ کی مخالفت کا ہی صریح ثمرہ و نتیجہ ہے سچ ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

۱۱۵۔ وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ... الآیۃ۔

امت مرحومہ کے گنہگاروں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اس کی رحمت اسقدر بے پایاں ہے کہ اگر کوئی خطا کار خواہ کتنا ہی بڑا گنہگار رہوا گر زنجیر توبہ کو ہلاتے اور اگر کوئی ایسا گناہ کیا تھا جس کی وجہ سے ایمان ہی سلب ہو گیا تھا تو پھر تجدید ایمان بھی کرے۔ تو اس در سے محروم نہیں لوٹایا جاتا۔ بلکہ اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور اس کی حالت پر رحم و کرم کیا جاتا ہے۔

آیات القرآن

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى

وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا۔ تو انہوں نے تختیاں اٹھالیں تو ان کی کتابت (تحریر) میں اپنے پروردگار سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت تھی (۱۵۴) ہمارے مقرر کردہ وقت پر حاضر ہونے کے لیے موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو منتخب کیا پھر جب ایک سخت زلزلہ نے انہیں آ پکڑا (اور وہ ہلاک ہو گئے) تو موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار اگر تو چاہتا تو ان سب کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا اور مجھے بھی۔ کیا تو ایسی بات کی وجہ سے جو ہمارے چند احمقوں نے کی ہے ہم سب کو ہلاک کرتا ہے؟ یہ نہیں ہے مگر تیری طرف سے ایک آزمائش! اس کی وجہ سے تو جسے چاہتا ہے (توفیق سلب کر کے) گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے تو ہی ہمارا ولی و سرپرست ہے۔ ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو بہترین مغفرت کرنے والا ہے۔ (۱۵۵)

تفسیر الآیات

۱۱۶۔ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى ... الآية۔

جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو پھینکی ہوئی تختیاں اٹھائیں جن میں پروردگار سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت و رحمت درج تھی۔ اور قوم کے لیے اوامر ونواہی اور دین سے متعلقہ دوسری سب چیزیں تفصیل سے لکھی ہوئی تھیں۔ جن کی تفصیل اوپر آیت نمبر ۱۴۵ میں گزر چکی ہے۔

۱۱۷۔وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ...الآية

اس آیت کی تفسیر اوراس واقعہ کی تفصیل ابھی اسی سورۃ کی آیت ۱۴۳ کی تفسیر میں اور قبل ازیں سورۃ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔لہٰذا اس کے اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔فرجع

۱۱۸۔اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ... الآية۔

یہ تیری آزمائش ہے یہاں ہدایت وگمراہی کی نسبت خدا کی طرف مجازی ہے جس کی متعدد بار وضاحت کی جا چکی ہے جب اس کی توفیق شامل حال ہوجائے تو آدمی بڑے سے بڑے کڑے امتحان میں بھی کامیاب و کامران ہوجاتا ہے اور اگر اس کی توفیق سلب ہوجائے تو آدمی معمولی سے امتحان میں بھی ٹھوکر کھا جاتا ہے اور زہد و تقویٰ کا لباس تار تار ہوجاتا ہے۔اور آدمی بلاے بے درماں میں گرفتار ہوجاتا ہے سچ ہے:

''اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ''(سورہ یوسف...... ۵۳)

دعاؤں میں وارد ہے کہ بارگاہ رب العزت میں عرض کیا کرو:

''رب لا تكلني الى نفسي طرقة عين ابدا الا فهلك''اے میرے پروردگار آنکھ کے جھپکنے تک بھی مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرتا ورنہ میں ہلاک وبرباد ہوجاؤں گا

اس لیے وہ دعا کرتے ہیں:

''فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ''

آمین یارب العالمین بجاہ النبی وآلہ الطاهرین

آیات القرآن

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ

مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ؗ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ
فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ
مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۱۵۷

ترجمۃ الآیات

اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ہم تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں (ہم نے تجھ سے لولگائی ہے) ارشاد ہوا (میرے عذاب کا یہ حال ہے کہ) جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں اور میری رحمت (کا یہ حال ہے کہ وہ) ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے پس میں رحمت ان لوگوں کے لیے لکھ دونگا جو پرہیز گاری کرینگے (برائیوں سے بچیں گے) اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور ہماری آیتوں (نشانیوں) پر ایمان لے آئیں گے (۱۵۶) جو اس پیغمبر کی پیروی کریں گے جو نبی امی ہے جسے وہ اپنے ہاں تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو انہیں نیک کاموں کا حکم دیتا ہے، اور برے کاموں سے روکتا ہے جو ان کے لیے پاک و پسندیدہ چیزوں کو حلال اور گندی و ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اتارتا ہے اور وہ زنجیریں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔پس جو لوگ اس (نبی امی) پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد ونصرت کی اور اس نور (روشنی) کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے یہی لوگ فوز وفلاح پانے والے ہیں (۱۵۷)۔

تفسیر الآیات

۱۱۹۔ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ... الآیۃ۔

خدا کن لوگوں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے؟

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب العزت کو قادر مطلق اور مختار کل سمجھتے ہوئے اس کی بارگاہ میں دامن طلب پھیلایا اور عرض کیا انت ولینا فاغفر لناوا کتب لنا فی هذه الدنیا حسنة وفی الاخرة اناهدنااليك اور یہ وہی دعا ہے جو خداوند عالم نے اہل ایمان کی زبانی سورۃ آل عمران میں نقل کی ہے ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنةاور اسی مقام پر دینوی حسنہ اور اخروی حسنہ کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے۔ بہر حال جناب موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا و استدعا کا جواب دیتے ہوئے خدائے قدیر و خبیر نے فرمایا عذابی الآیہ۔ یہ میرا عذاب ہے میں اسے پہنچاتا ہوں جسے چاہتا ہوں۔ ہم کئی بار اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ خدا کا یہ چاہنا اس کی حکمت اور عدل کے تقاضوں کے تحت ہوتا ہے لہٰذا وہ صرف ان لوگوں پر عذاب نازل کرتا ہے جو اپنے کفر و شرک یا گناہ و عصیاں کی وجہ سے اس کے سزاوار ہوتے ہیں۔

رحمت الٰہی کی دو قسموں کا بیان؟

باقی رہی میری رحمت تو وہ دو قسم کی ہے ایک رحمت رحمانیہ ہے وہ تو کائنات ارضی و سماوی کی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے جو ہر مسلم و کافر اور ہر نیک و بد کو شامل ہے۔ اور دوسری رحمت رحیمیہ ہے۔ وہ صرف ان لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے جو صاحب ایمان و تقویٰ ہوں گے اور زکوۃ وغیرہ ادا کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ فاتحہ میں وارد شدہ ہے لفظ ''الرحمن الرحیم'' کی تفسیر میں رحمت ایزدی کی یہ تقسیم اور ہر قسم کی تعریف تفصیلاً گذر چکی ہے۔

گو جناب موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا جواب تو اس فقرہ پر ختم ہو گیا۔ مگر مقام کی مناسبت کے پیش نظر خدائے علیم و حکیم نے یہاں وضاحت کر دی ہے کہ اب اس رحمت خاصہ کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو اس پیغمبر خاتم پر ایمان لائیں گے اور اس کی اتباع کریں گے جو درج ذیل صفات و کمالات کا حامل ہے تو گویا اس پیرایہ میں خدا نے بنی اسرائیل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی اتباع کرنے کی دعوت دی ہے کیونکہ ان کی تشریف آوری کے بعد ان پر ایمان لائے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا اور ان کی اتباع کئے بغیر تقویٰ کامل نہیں ہوسکتا جو رحمت رحیمیہ کے شامل حال کرانے کی شرط اولین ہے۔ یہی الفاظ سورہ بقرہ کے آغاز میں مذکور ہیں ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ'' اور یہی الفاظ یہاں صرف ہوئے ہیں اور انہی اوصاف کو سورہ مومنون کی ابتدائی آیات میں ذرا پھیلا کر بیان کیا گیا ہے ''قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ''۔

۱۲۰۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ...الآية۔

پیغمبر اسلامؐ کے چند خصوصی اوصاف جلیلہ وجمیلہ کا تذکرہ؟

اس آیت مبارکہ میں اس پیغمبر خاتم کے چند خصوصی اوصاف جمیلہ کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہیں
۱۔ وہ رسول بھی ہیں اور نبی بھی۔ ۲۔ وہ امی ہیں۔ ۳۔ اس کا ذکر خیر تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی۔
۴۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ ۵۔ وہ طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتے ہیں۔ ۶۔ وہ ان بوجھوں کو اتارتے ہیں اور ان زنجیروں کو کاٹتے ہیں جن میں وہ لوگ پہلے جکڑے ہوئے تھے۔ اب آیئے ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ ان صفات کی کچھ تھوڑی سی تشریح کر دی جائے۔

۱۔ وہ نبی اور رسول ہیں اور نبی ورسول کا باہمی فرق؟

علم کلام کی اصطلاح کے مطابق رسول اللہ کے اس فرستادہ کو کہا جاتا ہے جو صاحب شریعت ہو۔ جبکہ ایک نبی کے لیے خود صاحب شریعت ہونا لازم نہیں ہے بلکہ وہ کسی اور رسول کی شریعت کا مبلغ بھی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا منطقی اصطلاح کے مطابق ان کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہے مگر احادیث خاندان نبوت سے ایک اور فرق نمایاں ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اسے کہا جاتا ہے جو وحی کے وقت فرشتہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور نبی وہ ہے جو وحی کے وقت فرشتہ کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ بہرحال آپ کی ذات میں یہ دونوں عہدے جمع ہیں آپ نبی بھی ہیں اور رسول بھی بس عنوان بدلتے جاتے ہیں۔ البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رسالت کا منصب نبوت کے عہدہ سے بالاتر ہے تو رسول کے ساتھ آپ کا وصف نبی کیوں لایا گیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ تورات وانجیل میں ان کا تعارف ''النبی'' کہہ کر کرایا گیا ہے اس لیے قرآن مجید میں بھی اکثر آپ سے یا ''ایھا النبی'' کہہ کر خطاب کیا گیا ہے اسی لیے ان دو آیتوں میں بھی رسول کہنے کے بعد آپ کا تذکرہ ''النبی'' کے لفظ سے کیا گیا ہے۔

۲۔ وہ ''اُمّی'' ہیں اور ''اُمّی'' کا صحیح مفہوم

اس لفظ کے کئی معنی ہیں (الف) منسوب الی الام۔ ماں کی طرف منسوب یعنی مادرزاد جاہل جو نہ لکھنا جانتا ہو اور نہ پڑھنا۔

۲۔ منسوب الی الامہ امت کی طرف منسوب

۳۔ منسوب الی ام القری۔ ام القری یعنی مکہ کی طرف منسوب عام مسلمان اس کے پہلے معنی مراد لیتے ہیں یعنی جس طرح نوزائیدہ بچہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اسی طرح حضور نے بھی کسی استاد سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ مگر ہمارے آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے سختی سے اس مطلب کی رد فرمائی ہے اور واضح فرمایا ہے کہ وہ ام القری یعنی مکہ کا رہائشی ہونے کی وجہ سے امی ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ''لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا'' (سورہ انعام...... ۹۲)۔ چنانچہ کتاب علل الشرائع میں مذکور ہے کہ حضرت امام محمد تقی سے اس لفظ کے معنی دریافت کیے گئے تو آپ نے فرمایا: عام لوگ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

عرض کیا گیا: وہ تو یہ کہتے ہیں کہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

فرمایا وہ جھوٹ کہتے ہیں وہ تو بہتر (۷۲) زبانوں میں لکھ پڑھ سکتے تھے پھر فرمایا آپ کو امی اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ ام القریٰ مکہ کے رہنے والے تھے (تفسیر صافی وغیرہ)

یہ صحیح ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے ایک مخصوص حکمت الٰہی کے تحت وہ نہ لکھتے تھے اور نہ پڑھتے تھے چنانچہ ارشاد قدرت ہے: ''مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ'' (سورہ عنکبوت...... ۴۸) اے رسول! تم نہ کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے ورنہ باطل پرستوں کو شک کرنے کا موقع مل جاتا (کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادھر ادھر سے پڑھ لکھ کر قرآن لکھ ڈالا ہے)

مگر صاحبان عقل وخرد جانتے ہیں کہ لکھ پڑھ نہ سکنا اور ہے اور نہ لکھنا و پڑھنا اور ہے؟ یہاں یہ کہا گیا ہے کہ آپ لکھتے پڑھتے نہیں تھے یہ تو نہیں کہا گیا کہ آپ لکھ پڑھ سکتے نہیں تھے

۳۔ پیغمبر اسلامؐ کا ذکر خیر تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی

تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے ہم صرف اس اجمالی بیان پر اکتفا کرتے ہیں کہ تورات و انجیل میں حسب ذیل مقامات میں آپ کا ذکر خیر موجود ہے۔

استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵ تا ۱۹۔ متی باب ۲۱ آیت ۲۳ تا ۲۶۔ یوحنا باب ا آیت ۱۹ تا ۲۱ یوحنا ۱۲ آیت ۷ اور آیت ۲۵ تا ۳۰۔ یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۵ تا ۲۶ یوحنا باب ۱۶ آیت ۷ تا ۱۵ ااستثناء باب ۲۲۳۔ یسعیاہ باب ۴۲ آیت ۴۔ یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۳۱ وغیرہ (بحوالہ تفہیم القرآن و تدبر القرآن)۔

۴۔ وہ امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہیں

ظاہر ہے کہ انبیاء ورسل کے بہت سارے فرائض میں سے سب سے بڑا اور اہم فریضہ یہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے جس کی پاداش میں وہ گالیاں بھی کھاتے ہیں اور پتھر بھی۔ قید بھی ہوتے ہیں اور شہید بھی اور جناب پیغمبر اسلامؐ نے تو جس حسن وخوبی اور خوش اسلوبی سے یہ فریضہ انجام دیا ہے اس کی تاریخ انبیاء میں کوئی نظیر نظر نہیں آتی۔

۵۔ جو بوجھ ہلکا کرتے ہیں!

جو بوجھ بنی اسرائیل کے سروں پر پڑ گیا تھا اور وہ جن زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور جن پھندوں میں گرفتار ہو گئے تھے وہ ان کو اس سے نجات دلاتے ہیں اس بوجھ اور ان پھندوں سے وہ سخت احکام مراد ہیں جو سابقہ انبیاء کی امتوں کے لیے تھے مثال کے طور پر ان کو توبہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو قتل کرنا پڑتا تھا اور اگر بدن یا کپڑا انجس ہو جاتا تھا تو اسے قینچی سے کاٹنا پڑتا تھا وغیرہ وغیرہ یا وہ قانونی موشگافیاں جو ان کے روحانی پیشواؤں نے تورع میں مبالغہ کی وجہ سے یا جاہل عوام نے اپنی جہالت اور توہمات سے خود ساختہ ضوابط وقواعد وضع کر کے زندگی کو ان ناجائز بوجھوں تلے دبا رکھا تھا اس پیغمبر نے ان کو اس بوجھ اور ان زنجیروں سے آزاد کرایا اور شریعت سہلہ وسمحاء لا کر ان تمام سختیوں سے نجات دلائی مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جن بوجھوں اور پھندوں سے پیغمبر اسلام نے اہل کتاب کو نجات دلائی تھی آج خود ان کی امت بدعات اور رسوم ورواج کے انہی پھندوں میں گرفتار ہے۔

اے خاصۂ خاصان رسلؐ وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

۱۲۱۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ... الآیۃ۔

نتیجۃُ الکلام

یہ ہے کہ پس جو خوش قسمت لوگ آپ پر ایمان لائے آپ کی تعظیم وتکریم کی اور آپ کی نصرت و تائید کی اور اس نور (قرآن) کی پیروی کی جو آپ کے ساتھ اتارا گیا ہے بس یہی لوگ فوز وفلاح پانے والے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فوز وفلاح پانے کے لیے صرف زبانی کلامی طور پر حضرت رسول خدا پر ایمان لانا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ دل وجان سے آپ کی تعظیم وتکریم کرنا کیونکہ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں اور ان کی اور ان کے دین مبین کی نصرت وتائید کرنا بھی ضروری ہے اور اس سلسلہ میں

ہرقسم کی مالی وجانی قربانی پیش کرنے کیلئے آمادہ وتیار رہنا بھی لازم ہے۔مخفی نہ رہے کہ عزریعزر کے ایک معنی ہیں کسی کی تعظیم وتکریم کرنا اور دوسرے معنی ہیں کسی کی مدد ونصرت کرنا تو یہاں نصرت کا لفظ تو علیحدہ موجود ہے تو اگر عزروہ کے معنی بھی نصرت کے لئے جائیں تو یہ تاکید ہوگی اور اگر اس کے معنی تعظیم کیلئے جائیں تو تاسیس ہوگی اور اہل عربیت کا فیصلہ ہے کہ تاسیس تاکید سے اولیٰ ہوتی ہے اسی لیے ہم نے عزروہ کے یہ معنی کیے ہیں کہ جنھوں نے آپ کی تعظیم وتکریم کی فلا تغفل۔

یہاں نور سے کیا مراد ہے؟

عام مفسرین نے اس سے قرآن مجید مراد لیا ہے (مجمع البیان)

جس پر کتاب ہدایت ہونے کی وجہ سے نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔"اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ "(سورہ بنی اسرائیل......۹)۔وھو الاقوی۔

اور تفسیر صافی کی ایک روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس نور سے حضرت امیر اور دوسرے آئمہ طاہرین مراد ہیں۔کہ جن پر ہادی برحق ہونے یا نورانی روح کے حامل ہونے کی بناء پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔اسی لئے ان ذوات مقدسہ کو نوری بشر یا نوری انسان کہا جاتا ہے۔اس موضوع کی جملہ تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب "اصول الشریعۃ" کے دوسرے باب کا مطالعہ کریں۔

آیات القرآن

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾
وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ
اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ
اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا

عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

ترجمۃ الآیات

اے پیغمبر! (لوگوں سے) کہو اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ جس کے لیے سارے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے پس اللہ پر ایمان لاؤ۔ اور اس کے نبی امی رسول پر۔ جو خود بھی اللہ اور اس کے کلمات (کتابوں) پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ (۱۵۸) اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو لوگوں کو حق کے راستہ پر چلاتا ہے اور حق کے ساتھ منصفانہ فیصلہ کرتا ہے (۱۵۹) اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) کو بارہ خاندانوں کے بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی جب ان کی قوم نے ان سے پینے کے لیے پانی مانگا۔ کہ ایک (خاص) چٹان پر اپنی لاٹھی مارو۔ چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ اور ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے ان پر ابر کا سایہ کیا اور (غذا کے لیے) ان پر من وسلوی نازل کیا (اور ان سے کہا) کھاؤ۔ ان پاک اور پسندیدہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔ انہوں نے (نافرمانی وناشکری کر کے) ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے ہی اوپر ظلم وزیادتی کرتے رہے۔ (۱۶۰)

تفسیر الآیات

۱۲۲۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ ... الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: چند یہودی حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ہی ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ کو

اسی طرح وحی ہوتی ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ہوتی تھی؟

اس پر آپ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا: ”نعم فانا سید ولد آدم و لا فخر و انا خاتم النبین و امام المتقین و رسول رب العالمین“ ہاں میں اولاد آدم کا سردار ہوں مگر مجھے فخر نہیں ہے۔ میں خاتم النبین امام المتقین اور رسول رب العالمین ہوں۔

اس پر یہودیوں نے کہا آپ کن کی طرف بھیجے گئے ہیں؟ عرب کی طرف یا عجم کی طرف یا ہماری طرف اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر الصافی)۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمہ گیر رسالت کا تذکرہ

پیغمبر اسلامؐ سے پہلے جس قدر انبیاء ومرسلین آئے ان میں سے کوئی اپنی ذات کا نبی بن کر آیا کوئی اپنی قوم وقبیلہ کا کوئی کسی خاص علاقہ کا، اور کوئی ایک عالم کا۔ مگر ان میں عالمین کا کوئی نبی بنکر نہیں آیا۔ مگر جب ہمارے خاتم الانبیاء والمرسلین کا دور آیا تو خدائے علیم وحکیم نے زمان ومکان کی سب حدود وقیود ختم کر دیں اور اعلان کر دیا ”وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ“ (سورہ انبیاء......۱۰۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نبوت ورسالت اس طرح عالمگیر ہے کہ کسی خاص ملک، کسی خاص ملت اور کسی خاص قبیلہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور کسی زمان ومکان کے ساتھ محدود نہیں ہے بلکہ تمام جن وانس اور ملائکہ کو، تمام عرب وعجم کو، ہر شاہ وگدا کو اور ہر ابیض واسود کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔

الغرض جہاں جہاں تک خدا کی خدائی کا تعلق ہے وہاں وہاں تک آپؐ کی مصطفائی کا تعلق ہے اسی بنا پر خدائے دو جہاں اور خالق زمین وآسمان یہاں حضرت پیغمبر اسلامؐ سے ”یایھا العرب“ یا ”یا ایھا العجم“ کہہ کر مخصوص لوگوں سے خطاب کرنے کا حکم نہیں دے رہا بلکہ ”یا ایھا الناس“ کہہ کر آنحضرتؐ کی ہمہ گیر رسالت کا اعلان کرا رہا ہے اگرچہ یہ خطاب کی عمومیت یہ آپؐ کی رسالت کی ہمہ گیری کیلئے کافی تھی، مگر اس کے ساتھ ”جمیعا“ کے لفظ نے اس کی تاکید مزید کر کے اس عمومیت میں اور بھی قوت پیدا کر دی۔

بعد ازیں بھی اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرتؐ کی رسالت صرف عالم عرب تک محدود تھی اور وہ عرب قوم کیلئے بہترین دین وتعلیم لے کر آئے تو ایسا شخص دراصل آنحضرت کی رسالت کا منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہے اور وہ مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں ہے آنحضرتؐ کی یہ دعوت صرف عالم عرب کیلئے نہیں بلکہ یکساں طور پر تمام نوع انسانی کیلئے ہے ایمان ”باللہ و کلماتہ“ اسکا شیوہ وشعار ہے یعنی خدا اور اس کی وحی پر ایمان اور یہ دعوت سب لوگوں کے سروں کو اس معبود کی چوکھٹ پر جھکانا چاہتی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ایک گروہ کی تعریف

۱۲۳۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى ...الآیۃ۔

اگر چہ بنی اسرائیل کی اکثریت کی روش ورفتاراورطرز عمل کی مذمت سے قرآن لبریز نظر آتا ہے۔وہ بالکل اناڑی،ضدی،اوراکھڑ مزاج تھے۔بات بات پر بگڑ جانا اور غلط غلط مطالبہ پر ڈٹ جانا ان کا وطیرہ تھا۔مگر چونکہ ہر عام قابل تخصیص ہوتا ہے قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ ان لوگوں میں بھی ہر دور میں ایک مختصر سا گروہ ایسا بھی رہا جو شریعت موسویہ کا پورا پورا پابند تھا۔اور سختی سے احکام خداوندی کی پابندی کرتا تھا۔وہ گروہ کون تھا؟

بہتر یہ ہے کہ آیت کو اپنے عموم پر باقی رہنے دیا جائے کہ ہر دور میں ایسا گروہ رہا ہے جو حق کے مطابق لوگوں کی راہنمائی اور حق کے ساتھ لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرتا رہا ہے جناب موسیٰ علیہ السلام کے حین حیات میں بھی،آپ کے کوہ طور پر جانے اور قوم کی گوسالہ پرستی کرنے کے وقت بھی اور آپ کے انتقال پر ملال کے بعد بھی حتیٰ کہ جب پیغمبر اسلامؐ تشریف لائے تو وہ گروہ آپ کے علامات وصفات کو دیکھ کر ان پر ایمان لایا۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گروہ امت مسلمہ سے الگ ایک ایسا طبقہ ہے جو کسی دور دراز جگہ (ماورائے چین) پر آباد ہے اور صحیح معنی میں شریعت موسوی پر عامل ہے جو حق کا راستہ دکھاتا ہے اور حق کے ساتھ منصفانہ فیصلہ کرتا ہے اور چونکہ اس تک پیغمبر اسلامؐ کی دعوت حقہ پہنچی ہی نہیں ہے لہٰذا اس کیلئے موسوی شریعت پر باقی رہنا اور اس کے مطابق عمل کرنا نجات کیلئے کافی قرار پایا ہے۔(فصل الخطاب بحوالہ تفسیر بتیان)

مخفی نہ رہے۔کہ بعض روایات کے مطابق امت کے اکثر فرقوں میں سے یہی فرقہ ناجی ہے۔(تفسیر عیاشی عن علی علیہ السلام)

اور ایک روایت میں وارد ہے جو کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:اس قوم موسیٰ سے مسلمان قوم مراد ہے۔(تفسیر عیاشی)واللہ العالم۔

۱۲۴۔ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ...الایۃ۔

ان آیات میں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں تقسیم ہونے اور وادی سینا میں پیش آنے والے جن واقعات کی طرف اشارہ ہے جیسے وہاں من وسلویٰ کے نازل ہونے،بادل کے سایہ فگن ہونے اور بارہ قبیلوں کیلئے بارہ چشموں کے پھوٹنے وغیرہ وغیرہ ان کی تفصیل پر قبل ازیں سورہ بقرہ کی اور سورہ مائدہ کی آیت ۱۲ کی تفسیر کے

ضمن میں گفتگو ہو چکی ہے آیات ۵۷ تا ۶۰ وغیرہ کی تفسیر میں لہٰذا ان مطالب ومعانی کے یہاں دوبارہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہی مقامات پر اسباط اور فقہاء پر بھی تبصرہ کیا جا چکا ہے۔

آیات القرآن

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ
وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ
سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ
قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾
وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي
السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا
يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

ترجمۃ الآیات

(وہ وقت یاد کرو) جب ان (بنی اسرائیل) سے کہا گیا کہ اس گاؤں میں جا کر آباد ہو جاؤ اور وہاں جہاں سے تمہارا جی چاہے (غذا حاصل کر کے) کھاؤ اور حطۃ حطۃ کہتے ہوئے سجدہ ریز ہو کر (عاجزی سے جھکے ہوئے) شہر کے دروازہ میں داخل ہو جاؤ۔ تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ اور جو نیک کردار ہیں ان کو مزید اجر سے نوازیں گے (۱۶۱) مگر ان میں سے جو ظالم تھے انہوں نے وہ کلمہ بدل دیا ایسے کلمہ سے جو مختلف تھا اس کلمہ سے جو ان سے کہا گیا تھا (اور حطۃ کی جگہ حنطۃٌ حنطۃٌ کہنا شروع کیا) (ان کی اس روش کا نتیجہ یہ نکلا کہ) ہم نے آسمان سے ان پر عذاب بھیجا۔ اس ظلم کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے۔ (۱۶۲) اور (اے پیغمبر) ان سے اس بستی کا حال پوچھو۔ جو سمندر کے کنارے واقع تھی۔ جبکہ وہ (بنی اسرائیل) ہفتہ کے دن خدا کی مقرر کردہ حد سے باہر ہو جاتے تھے۔ جبکہ ہفتہ کے دن مچھلیاں

ابھرا ابھر کر سطح آب پر تیرتی ہوئی آجاتی تھیں اور جس دن ہفتہ نہیں ہوتا ہے (باقی دنوں میں) تو نہیں آتی تھیں۔ ان کی نافرمانی کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے اس طرح ہم ان کی آزمائش کرتے تھے۔ (۱۶۳)

تفسیر الآیات

۱۲۵۔ وَ اسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ ...الآية۔

ان آیات میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس کی تفصیل سورہ بقرہ کی آیت ۶۵/ ۶۶ کی تفسیر میں گزر چکی ہے لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے یہاں اس کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ وہیں یہ بات بھی ملاحظہ کی جائے کہ یوم السبت کے معاملہ میں کی گئی نہی کے بارے میں ان لوگوں کی نافرمانی اور اصرار کس حد تک بڑھ چکا تھا اور یہ کہ سنت الٰہی یہ ہے کہ جب کسی قوم کا خدا کی نافرمانی پر اس حد تک اصرار بڑھ جائے کہ نیک لوگوں کے امر و نہی اور پند و موعظہ کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہو تو بالآخر خدا اس قوم پر لعنت کر دیتا ہے جس کے بعد وہ قوم مسخ ہو کر ہلاک ہو جاتی ہے جس طرح یہ بندروں کی شکل میں مسخ ہو کر ہلاک و برباد ہو گئی تھی۔

آیات القرآن

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَاۨ ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ
عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا
نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا
عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ
عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا (ان لوگوں سے جو ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے) کہ تم ایسے لوگوں کو (بے فائدہ) کیوں نصیحت کرتے ہو۔جن کو خدا ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے؟ انہوں نے (جواب میں) کہا کہ ہم یہ اسلئے کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار کے سامنے معذرت پیش کر سکیں (کہ ہم نے اپنا فریضہ امرونہی ادا کر دیا ہے) اور اس لئے کہ شاید یہ لوگ اس روش سے پرہیز اختیار کریں۔(۱۶۴) آخرکار جب ان لوگوں نے وہ تمام نصیحتیں بھلا دیں جو ان کو کی گئی تھیں تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو برائی سے روکتے رہتے تھے اور باقی سب ظالموں کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے سخت عذاب میں گرفتار کیا (۱۶۵) (جب یہ عذاب بھی ان کو سرکشی سے باز نہ رکھ سکا) اور وہ برابر سرکشی کرتے چلے گئے ان چیزوں کے بارے میں جن سے ان کو روکا گیا تھا تو ہم نے کہا بندر ہو جاؤ ذلیل اور راندے ہوئے (۱۶۶) اور (اے پیغمبر) یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اعلان کر دیا تھا (کہ اگر یہ لوگ اپنی سیاہ کاریوں سے باز نہ آئے) تو خدا ان پر قیامت تک ایسے لوگ مسلط کریگا جو انہیں بدترین عذاب میں گرفتار کریں گے یقینا تمہارا پروردگار بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا بھی ہے۔(۱۶۷)

تفسیر الآیات

۱۲۶۔ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ...الآیة۔

اصحاب القریہ کا اجمالی تذکرہ

مختلف اخبار و آثار سے اور خود اس آیت مبارکہ کے سیاق و سباق سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اس بستی کے اندر تین قسم کے لوگ رہائش پذیر تھے۔

۱۔ایک گروہ وہ تھا جو نافرمانی کرتا تھا۔

۲۔دوسرا گروہ وہ تھا جو خود تو یہ جرم نہیں کرتا تھا مگر کرنے والوں کو روکتا بھی نہیں تھا۔

۳۔اور تیسرا گروہ وہ تھا جو پہلے گروہ کو وعظ ونصیحت کرتا تھا اور اس نافرمانی خدا پر اسے ٹوکتا تھا۔

دوسرے گروہ نے اس تیسرے گروہ سے کہا کہ تم خواہ مخواہ اس گروہ کو کیوں موعظہ کرتے ہو جسے خدا ہلاک کرنے والا ہے یا اسے سخت عذاب کرنیوالا ہے تو جب اس کی تباہی مقرر ہو چکی ہے تو پھر اسے بے کار تبلیغ کرنے کا کیا فائدہ؟

اس پر تیسرے گروہ نے کہا کہ ہم اس لئے فریضہ تبلیغ ادا کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار کے حضور معذرت کر سکیں۔ کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ نیز ممکن ہے کہ ان پر کچھ اثر ہو جائے اور وہ اس نافرمانی سے باز آ جائیں۔ اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ گمراہوں کی ہدایت کی طرف سے کتنی ہی مایوسی ہو لیکن اہل حق کا فرض ہے کہ موعظہ سے باز نہ رہیں کیونکہ اولاً: تو یہ ایک فرض ہے اور ادائے فرض میں نتیجہ کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ثانیاً ''کون کہہ سکتا ہے کہ ہدایت قطعاً موثر نہ ہوگی؟ ہوسکتا ہے کہ کسی کے دل کو کوئی بات لگ جائے چنانچہ اسی لئے اہل حق نے کہا ''مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ'' تا کہ اللہ کے حضور معذرت کر سکیں اور اس لئے بھی کہ شاید یہ لوگ باز آ جائیں۔

سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت نے پانچ چھ لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو اس بارے میں کہا جا سکتا تھا۔ (ترجمان القرآن)

۱۲۷۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ ...الآیۃ۔

کسی قوم کے کسی فعل پر راضی رہنے والے کے انجام کا بیان؟

ارشاد قدرت ہے کہ جب اس پہلے گروہ نے ان تمام نصیحتوں کو بھلا دیا جو اسے کی گئی تھیں تو ہم نے صرف تیسرے گروہ کو جو برائی سے روکنے والا تھا بچا لیا۔ اور باقی سب ظالموں کو ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں سخت عذاب میں پکڑ لیا۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ دوسرا گروہ بھی اسی عذاب کی لپیٹ میں آ گیا تھا کیونکہ اگرچہ وہ اس گناہ کا مرتکب تو نہیں تھا مگر چونکہ وہ پہلے گروہ کی نافرمانی پر خاموش تھا تو بموجب ''**من رضی بفعل قوم فھو منھم** '' (جو کسی قوم کے اچھے یا برے فعل پر راضی ہوتا ہے اس کا شمار اسی قوم میں ہوتا ہے) لہٰذا جو سزا یا جزا اس فعل کے کرنے والے کو ملتی ہے۔ یہ راضی رہنے والا بھی اس میں برابر کا حصہ دار ہوتا ہے قرآن وسنت کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کسی قوم کے اجتماعی جرائم میں یہی قانون قدرت ہے چنانچہ ارشاد رب العزت ہے

''وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً'' (سورہ انفال...... ۲۵) اس فتنہ سے ڈرو جس کے وزر و بال میں صرف وہی لوگ مبتلا نہیں ہوں گے جنہوں نے وہ ظلم کیا ہوگا۔ بلکہ ان سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا جو اپنے سامنے ان برے کاموں کا لوگوں کو ارتکاب کرتے ہوئے دیکھیں گے مگر نہ ان کو روکیں گے نہ ٹوکیں گے اور نہ ہی کم از کم اس پر اپنی ناراضی کا اظہار کریں گے۔

حدیث قدسی میں وارد ہے کہ خداوند عالم نے جناب داؤدؑ کو وحی فرمائی کہ میں تیری امت کے ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں پر عذاب نازل کرنے والا ہوں۔ جن میں اصل مجرم چالیس ہزار ہیں۔

جناب داؤدؑ نے عرض کیا پھر اسی (۸۰) ہزار اس کی لپیٹ میں کیوں آئیں گے؟

ارشاد ہوا اس لئے کہ انہوں نے ان کو گناہوں کے ارتکاب پر روکا ٹوکا نہیں ہے بلکہ ان سے میل جول برقرار رکھی ہے (جواہر سنیہ)

اور ایک روایت کے مطابق جو امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا: دوسرا گروہ چیونٹی کی شکل میں مسخ کر دیا گیا تھا (تفسیر عیاشی، نور الثقلین) واللہ العالم

۱۲۸۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ...الآیۃ۔ ۱۳۳

''تاذن'' کے معنی کسی قطعی فیصلہ کے اعلان کرنے اور لوگوں کو اس سے آگاہ کرنے کے ہیں۔ بنابریں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ خدا نے بنی اسرائیل کے بدعہد، بدکردار و نا ہنجار لوگوں کو جناب موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کے ذریعہ سے آگاہ کر دیا تھا کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے جابر حاکم مسلط کرتا رہے گا جو انہیں سخت عذابوں کا مزہ چکھائیں گے

اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی عملی تصدیق تاریخ کے صفحات میں مرقوم ہے اس کیلئے بخت نصر اور سٹیٹس سے لے کر جرمنی کے ہٹلر تک کی تاریخ پڑھی جائے تو ہر دور میں آپ کو اس قوم کی ذلت و بربادی کی نہایت لرزہ خیز داستان مل جائیگی یہ ملحوظ رہے کہ بیچ بیچ میں مہلت کا کوئی وقفہ مل جانے سے اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی نفی نہیں ہوتی۔ قرآن کا اسلوب بیان خود شاہد ہے کہ ان کو وقفے بھی ملتے رہیں گے لیکن ہر وقفہ ان کیلئے کسی تازہ مصیبت کا پیش خیمہ ہوگا آج ارض مقدس میں ان کا جو اجتماع ہو رہا ہے یہ آشیاں بندی بھی ایک نئے طوفان کی دعوت ہے جس کے بعد ان کی پوری مجتمعہ قوت انشاء اللہ یک قلم ختم ہو جائے گی (تدبر القرآن)

یہ صرف بحبل من الناس کی کارستانی ہے جو قوم دوسروں کی بساکھیوں پر کھڑی ہو وہ کب تک کھڑی رہے گی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

وہ وقت بھی دور نہیں ہے جب اسرائیلی حکومت کا صفحہ ہستی سے نام ونشان بھی مٹ جائے گا۔اور۔ع

اس کی داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

انشاءاللہ

آیات القرآن

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ
ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى
وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ
يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ
وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا
نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے ان کو زمین میں مختلف فرقوں کی صورت میں ٹکرے ٹکڑے کر دیا۔ان میں سے کچھ لوگ تو نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف اور طرح کے (بدکار) ہیں۔اور ہم ان کو اچھے اور برے حالات میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں تاکہ وہ باز آجائیں (۱۶۸) پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے اور کتاب الٰہی کے وارث بنے جو (دین فروشی کر کے) دنیائے دوں کے مال ومتاع اور ساز وسامان جمع کرتے اور سمیٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امید ہے کہ ہم بخش دیے جائیں گے اور اگر اتنا ہی عارضی ساز وسامان ان کے ہاتھ لگ جائے تو اسے بھی بے دریغ لے لیتے ہیں۔کیا ان سے کتاب (تورات) والا یہ عہد و پیمان نہیں لیا گیا تھا

کہ وہ اللہ کی نسبت حق کے سوا اور کوئی بات نہ کہیں؟ اور یہ خود کتاب میں پڑھ چکے ہیں جو اس میں لکھا ہے اور آخرت والا گھر پرہیز گاروں کیلئے بہتر ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟(۱۶۹) اور جو لوگ کتاب الٰہی سے تمسک رکھتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں بے شک ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر وثواب ضائع نہیں کریں گے (۱۷۰)

تفسیر الآیات

۱۲۹۔ وَقَطَّعْنٰهُمُ ... الآیۃ۔

تقطیع کا لفظ اچھے اور برے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ آیت **وقطعناھم اثنتی عشرۃ اسباطا امما**۔ میں اچھے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کہ ایک ہی باپ کی اولاد کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مگر یہاں برے معنی یعنی پراگندگی اور انتشار کے معنی میں استعمال ہوا ہے کہ قوم یہود کی دنیوی سزاؤں میں سے ایک سزا یہ بھی ہے کہ اس کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی پاداش میں انہیں سارے جہاں میں تتر بتر اور ان کی جمعیت کو پراگندہ کر دیا گیا۔

اگر چہ انفرادی طور پر ان میں کچھ نیک اور اچھے لوگ بھی ہیں اور بد اور برے بھی۔ مگر اجتماعی حیثیت سے یہ قوم ان تمام اوصاف حمیدہ سے محروم ہو گئی تھی جو کسی بھی قوم وملت کیلئے ایک ملت کی حیثیت سے دنیا میں سر بلند رکھنے اور معزز ہونے کیلئے ضروری تھے بے شک خدائے تعالیٰ نے اپنے دستور کے مطابق ان کو اچھے اور برے حالات سے آزمایا تا کہ اس کی طرف رجوع کریں لیکن ان پر دنیا کے مال ودولت کے جمع کرنے کی دنیوی خواہشیں اس طرح غالب آ گئیں کہ ان کے آگے ان کی قوت ارادی بالکل ناکارہ ہو کر رہ گئی۔

اور اب ان کی حالت یہ ہے کہ یہ احساس رکھتے ہوئے بھی کہ جو کچھ کر رہے ہیں غلط ہے مگر عملی طور پر وہی برابر کئے جا رہے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو دھوکہ دے رکھا ہے کہ ہم اللہ کے چہیتے اور اس کے لاڈلوں اور پیاروں کی اولاد ہیں اس لئے ہم جو کچھ کریں ہمیں بخش دیا جائے گا اور ہمیں دوزخ کی آگ جلا ہی نہیں سکتی۔

۱۳۰۔ فَخَلَفَ مِنْ ...الآیۃ۔

برے اخلاف کا تذکرہ

خلف کی لام متحرک ہوتو اس کے معنی ہوتے ہیں اچھی اولاد اچھا جانشین جسے خلف الرشید کہا جاتا ہے اور اگر اس کی لام ساکن ہوتو اس کے معنی ہوتے ہیں بری اولاد اور برا جانشین جسے عرف عام میں ناخلف کہا جاتا ہے یہ یہود کے تدریجی زوال کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے اسلاف کے بعد جو اخلاف آئے اور تورات کے وارث ہوئے وہ اپنے اسلاف سے بھی زیادہ گئے گزرے تھے اور ستم بالائے ستم یہ تھا کہ یہ لوگ ایک طرف تو کتاب الٰہی کی وراثت کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف دنائت نفسی کا یہ عالم ہے کہ وہ دنیا کے عارضی ساز و سامان کے حریص ہیں کہ حرام ملے یا حلال اسے چھوڑتے نہیں ہیں۔ بلکہ اس پر قبضہ کر لیتے ہیں اور طبقہ علماء کیلئے یہی فساد کی جڑ ہے ”حب الدنیا رأس کل خطیئة“ اور خود ساختہ بہانہ یہ بنا رکھا ہے کہ ہم اللہ کے پیارے اور اس کے محبوبوں کی اولاد ہیں لہٰذا ہم جو کچھ کریں ان کے صدقے ہمیں سب کچھ معاف کر دیا جائے گا اور دوزخ کی آگ ہم پر حرام ہے جیسا کہ ابھی اوپر ان کی اس کجروی پر تبصرہ کیا چکا ہے۔ گناہ پر اصرار بھی ہے اور پھر بخشش کی تکرار بھی؟ ؎

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

۱۳۱۔ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ ...الآیة۔

باطل نواز لوگوں کی خوش فہمیوں کا ازالہ

قرآن ان لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے اور ان کے مغالطہ کا ازالہ کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ ان سے تو پختہ عہد و پیمان لیا گیا تھا کہ وہ خدا کے بارے میں صرف وہ بات کہیں گے جو برحق ہو اور ایسی کوئی بات جو خلاف حق ہوگی اس کی طرف منسوب نہیں کریں گے حالانکہ جو کچھ کتاب (تورات) میں لکھا ہے وہ انہوں نے پڑھ لیا تھا اور وہ جانتے تھے کہ پوری تورات میں کہیں بھی ان کی غیر مشروط مغفرت کے وعدہ کا کائی ذکر نہیں ہے۔ اور نہ ہی خدا کے پیغمبروں نے کبھی انہیں اس قسم کی کوئی یقین دہانی کرائی تھی کہ تم جو چاہو کرو۔ ضرور تمہاری مغفرت ہو جائیگی صاحب ضیاء القرآن نے یہاں ایک قیمتی نوٹ لکھا ہے جس کا نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

موصوف رقمطراز ہیں ”یہ آیت جہاں یہود کے اس طریق کار اور اخلاقی پستی کی مذمت کر رہی ہے۔ وہاں مسلمان مشائخ اور علماء کیلئے بھی درس عبرت ہے۔ وہ چیز جو علماء و مشائخ بنی اسرائیل کیلئے شرمناک تھی کیا وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین اور کامل ترین بندے اور سید المرسلین کی امت جسے خیر الامم کے لقب سے نوازا گیا ہے

کے علماء ومشائخ کیلئے قابل برداشت ہوسکتی ہے اگر آخری شریعت اور آخری کتاب کے امین اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کریں گے اور شریعت کے احکام بھی دولت کمانے کا ذریعہ بن کر رہ جائیں گے تو پھر اس چشمہ صافی سے دنیا کے پیاسے کیونکر سیراب ہوسکیں گے۔ (ضیاء القرآن)

۱۳۲۔ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ... الآية۔

''اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ دور فترت میں یعنی پیغمبر اسلامؐ کی بعثت سے پہلے اہل کتاب میں ایسے لوگ تھے جو انبیاء کی تعلیمات کی پیروی کرتے تھے اور جو اس وقت طریقہ عبادت تھا اور اس دور میں ''صلوٰۃ'' سے موسوم جو بھی طریقہ تھا اس پر قائم تھے یہ پیش خدا ضرور اجر پائیں گے۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اب جنہوں نے تورات وغیرہ کی بشارتوں پر عمل کرتے ہوئے رسول پر ایمان اختیار کیا اور نماز ادا کی یعنی مسلمان ہوئے اور اس طریقہ سے عبادت کرنا اختیار کیا وہ نجات پائیں گے'' (فصل الخطاب ۳۹)۔

آیات القرآن

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے پہاڑ کو ہلا کر (جڑے سے اکھاڑ کر)۔ اس طرح ان کے

اوپر بلند کیا۔ کہ گویا سائبان ہے اور انہوں نے گمان کیا کہ یہ ان پر گراہی چاہتا ہے (اور ان سے کہا کہ) جو کچھ (کتاب) ہم نے تمہیں عطا کی ہے اسے مضبوطی کے ساتھ لو۔ اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے یاد رکھو۔ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ (۱۷۱) اور (وہ وقت یاد کرو)۔ جب تمہارے پروردگار نے نبی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا (جو نسلاً بعد نسل پیدا ہونے والی تھی) اور ان کو خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا ہاں بے شک ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا پروردگار ہے (یہ کاروائی اس لئے کی تھی کہ) کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔ (۱۷۲) یا کہو کہ (خدایا) شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا تھا۔ اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل سے تھے) اس لئے لاچار ان کی روش پر چل پڑے) تو کیا تو ہمیں اس (شرک) کیوجہ سے ہلاک کرے گا جو باطل پرستوں نے کیا تھا۔ (۱۷۳) اسی طرح ہم اپنی نشانیاں تفصیل سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ (حق کی طرف) رجوع کریں (۱۷۴) (اے رسول) ان لوگوں کے سامنے اس شخص کا واقعہ بیان کرو جس کو ہم نے اپنی بعض نشانیاں عطا کی تھیں مگر وہ ان سے عاری ہو گیا (وہ جامہ اتار دیا) پس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ اور آخرکار وہ گمراہوں میں سے ہو گیا (۱۷۵)

تفسیر الآیات

۱۳۳۔ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ...الآیة

اس آیت میں اس میثاق کی طرف اشارہ ہے جو یہود سے دامن کوہ میں کتاب پر مضبوطی سے قائم رہنے اور اس پر عمل کرنے کے بارے میں لیا گیا تھا اور وہاں خدا نے اپنی قدرت و جبروت کا کچھ مظاہرہ کیا تھا اور اپنی قدرت کاملہ کا کچھ مشاہدہ کرایا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۶۳ کی تفسیر کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

۱۳۴۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ...الآیة

عالم ذر میں عہد الست کا تذکرہ

اسی آیت اور اس جیسی متعدد روایات کی بنا پر اہل اسلام میں ''عہد الست'' اور عالم زر کے محاورات رائج ہیں۔ البتہ اس بات میں قدرے اختلاف ہے کہ ایسا کوئی عہد و پیمان اولاد آدم سے تخلیق آدم کے وقت اسی عالم آب وگل میں لیا گیا تھا یا یہ عہد و پیمان محض استعارہ اور تمثیل پر محمول ہے علماء اسلام کی اکثریت نے اس آیت اور اس کی تفسیر وتشریح میں وارد شدہ حدیثوں کو ان کے ظاہری معنی پر باقی رکھتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ ایک بار خدائے قدیر وخبیر نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اس پوری اولاد آدم کو جو آپ کی نسل سے قیامت تک پیدا ہونے والی تھی بیک وقت چیونٹی کی شکل میں وجود اور شعور اور قوت گویائی دے کر صلب آدم سے پیدا کیا۔ اور پھر ان سے اپنی ربوبیت کی شہادت لی۔ فرمایا: ''الست بربکم'' کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ انہوں نے عرض کیا بے شک تو ہمارا پروردگار ہے۔ فرمایا: میں تم پر زمین وآسمان اور خود تمہارے باپ آدم کو گواہ قرار دیتا ہوں تا کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔ یا یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے باپ دادا نے شرک کیا تھا۔ اور ہم تو ان کے بعد پیدا ہوئے۔

ہاں! البتہ بعض علماء کرام نے اسے استعارہ وتمثیل پر محمول کرتے ہوئے کہا ہے کہ عالم خارج میں ایسا کوئی واقعہ وقوع پذیر نہیں ہوا بلکہ یہ محض ایک تمثیل ہے کہ خداوند عالم کی توحید کی انفس وافاق میں اس قدر دلیلیں بکھیر دی گئی ہیں کہ گویا ہر انسان زبان حال سے پروردگار عالم کی توحید کا قرار کرتے ہوئے بلیٰ بلیٰ کے نعرے لگا رہا ہے۔ بہر حال سلف صالحین اور متبحر محدثین کا مسلک وہی ہے جو اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں وارد شدہ آیات وروایات کے انکار وتاویل کی کوئی وجہ نہیں ہے جبکہ ان کے ظاہری معنوں پر محمول کرنے میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ بھلا اگر خدائے قادر وقدیر ان تمام انسانوں کو جنہیں وہ قیامت تک پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ بیک وقت زندگی، شعور اور قوت گویائی عطا فرما کر اپنی بارگاہ میں حاضر کر کے اس طرح سوال وجواب کرے تو کیا یہ ممکن نہیں ہے؟

ممکن ہے اور یقیناً ہے اور اگر کوئی اسے بعید از امکان سمجھتا ہے تو یہ اس کے دائرہ عقل وفکر کی تنگ دامانی کا ثمرہ ہے۔ ورنہ جس طرح نسل انسانی کی تدریجی خلقت ممکن ہے اسی طرح ازل میں ان کی اجتماعی طور پر خلقت بھی ممکن ہے اور اسی طرح قیامت کے دن یعنی ابد میں ان کا اجتماعی حشر ونشر بھی ممکن ہے اور جب ایک چیز عقلاً ممکن ہے اور مخبر صادق نے اس کے واقع ہونے کی خبر دی ہے۔ تو پھر ایک سچے مسلمان کیلئے اس کے انکار کا کیا جواز ہے؟ آیا محض اس استبعاد پر اس کا انکار کر دیا جائے کہ وہ عہد ہمیں یاد کیوں نہیں ہے؟ اور جب یاد نہیں ہے تو پھر اسے حجت کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر طویل زمانہ گزر جانے، اس واقعہ اور ہمارے موجودہ زمانہ کے درمیان جنیں اور طفولیت وغیرہ کوائف کے حائل ہو جانے کی وجہ سے یہ واقعہ ہمارے ذھن اور شعور میں موجود نہیں ہے تو کم از کم تحت الشعور میں تو آج بھی موجود ہے۔ اور انسانی فطرت میں بھی آج بھی اس طرح راسخ ہے کہ اگر آج بھی اس کی صحیح تعلیم و تربیت اور راہنمائی کا اہتمام کیا جائے تو خارج میں اس کے ظہور پذیر ہونے میں ذرا دیر نہیں لگے گی۔

اور یہی حال ہمارے دوسرے تحت الشعوری علوم وفنون کا ہے کہ وہ بالقوہ ہمارے اندر موجود ہیں اور خارجی محرکات اور داخلی تحریکات مل کر اسے بالفعل وجود دے دیتی ہیں۔ بہرکیف چونکہ یہ واقعہ تنہا روح کے ساتھ پیش آیا تھا اور اس وقت اس پر موجودہ جسم کا مادی غلاف نہیں چڑھا تھا لیکن جب وہ اب اس کثیف جسم میں مقید ہو گئی ہے تو سابقہ واقعات فراموش کر بیٹھی ہے۔ تو اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے وہ بھولا ہوا سبق یاد آ جائے تو اسے چاہیے کہ علائق جسمانیہ وشہوانیہ سے تعلق قطع کرے اور نور ایمان کو جلا دے اور شرعی ریاضات کے ذریعہ سے اپنی روح کو کثافات نفسانیہ سے صاف وشفاف کرے پھر دیکھے کہ بھولی ہوئی باتیں کس طرح یاد کرتی ہیں۔

ہاں مجرد شو مجرد را ببیں
دیدن ہر چیز را شرط است ایں

ان حقائق کی روشنی میں تعجب ہوتا ہے کہ جناب سید مرتضی علم الہدیٰ نے امالی میں سید رضی نے حقائق التاویل میں اور شیخ الطائفہ شیخ طوسی نے تفسیر تبیان میں اور ان کے تتبع میں امین الاسلام طبرسی نے مجمع البیان میں اس مشہور اسلامی نظریہ کو خلاف عقل کس طرح قرار دیا ہے؟ اور پھر تعجب بالائے تعجب ہے حضرت علامہ سید علی نقی النقوی مرحوم پر کہ جنہوں نے دونوں قول نقل کر کے اس مسئلہ کو قالب اجمال واشکال میں رکھتے ہوئے یہ کہہ کر اپنے عدم اطمینان کا اعلان کس طرح کیا ہے؟

چنانچہ جناب موصوف مجمع البیان کی طویل عربی عبارت اور اس کا ترجمہ نقل کرنے کے بعد جس میں انہوں نے اس واقعہ کو استعارہ اور تمثیل پر محمول کیا ہے فرماتے ہیں:

''لیکن آغاز آیت کا جس انداز سے ہوا ہے ''**واذا خذ ربك**'' جس کے معنی عموماً اس طرح کے ہوتے ہیں کہ وہ موقع بھی خاص تھا۔ یا وہ موقع بھی یاد رکھنے کا ہے یہ انداز بتاتا ہے کہ کسی ایک وقت پر وقوع میں آنیوالے کسی واقعہ کا ذکر ہے اس کے علاوہ کچھ حدیثوں میں بھی جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت میں اشارہ موجود ہے: ''**یوم الذر**'' اور ''**یوم اخذالمیثاق**'': یعنی عہد الست کا ذکر ہے۔ اس لئے ان محققین کی اتنی مستحکم بحث

کے بعد بھی میں اس مرحلہ میں کسی قابل اطمینان نتیجہ تک نہیں پہنچا ہوں'' (فصل الخطاب)

اسی طرح بعض مفسرین نے اپنی تفسیر کے پورے اٹھارہ صفحات میں یہ مضمون پھیلا کر اس طرح غلط ملط کر دیا ہے کہ کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ حالانکہ مطلع حقیقت بالکل صاف ہے جس پر کسی قسم کا کوئی عقلی یا نقلی گرد وغبار نہیں ہے۔ والحمدللہ۔

مخفی نہ رہے کہ ہماری بہت ساری احادیث عہدالست میں اقرار توحید کے ساتھ ساتھ سرکار رسالت وولایت کی نبوت وامامت کے عہد و پیمان کا لیا جانا بھی مذکور ہے۔ فراجع (تفسیر عیاشی۔ صافی وبرہان وغیرہ) اس موضوع کی مزید تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کلامی کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد کی طرف رجوع فرمائیں۔

ایضاح

نیز یہ بھی واضح رہے کہ بعض فضلاء کی یہ تحقیق بھی قابل دید وداد ہے جس سے ان دونوں نظریوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ خدا نے اولاد آدم سے دو میثاق لئے ہیں۔

۱۔ حالی ۲۔ مقالی۔

حالی میثاق تو یہ ہے کہ اس کی فطرت میں عقیدہ توحید کی طرف میلان رکھ دیا اور اس کے بطن میں دلائل کے چراغ روشن کر دیئے ہیں۔ وہ اپنی زبان حال سے بلیٰ کہہ رہے ہیں اور دوسرا میثاق وہ تھا جس کا ذکر حدیث پاک میں ہے جو روز میثاق کو لیا گیا''۔ (ضیاء القرآن بحوالہ روح المعانی)

۱۳۵۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِي...الآیۃ۔

بلعم بن باعورا کا قصہ

اس آیت کے ظاہری الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کا واقعہ ہے۔ جو عالم تو بہت بڑا تھا۔ مگر جو ہر عمل سے عاری تھا اس کا نام کیا تھا؟ کتب فریقین سے واضح ہوتا ہے اور یہی مشہور ومنصور ہے کہ اس کا نام بلعم بن باعورا تھا۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں تھا اور کتب سماویہ کا بڑا عالم تھا نیز اسکے پاس کچھ اسم اعظم بھی تھا جس کی وجہ سے وہ مستجاب الدعا بھی تھا مگر تاریخ میں دو نام اور بھی ملتے ہیں امیہ بن ابی صلت ثقفی۔ اور ابو عامر بن نعمان بن صیفی اور یہ دونوں پیغمبر اسلامؐ کے دور میں تھے۔

بہر حال آیات کچھ یوں بیان کرتی ہیں کہ ''شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ اور اسے گمراہ کر کے چھوڑا

۔اگر ہم چاہتے تو ان بعض آیات کی وجہ سے اسے حقیقی علماء والی بلندی عطا کرتے۔ مگر وہ زمین کی طرف جھک گیا''۔دنیا طلبی اور اس کے عیش و آرام کے سفلی جذبہ میں گرفتار ہو گیا اور فرعون کا طرفدار ہو گیا اس لئے خدا نے اسے وہ بلندی عطا نہ کی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ خدا کا چاہنا بندہ کے ذاتی صفات جمیلہ کی بنا پر ہوتا ہے اور اس کا نہ چاہنا بندہ کے سوئے اختیار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اب طمع و حرص اور خست نفس میں اس کی مثال کتے کی سی ہے۔ کہ تم اس پر حملہ کرو تو بھی زبان لٹکائے رہتا ہے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رہتا ہے گو اسے صرف تمثیل پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ مگر بعض اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ اس شخص نے دنیا کے عارضی مال و متاع و ساز و سامان کے لالچ میں آکر فرعون کے انگیخت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کی تھی اس لئے اس کا الٹا اثر یہ ہوا تھا کہ اس کی زبان کتے کی طرح منہ سے باہر نکل کر سینہ پر لٹک گئی تھی اور اس سے اسم اعظم لے لیا گیا تھا (تفسیر شبر)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

''اس سے حسب ظاہر تو بلعم بن باعورا مراد ہے مگر در حقیقت اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ہدایت یافتہ ہونے کے باوجود دین کے تقاضوں کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفس کو ترجیح دے'' (تفسیر صافی)۔

بلعم کتنا بڑا عالم تھا؟

بعض مورخین کا بیان ہے کہ بلعم اتنا بڑا عالم تھا کہ ہزاروں طلبہ اس کی مجلس درس میں حاضر ہوتے تھے اور وہ جو کچھ کہتا تھا اسے قلمبند کر لیتے تھے۔ مگر اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرنے کی وجہ سے اس کا یہ برا انجام ہوا۔ سچ ہے۔

لو کان للعلم شرف من غیر تقی
لکان اشرف الناس ابلیس

یعنی

اگر عمل کے بغیر علم کو کوئی شرف حاصل ہوتا
تو پھر سب لوگوں سے اشرف ابلیس ہوتا

اللھم وفقنا للعلم والعمل بہ و اعذنا من الحور بعد الکور بحق النبی و آلہٖ

آیات القرآن

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ
فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ
ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ
يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖۚ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا
يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ
هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر ہم چاہتے تو ان نشانیوں کی وجہ سے اس کا مرتبہ بلند کرتے ۔مگر وہ تو زمین (پستی) کی طرف جھک گیا۔اور اپنی خواہش نفس کا پیرو ہو گیا۔تو اب اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی ہانپتا ہے اور یونہی چھوڑ دو تب بھی ایسا کرتا ہے۔(زبان لٹکائے ہانپتا ہے)یہ مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری نشانیوں کی جھٹلایا (اے رسول)تم یہ قصص و حکایات سناتے رہو شاید وہ غور وفکر کریں ۔(۱۷۶) کیا بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا۔اور جو خود اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے (۱۷۷) جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہی میں چھوڑ دے وہی لوگ گھاٹا اٹھانے والے ہیں (۱۷۸)اور کتنے جن وانسان ایسے ہیں جنہیں ہم نے جہنم کیلئے پیدا کیا ہے

(یعنی ان کا انجام کار جہنم ہے) ان کے دل و دماغ ہیں مگر سوچتے نہیں ہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے۔ کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں ہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ (اور گئے گذرے ہیں) یہی لوگ ہیں جو بالکل غافل و بے خبر ہیں۔ (۱۷۹)

تفسیر الآیات

۱۳۶۔ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ ...الآیۃ۔

یعنی جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کی مثال بھی یہی ہے۔ یعنی بدحالی، اضطراب اور ذلت و رسوائی اور نکبت و پسپائی کسی ایک منکر حق کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جو شخص یا جو قوم بھی حق کو پہنچان کر مگر دینوی طمع و لالچ میں آکر اس سے روگردانی کرے اس کا یہی عبرتناک انجام ہوتا ہے۔

۱۳۷۔ فَاقْصُصِ ...الآیۃ۔

آپ یہ قصہ لوگوں کو سنائیں شاید وہ غور وفکر کریں اور اس واقعہ ہائلہ سے عبرت حاصل کریں۔

ان آیات اور اس واقعہ سے حاصل شدہ درسہائے عبرت

صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں مذکورہ بالا آیات اور اس واقعہ سے اہل فکر کیلئے بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں۔

۱۔ یہ کہ کسی شخص کو اپنے علم وفضل اور زہد وعبادت پر ناز نہیں کرنا چاہیے۔ حالت کے بدلنے اور بگڑنے میں دیر نہیں لگتی۔ استقامت کی دعا کرنی چاہیے اور اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔

۲۔ ایسے مواقع اور ان کے مقدمات سے آدمی کو پرہیز کرنا چاہیے۔ جہاں اسے دین کی خرابی کا اندیشہ ہو خصوصاً مال اور اہل وعیال کی محبت۔

۳۔ مفسد اور گمراہ لوگوں سے تعلقات اور ان کے ہدیے اور دعوتیں قبول کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ بلعم اسی وجہ سے اس بلا میں مبتلا ہوا۔

۴۔ بے حیائی اور حرام کاری پوری قوم کیلئے تباہی و بربادی کا باعث ہوتی ہے تو جو شخص قوم کو بلاؤں سے بچانا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ اپنی قوم کو بے حیائی سے پورے اہتمام کے ساتھ روکے۔

۵۔ آیات الٰہیہ کی خلاف ورزی خود ایک عذاب ہے اور اس کی وجہ سے شیطان آدمی پر غالب آ کر اسے ہزاروں خرابیوں میں مبتلا کر دیتا ہے لہٰذا جس شخص کو علم دین کی دولت عطا ہو گئی ہے اسے چاہیے کہ اس کی قدر کرے اور اصلاح عمل کی فکر سے کسی وقت بھی فارغ نہ ہو۔ احفظ هذا فانه در ثمین۔

۱۳۸۔ مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ ...الآیۃ۔

ہدایت یافتہ وہ ہے جسے خدا ہدایت کر دے

مطلب یہ ہے کہ ہدایت وہی لوگ پاتے ہیں۔ جن کو خدا توفیق ہدایت دیتا ہے۔ اور خدا انہی کو توفیق دیتا ہے جو خدا کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ہدایت حاصل کرنے کی کدوکاوش کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ ''وَ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا'' (سورہ عنکبوت...... ۶۹) اور جو لوگ خدا کی عطا کردہ صلاحیتوں سے کام نہیں لیتے اور نہ ہی ہدایت کے طالب صادق ہوتے ہیں بلکہ اپنے دل و دماغ اور سمع و بصر پر خواہشات کی پٹی باندھ کر زندگی گزارتے ہیں خدا ان کو توفیق ہدایت نہیں دیتا اس لئے گمراہیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں اور یہی لوگ دراصل ناکام و نامراد ہیں۔

الغرض حقیقی ہدایت یافتہ وہ ہے جو نگاہ قدرت میں ہدایت یافتہ ہے خواہ دنیا والے اسے گمراہ ہی کہیں اور حقیقی گمراہ وہ ہے جو خدا کی نگاہ میں گمراہ ہے خواہ دنیا والے اسے ہدایت یافتہ ہی کہیں۔

۱۳۹۔ وَ لَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ ...الآیۃ۔

جن و انس کو جہنم کیلئے پیدا کرنے کا صحیح مفہوم

اس آیت سے حسب ظاہر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ خدا نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کیلئے پیدا کیا ہے جبکہ قرآن کی دوسری محکم آیات سے واضح ہوتا ہے کہ خدا نے تمام بنی نوع جن و انس کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں ارشاد قدرت ہے۔ ''وَ مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ'' (سورہ ذاریات...... ۵۶) تو کیا پھر قرآن میں اختلاف ہے؟ حالانکہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اور اسی اختلاف و تضاد کا نہ ہونا اس کے کلام خدا ہونے کی ناقابل رد دلیل ہے۔ ''وَ لَوۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَیۡرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوۡا فِیۡہِ اخۡتِلَافًا کَثِیۡرًا'' (سورہ نساء...... ۸۲)۔ تو پھر وجہ توفیق و تطبیق کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''لیعبدون'' میں جو لام ہے لام غایت ہے۔ کہ جن و انس کی غرض خلقت یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی عبادت کریں اور پھر خدا کی رضا کا پروانہ حاصل کر کے جنت الفردوس کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوز

ہوں۔اور ''وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ''میں جولام ہے وہ لام عاقبت ہے جو کسی چیز کے انجام کو ظاہر کرتی ہے۔مطلب یہ ہوا کہ خدا یہ فرما رہا ہے کہ میں نے جن وانس کو پیدا تو اپنی عبادت کیلئے کیا تھا۔مگر ان کی اکثریت نے اپنے سوء اختیار سے جو راستہ اختیار کیا ہے اس کا انجام جہنم ہے اور اس کی نظیریں قرآن وسنت اور کلام عرب میں بکثرت موجود ہیں ارشاد قدرت ہے۔''فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا''(سورہ قصص......۸)۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے گھر والوں نے دریا سے نکال لیا تا کہ ان کیلئے دشمن اور غم وغصہ کا باعث بنے۔حالانکہ انہوں نے تو اس لئے اٹھایا تھا کہ وہ بڑا ہو کر ان کے کام آئے اور باعث راحت جان بنے۔ کہ یہاں بھی ''لیکون''میں جولام۔وہ لام عاقبت ہے کہ اٹھایا تو اور مقصد کیلئے تھا مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا اور انجام یہ ہوا کہ وہ فرعون اور اس کے خاندان کیلئے تباہی و بربادی کا باعث بن گیا عرب کا شاعر کہتا ہے۔

وللموت تغذ واالو الدات سخا لها

كما لخراب الدهر تبنى المساكين۔

جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ مائیں موت کیلئے اپنے بچوں کو غذا کھلاتی ہیں۔جیسا کہ مکانات خراب ہونے کیلئے بنائے جاتے ہیں۔حالانکہ ماؤں کا دودھ پلانے سے اور بانیوں کا مکان بنانے سے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ بچے مریں اور مکان گریں۔مگر انجام کار ہوتا یہی ہے۔کہ جو بھی پیدا ہوتا ہے وہ ایک نہ ایک دن مرتا ضرور ہے۔اور جو بھی مکان بنایا جاتا ہے وہ ایک نہ ایک دن گرتا ضرور ہے ایک اور شاعر کہتا ہے۔

الايا ساكن القصر المعلى

سدفن عن قريب فى التراب

له ملك ينادى كل يوم

لدوا للموت وابنوا للخراب

ان اشعار آبدار کے آخری مصرعہ میں ''للموت''اور للخراب پر جو لام ہے وہ بھی لام عاقبت ہے۔

بہر حال ع

یہی قانون قدرت ہے یہی آئین فطرت ہے

۱۴۰۔ اَلَهُمْ قُلُوْبٌ ...الآية۔

ان کا یہ انجام بد کیوں ہوا؟ اور دوزخ کا ایندھن کیوں بنے؟ محض اس لئے کہ انہوں نے خدا کی عطا کر

دہ ان گرانقدر نعمتوں اور صلاحیتوں کو ان کے صحیح مصرف میں صرف نہیں کیا بلکہ انہیں بالکل معطل کر دیا چنانچہ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ عقلیں تو رکھتے ہیں مگر ان سے سوچتے نہیں ہیں۔ بلکہ ان انسان نما حیوانوں نے یہ تمام قوتیں نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دنیاوی لذتوں سے لطف اندوز ہونے کیلئے وقف کر دی ہیں لہٰذا یہ لوگ چار پایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر اور گمراہ تر ہیں کیونکہ ایک چوپایہ اگر حق و باطل، خیر و شر اور جائز و ناجائز میں امتیاز نہیں کرتا تو وہ عقلاء روزگار کے نزدیک مجبور و معذور ہوتا ہے ہر شخص یہی کہتا ہے کہ بے چارہ بے عقل ہے، ڈنگر ڈھور ہے۔ لیکن اگر کوئی انسان اور صاحب عقل و خرد ہوتے ہوئے بھی انہی چوپایوں والے کام کرے تو پھر ہر ہوشمند انسان یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ یہ چوپایوں سے بھی بدتر ہے اور ان سے بھی گمراہ تر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ باوجود یکہ وہ ہمیشہ ''اهدنا الصراط المستقيم '' کی دعا تو کرتے ہیں۔ مگر خدا ایسے عقل کے اندھوں کو ہدایت نہیں کرتا، کیونکہ ہدایت حاصل کرنے کی شرط اولین یہ ہے کہ عقل جن دروازوں سے روشنی حاصل کرتی ہے یعنی سمع و بصر (سننے اور دیکھنے کی قوتیں) وہ کھلے رکھے جائیں اور ان پر تعصب اور اندھی تقلید کے تالے نہ لگائے جائیں تاکہ وہ جو کچھ آنکھوں سے دیکھیں اور کانوں سے سنیں وہ خداداد عقل پر پیش کریں تاکہ عقل حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان فیصلہ کرے اور پھر یہ حق کی اتباع کریں اور باطل سے کنارہ کشی کریں۔ ''فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰاهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ''۔

کیوں کہ ہدایت و سعادت کی راہ عقل و تفکر کی راہ ہے اور شقاوت و گمراہی کا سرچشمہ جہل و کوری اور حواس و تفکر کو بے کار کر دینا لہٰذا جو لوگ ان خداداد قوتوں سے کام نہیں لیتے وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے یہی وہ لوگ ہیں جو بالکل غافل اور مدہوش ہیں۔

آیات القرآن

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ
سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ
يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ٜ مَا

بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ
مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ
يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور اللہ ہی کیلئے اچھے اچھے نام ہیں اسے انہی کے ذریعہ سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں ۔ عنقریب انہیں ان کے کئے کا بدلہ مل جائے گا ۔(۱۸۰) ہماری مخلوق میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کے مطابق ہدایت کرتا ہے اور اسی کے مطابق (لوگوں کا) فیصلہ کرتا ہے(۱۸۱) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں (نشانیوں) کو جھٹلایا ہم انہیں بتدریج (آہستہ آہستہ ان کے انجام بد کی طرف) لیجائیں گے کہ انہیں اس کی خبر تک نہ ہوگی (۱۸۲) اور میں انہیں ڈھیل دیتا ہوں بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے(۱۸۳) کیا ان لوگوں نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ ان کے ساتھی (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں ذرا بھی جنون نہیں ہے۔ وہ تو بس کھلم کھلا (خدا کے عذاب سے) ڈرانے والا ہے(۱۸۴) کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی میں اور ان چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں کبھی غور وفکر نہیں کیا؟ اور کبھی نظر اٹھا کر ان کو نہیں دیکھا؟ اور اس بات پر کہ شاید ان کا (مقررہ) وقت آ گیا ہو۔ تو اب وہ اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟(۱۸۵)

تفسیر الآیات

۱۸۱ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ...الآیۃ۔

خدا کے اسماء حسنیٰ کا تذکرہ

خداوند عالم نے یہاں یہ واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بڑے اچھے نام ہیں جیسے رحمن، رحیم، رؤف، کریم وغیرہ۔ کیونکہ یہ اچھے معانی ومفاہیم پر مشتمل ہیں ان اسماء مبارکہ کی چند قسمیں ہیں۔

اللہ کے اسماء کی چند قسمیں

ا۔ کچھ وہ ہیں جو خدا کی صفات ذات پر دلالت کرتے ہیں جیسے عالم، قادر، حی، قدیم، سمیع وبصیر وغیرہ۔
۲۔ کچھ وہ ہیں جو خدا کی صفات فعل پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے خالق، رازق، مبدع، محی اور ممیت وغیرہ۔
۳۔ اور کچھ وہ ہیں جو خدا کی تنزیہہ اور صفات نقص سے اس کی تقدیس پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے غنی، واحد اور قدوس وغیرہ یہ حقیقت بیان کرنے کے بعد خدائے علیم وحکیم نے اپنے بندوں کو ایک بات کا حکم دیا ہے اور ایک بات سے منع کیا ہے۔ جس بات کا حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کو انہی اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکارو۔ جیسے ''یا اللہ یا رحمن، یا رحیم یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك''

بنا بر مشہور خدا کے ننانوے نام ہیں مگر دعاء جوشن کبیر پڑھنے سے ایک ہزار ناموں کی نشاندھی ہوتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ہماری عقل وخرد کی حد ہے ورنہ جس طرح خدا کی ذات اور اس کے صفات جلال و جمال غیر محدود ہیں اسی طرح اس کے اسماء حسنیٰ بھی غیر محدود ہیں بہر حال اس حکم سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ مشکلات ومصائب اور طلب حوائج کے وقت دعا و پکار خدا سے کرنی چاہیئے کیونکہ وہی حاجت روا اور حقیقی مشکل کشا ہے دوسری یہ کہ اسے پکارنا بھی انہی ناموں سے چاہئے جو اس نے اپنے لئے مقرر کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں کوئی بھی شخص آزاد نہیں ہے کہ جن الفاظ سے چاہے خدا کو پکارے کیونکہ وہی بہتر جانتا ہے کہ کون سے اسماء و الفاظ اس کی شان کے شایان ہیں۔ ایک عام انسان اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔

اللہ کے اسماء توقیفی ہیں

یہی وجہ ہے کہ علم کلام کے علماء اعلام نے ثابت کیا ہے کہ اللہ کے نام توقیفی ہیں یعنی ہم اللہ تعالیٰ پر انہی ناموں کا اطلاق کر سکتے ہیں جن کی شریعت نے اجازت دی ہے ہم اپنی طرف سے کوئی نام گھڑ کر اس پر اطلاق کرنے کے روادار نہیں ہیں مبادا ہماری زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل جائے جو اس کے شایان شان نہ ہو چنانچہ حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ان الخالق لا یوصف الا بما وصف به نفسه وانی یوصف الذی تعجز الحواس ان تدرکه والاوهام ان تناله'' خالق کی صرف انہی صفات کے ساتھ وصف بیان کی جاسکتی ہے جن سے خود اس نے اپنی توصیف کی ہے۔ اور بھلا (کس طرح) اس کی وصف بیان کی جاسکتی ہے جس کے ادراک اور پانے سے حواس واوہام عاجز ہیں (الکافی)

اور نہ ہی خدا کے مقررہ ناموں کا اس کی مخلوق پر اطلاق کر سکتے ہیں یعنی ہم بندوں کا نام عبدالرحمن، عبدالرحیم، عبدالخالق، عبدالمالک، عبدالغفار اور عبدالستار تو رکھ سکتے ہیں لیکن رحمن، رحیم، خالق، مالک، غفار اور ستار نہیں رکھ سکتے جیسے کہ آجکل رکھے جارہے ہیں یا صحیح ناموں کو مخفف کر کے بگاڑا جارہا ہے اس سے مکمل اجتناب کرنا لازم ہے۔

ایضاح

ہمارے آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی بعض حدیثوں میں وارد ہے فرمایا:

''نحن واللہ الاسماء الحسنی الذی لا یقبل من احد طاعۃ الا بمعر فتنا فادعوہ بہا'' بخدا وہ اسماء اللہ الحسنی ہم ہیں کہ جن کی معرفت کے بغیر اللہ کسی کی اطاعت قبول نہیں کرتا فرمایا بس اللہ کو ہمارے توسل سے پکارو۔ (عیاشی، صافی، نور الثقلین وغیرہ)

اس قسم کی حدیثوں کا نہ یہ مطلب ہے کہ ہم ہی اللہ کے نام ہیں اور نہ ہی یہ مفہوم ہے کہ ہمیں پکارو۔ بلکہ اس کا صاف اور سادہ مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کے اسماء کے حقائق کے امین ہیں۔ اور اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں لہذا ہمارے توسل سے خدا کو پکارو۔ اللہ بس باقی ہوس

اور جس بات سے خدا نے منع کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ کے ناموں میں الحاد و کجروی نہ کی جائے۔ اور اگر کوئی ایسا کام کرتا ہے تو تم اسے چھوڑ دو اور ان کا معاملہ خدا کے حوالہ کر دو وہ اس کے یہاں سے اپنے کئے کی سزا پائیں گے اس کے کئی صحیح مفہوم ہو سکتے ہیں۔

(الف) ایسے ناموں سے خدا کو پکارا جائے جن سے کسی غلط عقیدہ کی ترجمانی ہوتی ہو یا جو اس کے جمال و کمال کے خلاف ہوں۔

(ب) اس کے ناموں کا مخلوق پر اطلاق کیا جائے۔

(ج) اللہ کے ناموں سے مشتق کر کے کچھ بتوں وغیرہ کے نام رکھے جائیں گے اللہ سے لات، عزیز سے عزیٰ اور منان سے منات وغیرہ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے وہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں: ''و لہ الاسماء الحسنی التی لا یسمی بہا غیرہ'' کہ اللہ کیلئے اسماء حسنیٰ ہیں جن سے کسی اور کا نام نہیں رکھا جا سکتا۔ (کتاب توحید صدوق)

اس کے ناموں سے اللہ کو پکارنے کی بجائے اور اس کی حمد و ثنا کرنے کی جگہ ان کو سحر و جادو میں استعمال کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال ایسا کرنے والوں کو ان کے اس فعل کی سزا ضروری دی جائیگی۔

۱۴۲۔ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ ...الآیۃ۔

قبل ازیں اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۵۹ میں جناب موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ایک گروہ کے بارے میں یہ کلمات استعمال کیے گئے تھے اور اب یہاں عام مخلوق کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ اس میں سے ہمیشہ اور ہر دور میں کچھ ایسے لوگ ہیں اگرچہ تعداد میں اقل قلیل ہوں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور حق کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کبھی بھی تمام مخلوق گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا پر مذہب شیعہ کا یہ نظریہ ہے کہ زمین خدا کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہتی خواہ وہ نبی و رسول کی صورت میں ہو یا وصی و امام کی شکل میں۔ اور خواہ ظاہر و مشہور ہو یا خائف و مستور۔ (اصول کافی وغیرہ)

چنانچہ اسی آیت کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام و حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے مروی ہے فرمایا ھم الآئمہ۔ کہ اس سے مراد آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں (کافی، عیاشی، صافی)

اور حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا اسلام کے تہتر فرقوں میں سے یہی فرقہ ناجی ہے جس کا اس آیت میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر عیاشی و صافی وغیرہ)۔

۱۴۳۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا ...الآیۃ۔

خدا کے قانون استدراج و امہال کا تذکرہ

اس آیت شریفہ میں خدا کے قانون استدراج و امہال کی طرف واضح اشارہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا بندہ کے گناہ کرنے پر اسے جلدی سزا نہیں دیتا بلکہ بندہ جوں جوں گناہ کرتا جائے توں توں خدا اسے دنیوی مال و منال اور اسباب جاہ و جلال سے نوازتا جاتا ہے۔ مگر جزا عمل کا قانون اس سے غافل نہیں ہوتا اور بالآخر وہ تدریجاً اس نتیجہ پر پہنچ کر رہتا ہے جو انکار و سرکشی کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ قبل ازیں سورہ آل عمران آیت نمبر......۷۸ ''ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر" الآیۃ اور سورہ انعام کی آیت نمبر ۴۴ ''فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ''۔ کی تفسیر میں اور اسی سورہ اعراف کی آیت ۹۴ ''وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ''۔ کی تفسیر میں بڑی تفصیل کے ساتھ یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ خدا کا ایک قانون امہال ہے کہ وہ گنہگاروں اور بدکاروں کو دفعۃً اور یکا یک نہیں پکڑتا بلکہ کبھی دکھ سے کبھی سکھ سے کبھی نقمت سے کبھی نعمت سے ڈھیل پر ڈھیل دیتا رہتا ہے کہ شاید وہ باز آجائے یا پھر دل کھول کر گناہ کر لے اور اپنی حسرت پوری کرے (لیزدادو

اثماً) لیکن جب وہ پھر بھی باز نہ آئے تو پھر اسے آہستہ آہستہ پکڑتا ہے۔حتیٰ کہ وہ بالآخر ہلاکت و بربادی کے اس عمیق چاہ میں گرتا ہے کہ جس سے پھر کبھی باہر نہیں نکل سکتا ہے۔اسی کا نام قانون استدراج قانون، امہال اور قانون املا ہے۔فرماتا ہے۔ان کیدی متین یہاں ''کید'' کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ میری یہ تدبیر بڑی مضبوط و مستحکم ہے کہ کہ میں سزا دینے میں جلد بازی نہیں کرتا۔

ع دیر گیرو سخت گیرد مر ترا

۱۴۴۔ اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا ...الآیۃ۔

منکروں نے ہمیشہ داعیان حق کو مجنون کہا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ منکرین و کافرین نے داعیان حق یعنی انبیاء و مرسلین کو مجنون کہا ہے۔ چنانچہ کفار مکہ اور اشرار قریش نے پیغمبر اسلامؐ کو بھی مجنون کہا۔خدا فرما رہا ہے یہ منکرین اتنا بھی غور و فکر نہیں کرتے کہ ان کا ساتھی یعنی پیغمبر اسلامؐ انہی لوگوں میں پیدا ہوا۔انہی میں پلا بڑھا اور انہی میں جوان ہوا یہ کوئی اجنبی شخص نہیں ہے بلکہ ان کا ایک ساتھی ہے اعلان نبوت سے پہلے صادق بھی تھا اور امین بھی سلیم الفطرت بھی تھا اور صحیح الدماغ بھی۔مگر جونہی اعلان نبوت کیا اور خدا کا کلام و پیغام پہنچانا شروع کیا تو یکا یک ان کی نگاہوں میں (معاذ اللہ) خائن بھی ہو گیا اور کاذب بھی اور کج طبع بھی ہو گیا اور مجنون بھی۔یہ لوگ اپنے مشاہدہ سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے ہیں اور غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟ آخر ان میں جنون کی کیا علامت ہے؟ ان کی کون سی بات خلاف عقل وفطرت ہے اور مجنونانہ ہے؟

کیا ان کو ان کی یہی بات مجنونانہ نظر آتی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ کائنات کا خالق ہے اور وہ واحد و یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔اور وہی معبود برحق ہے اس کے سوا اور کسی کی عبادت جائز نہیں ہے اسی کی بندگی کرنی چاہئے وہی نفع ونقصان کا مالک ہے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں موت وحیات ہے اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے یا ان لوگوں کو اس نبی میں یہ جنون نظر آتا ہے کہ وہ ان کی خواہشات کی پروا نہیں کرتا بلکہ خدا کی منشاء کے مطابق کلام کرتا ہے

یا ان کو آپ کی اس روش میں جنون نظر آتا ہے کہ وہ ان لوگوں کے تیور دیکھ کر کام و کلام نہیں کرتا بلکہ بلا کم وکاست پیغام الٰہی لوگوں تک پہنچاتا ہے یا وہ اس لئے ان کو مجنون کہتے ہیں کہ وہ مصلحت وقت کو مدنظر نہیں رکھتا اور اپنے دنیوی نفع ونقصان کی پروا کیے بغیر حکم خدا کی تعمیل کرتا ہے اگر یہ بات ہے تو یہ ان کے عقل وخرد کا کمال

ہے اگر یہ لوگ زمین وآسمان کی خلقت اور ان کی سلطنت میں غور وفکر کریں تو ان کا ایک ایک ذرہ خدا کی ہستی اور اس کی توحید کی شہادت دے گا۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت وحقانیت کی گواہی دے گا۔ آہ۔ ما اکثر العبرو اقل الاعتبار؟

یہ جو تم منصوبے بنا رہے ہو کہ ابھی ایمان لانے کی کیا جلدی ہے۔ اگر ایمان لانا بھی پڑا تو اب تو عیش کر لیں بڑھاپے میں لے آئیں گے؟ ارشاد قدرت ہو رہا ہے ان نادانوں کو کیا معلوم کہ شاید ان کی موت کا وقت قریب آچکا ہو؟ اور انہیں بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھنا نصیب ہی نہ ہو عین عالم شباب میں کوچ کا نقارہ بج جائے؟ اور انہیں گمراہی کی حالت میں رخت سفر باندھنا پڑ جائے؟ کس پیارے اور دلنشین انداز میں انہیں جھنجوڑ اجا رہا ہے کہ اس پیغمبرؐ اور اس کی لاریب کتاب ہدایت قرآن مجید پر ایمان نہ لائے تو پھر اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟ فماذا بعد الحق الا الضلال۔ گویا کہ ان سے زبان حال سے کہا جا رہا ہے۔ کہ ؎

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

آیات القرآن

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا
يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ
اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا
ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ
الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ترجمۃ الآیات

جس کو اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا اور وہ (خدا) انہیں چھوڑ دیتا ہے تا کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔(۱۸۶) (اے رسول) لوگ آپ سے قیامت کی گھڑی کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ کہہ دو کہ اس کا علم تو میرے پروردگار کے ہی پاس ہے اسے اس کا وقت آنے پر وہی ظاہر کریگا۔ وہ گھڑی آسمانوں اور زمین میں بڑی بھاری ہے (وہ بڑا بھاری حادثہ ہے جو ان میں رونما ہوگا) وہ نہیں آئے گی تمہارے پاس مگر اچانک۔ لوگ اس طرح آپ سے پوچھتے ہیں جیسے آپ اس کی تحقیق اور کاوش میں لگے ہوئے ہیں؟ کہہ دو۔ کہ اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے۔ لیکن اکثر لوگ یہ حقیقت جانتے نہیں ہیں۔(۱۸۷) (اے رسول) کہہ دیجئے کہ میں اپنے نفع و نقصان پر کوئی قدرت واختیار نہیں رکھتا۔ مگر جو اللہ چاہے (وہی ہوتا ہے) اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور (زندگی میں) مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو بس (نافرمانوں کو) ڈرانے والا اور ایمانداروں کو خوشخبری دینے والا ہوں (۱۸۸)۔

تفسیر الآیات

۱۴۵۔ مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ ...الآیۃ۔

جو لوگ عدالت باری تعالیٰ کو جزء ایمان نہیں جانتے وہ تو بلا تردد اس قسم کی آیتوں کا یہ ترجمہ کر دیتے ہیں جسے اللہ گمراہ کرے اسے کون ہدایت کر سکتا ہے؟ مگر وہ اتنا سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ شیطان بھی گمراہ کرے (انہ عدو مضل مبین) سامری بھی گمراہ کرے (اضلھم السامری)۔ اور فرعون بھی گمراہ کرے۔ ''واضل فرعون قومہ'' اور پھر خدا بھی گمراہ کرے (معاذ اللہ) پھر ان میں فرق کیا رہ جائے گا؟

اگر گویم زبان سوزد

ہم کئی بار مناسب مقامات پر اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ جب ''اضلال'' کی نسبت خدا کی طرف دی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا نے ان کی سرکشی، ان کے کفر و طغیان اور گناہ و عصیان کی وجہ

سے ان سے اپنی توفیق ہدایت سلب کر کے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب ایسا رحمن و رحیم اور کریم خدا ان کی حالت سے مایوس ہو کر ان سے اپنا رخ پھیر لے تو پھر کون ان کو ہدایت کر سکتا ہے؟ ابھی اوپر آیت نمبر ۱۷۸ کی تفسیر میں اس مطلب پر مزید گفتگو ہو چکی ہے۔ فراجع۔

۱۴۶۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ... الآیة۔

عقیدہ قیامت کی اہمیت

قیامت پر ایمان رکھنا کہ ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے کہ جس دن پورا نظام کائنات فنا کے گھاٹ اتر جائے گا۔ اور ہر ذی روح موت کی آغوش میں چلا جائے گا۔ اور تمام اجرام ارضی و سماوی تہہ و بالا ہو جائیں گے اور پھر خدائے حکیم و علیم تمام لوگوں کی روحوں کو ان کے اصلی بدنوں میں داخل کر کے میدان حشر میں جمع فرمائے گا اور پھر ان کا محاسبہ ہوگا۔ اور لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دی جائے گی۔ یہ عقیدہ اسلام کے ان بنیادی عقائد اور اصول دین سے وہ اصل ہے کہ جس کا نہ صرف انکار کرنے والا بلکہ اس کی حقانیت میں شک کرنے والا بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور کافروں کے زمرہ میں داخل ہے پورا قرآن قیامت کے ذکر، اس کے حقائق کے بیان اور اس کے اہوال و شدائد کے تذکرہ سے لبریز نظر آتا ہے قرآن مجید کا شاید ہی کوئی ایسا سورہ ہو جس میں چند بار قیامت کا اجمالاً یا تفصیلاً تذکرہ نہ کیا گیا ہو۔

بہر حال یہ حقیقت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے کہ ”وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا لا وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ“۔ (حج...... ۷) قیامت یقیناً آنے والی ہے اور بے شک خدا قبروں والوں کو زندہ کرے گا۔ اور یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ جس قدر قرآن اور اسلام نے قیامت کے وقوع پذیر ہونے پر اصرار کیا ہے۔ کفار و مشرکین اور ملحدین نے اتنا ہی شدت سے اس کا انکار کیا ہے۔ اور جا بجا اس کا استہزاء کیا ہے اور تمسخر اڑایا ہے۔ چنانچہ یہاں جو مذکور ہے کہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ اگر یہ سوال کرنے والے مشرکین عرب اور کفار مکہ ہیں تو پھر یہ سوال انکار اور تمسخر کی راہ سے ہے اور اگر سوال کرنے والے اہل اسلام ہیں تو پھر یہ سوال حقیقت حال معلوم کرنے کی راہ سے ہے۔

قیامت کے وقوع کا وقت صرف علم الٰہی میں ہے

قرآن مجید کی اس آیت سے بھی اور دوسری ان تمام آیات سے بھی جہاں بھی قیامت کے بارے میں حضرت رسول خداؐ سے قیامت کا وقت دریافت کیا گیا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے وقوع پذیر ہونے کا حقیقی و

تحقیقی اوراحاطی وتفصیلی علم صرف پروردگار عالم کو ہے۔ چنانچہ یہاں فرمایا ہے۔ ''قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ'' ''اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ'' اسی طرح دوسرے مقامات پر بھی اس کا علم خدا کو تفویض کیا گیا ہے خدا نے بے شمار حکم ومصالح کے تحت اس کا احاطی وتفصیلی علم نہ کسی نبی مرسل کو بتایا ہے اور نہ کسی ملک مقرب کو اور نہ کسی مومن ممتحن کو احادیث میں بھی جو بعض اشراط الساعہ (قیامت کی علامات) بتائی گئی ہے ان سے بھی صرف قرب قیامت کا پتہ چلتا ہے کہ قیامت عنقریب آنے والی ہے۔ اس کے حقیقی اور تفصیلی وقت کا پتہ نہیں چلتا۔ قرآن کا بیان ہے کہ ''لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً'' وہ اچانک آئے گی۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا قیامت اس طرح اچانک آجائے گی کہ کوئی شخص اپنے حوض کی اصلاح کررہا ہوگا۔ کوئی اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہا ہوگا۔ کوئی اپنی پونجی کی بازار میں قیمت مقرر کررہا ہوگا۔ اور کوئی ترازو کو اونچا نیچا کررہا ہوگا (تفسیر صافی وغیرہ)

اس میں ایک عام سی حکمت یہ ہے کہ لوگ ہر وقت اس سے ڈرتے رہیں اور اس دن کی کامیابی کیلئے ہر وقت تیاری کرتے رہیں۔ بہر حال ''ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کبریٰ کے آنے سے اجرام ارضی وسماوی میں ایک عظیم حادثہ رونما ہوگا۔

عام انسانوں کی ایک بری عادت کا بیان

عام انسانوں کی یہ عجیب بری عادت ہے کہ وہ زیادہ تر ان چیزوں کے پیچھے پڑتے ہیں اور انہیں جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ جنہیں یا تو وہ جان نہیں سکتے یا ان کے جاننے میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہے اگر کسی کو کوئی بیماری لاحق ہوجائے تو وہ حکیم وڈاکٹر سے یہ نہیں پوچھتا کہ وہ اس بیماری سے کس طرح مرے گا اور کب مرے گا بلکہ وہ یہ سوال کرتا ہے کہ وہ کس طرح اس سے شفا حاصل کرے گا اور کس طرح بچے گا؟ ارشاد قدرت ہے کہ لوگ کرید کرید کر بار بار آپؐ سے یہ احمقانہ سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی ''كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا'' کہ گویا تم اس کی کاوش اور کھوج میں لگے ہوئے ہو کہ یہ معلوم کرو حالانکہ آپ کو اس لایعنی بحث سے کیا سروکار؟ کہہ دیجئے اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ مگر اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں اور آنحضرتؐ بھی صرف اتنا جانتے ہیں جتنا اجمالی طور پر خدا نے ان کو بتایا ہے مگر احاطی، تفصیلی اور تکمیلی علم صرف اللہ کو ہے۔ وبس۔

درس عبرت۔

جب مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح وآشکار ہوگئی کہ قیامت کبریٰ کے وقوع پذیر ہونے کا

تحقیق و تفصیلی علم صرف خداوند عالم کو ہے اور کوئی نبی مرسل بھی نہیں جانتا تو بعد ازیں ان پیشین گوئیوں کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ جو مختلف اوقات میں جنتریوں اور اخباروں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ جاہل اور احمق ہیں وہ لوگ جو اس قسم کی پیشین گوئیاں کرتے ہیں اور ان سے بڑے جاہل اور بے عقل وہ لوگ ہیں جو ان پر اعتبار کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

۱۴۷۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ... الآیۃ۔

ہادیان برحق کے بارے میں لوگ ہمیشہ افراط وتفریط میں مبتلا رہے ہیں

اقوام عالم کی تاریخ شاہد ہے کہ انسان کی یہ بدبختی اور عالمگیر گمراہی ہے کہ وہ جس سے عقیدت کا رشتہ استوار کرتا ہے اس کے حق میں اس طرح افراط سے کام لیتا ہے کہ اسے انسانیت و آدمیت کی سطح سے بلند کر کے مافوق الفطرت مخلوق قرار دیتے ہوئے اس کی عظمت کے ڈانڈے توحید سے ملا دیتا ہے اور اسے عالم الغیب سمجھتے ہوئے نہ صرف عام نفع ونقصان بلکہ موت وحیات کا مختار اور اسے قاضی الحاجات وحلال مشکلات ماننے لگ جاتا ہے اور جب کسی ہادی برحق سے نفرت کرتا ہے تو اس کے ہادی برحق ہونے کا بھی انکار کر دیتا اور اسے گناہ عصیان اور سہو ونسیاں میں عام لوگوں کی سطح سے بھی نیچے گرا دیتا ہے۔

مقام معرفت میں میانہ روی ضروری ہے

اسلام جو کہ دین فطرت ہے اور ہر ہر معاملہ میں اعتدال پسندی کا قائل ہے وہ یہاں داعیان حق کی معرفت کے سلسلہ میں بھی میانہ روی کا قائل ہے پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں **خیر االامور اوسطھا**۔ سب امور سے افضل وہ امر ہے جو میانہ روی پر مبنی ہو۔

اور حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **علیکم بالنمط الوسطیٰ** اس سلسلہ میں تمہارے اوپر میانہ روی لازم ہے۔ (نہج البلاغہ)۔

ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ۔ بہرحال خالق دو جہان نے بذریعہ قرآن پیغمبر آخر الزمانؐ کی زبان حق ترجمان سے یہ اعلان کرا کے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس افراط اور گمراہی کا سدباب کر دیا کہ ”میں اپنی جان کے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔ وہی ہو کر رہتا ہے۔ جو خدا چاہتا ہے۔ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سی منفعت اپنے لئے جمع کر لیتا۔ (اور زندگی میں) مجھے کوئی گزند نہ پہنچتا۔ میں اس کے سوا کیا ہوں کہ (نافرمانوں کو) ڈرانے والا۔ اور ایمان داروں کو خوشخبری دینے والا ہوں یعنی رسول ہوں۔ اور اس میں بہت کچھ آ گیا۔ کیونکہ جو

نبی ورسول ہوتا ہے۔ وہ لامحالہ

۱۔ عالم علم لدنی ہوتا ہے۔ ۲۔ وہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔

۳۔ وہ شجاع و بہادر ہوتا ہے۔ ۴۔ وہ حسب نسب میں سب سے افضل واعلیٰ ہوتا ہے۔

۵۔ اور وہ صاحب معجزات ہوتا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کا بیان بزبان قرآن تو سن لیا اب ان کی مسند کے آٹھویں وارث حضرت امام رضاؑ کا کلام و بیان بھی سن لیں امام۔ ایک طویل حدیث کے ضمن میں بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کرتے ہیں ''اللهم انا عبيدك وابناء عبيدك لا نملك لا نفسنا ضراً والا نفعاً۔ ولا موتاً۔ ولا حيوة والا نشوراً'' یا اللہ! ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے بندوں کے بیٹے ہیں ہم اپنے لئے نہ نفع کے مالک ہیں اور نہ نقصان کے اور نہ موت کے اور نہ بروز قیامت زندہ ہونے کے۔ (عیون الاخبار)

انبیاء وآئمہ کے علم غیب کا تذکرہ

۱۴۸ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ... الآية۔

قبل ازیں سورہ آل عمران کی آیت ۱۷۹ ''وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ'' کی تفسیر میں ہم علم غیب کی تعریف کر کے قرآن وسنت کی روشنی میں بڑی تفصیل جمیل سے ثابت کر آئے کہ عالم الغیب صرف خداوند عالم کی ذات جامع جمیع کمالات ہے۔ اور یہ صفت صرف اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ علم کلام کی اصطلاح میں عالم الغیب صرف اس ذات کو کہا جاتا ہے کہ جس کا علم ذاتی ہو کسی اور سے مستفاد نہ ہو اور پھر اس طرح کلی واحاطی ہو کہ کائنات ارضی وسماوی کا کوئی زرہ اس کے علمی احاطہ سے خارج نہ ہو ظاہر ہے کہ یہ شان صرف خالق دوجہان کی ہے (اوائل المقالات از شیخ مفید وہفتم بحارالانوار از علامہ مجلسی)۔

اطلاع علی الغیب علم غیب نہیں ہے

بعض قرآنی آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ خدا اپنے رسولوں میں سے جسے جس قدر چاہتا ہے اپنے بعض غیوب پر بذریعہ وحی مطلع کر دیتا ہے چنانچہ آنحضرتؐ کو بھی ہزاروں غیوب پر مطلع کیا تھا مگر ارباب علم و دانش جانتے ہیں کہ عالم الغیب ہونا اور ہے اور بعض غیبی امور پر مطلع ہونا اور ہے؟ یہ درحقیقت علم غیب نہیں ہے بلکہ یہ غیبی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی انبیاء کو دیگئی ہیں اور پھر ان کے ذریعہ سے ان کے اوصیاء اور ائمہ تک پہنچتی ہیں بنا

بریں انبیاء وآئمہ باطلاع وعلام اللہ بعض غیوب پر مطلع ضرور ہوتے ہیں مگر عالم الغیب نہیں ہوتے۔

خاتم الانبیاء کے علم غیب کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں

زیر قلم آیت مبارکہ میں خداوند علیم وحکیم نے جہاں پیغمبر اسلامؐ کی زبان حق ترجمان سے آپ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کرائی ہے وہاں ساتھ دو ناقابل رد عقلی دلیلیں بھی پیش کی ہیں اگر میں عالم الغیب ہوتا تو۔ ا۔ بہت سارے فوائد اور منافع جمع کر لیتا ہے مثلاً یعنی خوشحالی والے سال مال ومتاع خرید کر قحط سالی والے سال کیلئے ذخیرہ کر لیتا اور ارزانی کے وقت گرانی کے وقت کیلئے چیزیں خرید لیتا۔ (مجمع البیان)۔

۲۔ زندگی میں مجھے کوئی گزند نہ پہنچتا اور نقصان سے محفوظ رہتا۔ مگر علم الغیب نہ ہونے کی وجہ سے بعض نافع چیزوں کو حاصل نہیں کر پاتا اور بعض اوقات نا ملائم امور کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔ ورنہ حدیبیہ کے موقع پر عمرہ کا احرام کھول کر واپس نہ آنا پڑتا، جنگ واحد میں دندان مبارک شہید نہ ہوتے اور جسم مبارک زخمی نہ ہوتا۔ اور غیب دان ہونے کی بنا پر بچاؤ کی کوئی تدبیر کر لیتا وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ مخفی نہ رہے کہ یہاں ذاتی اور عطائی علم غیب کی بحث عبث ہے اور علمی اصطلاحات سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

چہ عظمت دادۂ یا رب بخُلق آن عظیم الشان
کہ انی ''عبدہ'' گوید بجائے قول ''سبحانی''

آیات القرآن

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ
اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ
دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ
اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا
یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا
یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ

اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ﴿۱۹۳﴾

ترجمة الآيات

اللہ وہی ہے جس نے تمہیں ایک متنفس (جاندار) سے پیدا کیا۔ اور پھر اس کی جنس سے اس کا جوڑا (شریک حیات) بنایا۔ تاکہ وہ (اس کی رفاقت میں) سکون حاصل کرے۔ پھر جب مرد عورت کو ڈھانک لیتا ہے۔ تو اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے جسے لئے وہ چلتی پھرتی رہتی ہے اور جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے (وضع حمل کا وقت آجاتا ہے) تو دونوں (میاں بیوی) اپنے اللہ سے جوان کا پروردگار ہے دعا مانگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں صحیح و سالم اولاد دے دی تو ہم تیرے بڑے شکر گزار ہوں گے (۱۸۹) مگر جب وہ ان دونوں کو صحیح و سالم فرزند عطا کر دیتا ہے۔ تو یہ دونوں اس کی عطا کردہ چیز (اولاد) میں دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔ اللہ اس سے بہت برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں (۱۹۰) آیا یہ ان کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود کسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں (۱۹۱) اور وہ نہ ان کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنی مدد پر قادر ہیں (۱۹۲) اور اگر تم ان کو سیدھے راستہ کی طرف بلاؤ تو وہ تمہارے پیچھے قدم نہیں اٹھا سکتے۔ تمہارے لئے برابر ہے کہ ان کو بلاؤ یا خاموش رہو (دونوں باتوں کا نتیجہ ایک ہی ہے) (۱۹۳)۔

تفسير الآيات

۱۸۹۔ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ ... الآية۔

ہم تفسیر کی دوسری جلد یعنی سورہ نساء کی پہلی آیت ''يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا'' کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں کہ بنی نوع انسان کی تخلیق کا آغاز کس طرح نفس واحدہ یعنی جناب ابوالبشر آدم سے ہوا۔ اور اسی کی جنس سے عورت کو پیدا کر کے کس طرح اسے اپنی حکمت کاملہ سے مرد کیلئے سکون نفس کا ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا

جائے۔ بہرحال اس آیت اور دوسری کئی آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خدائے علیم وحکیم نے مردوں کیلئے سرمایہ تسکین قلب اوران کے دل وجان کیلئے باعث راحت وآرام صنف نازک کوقرار دیا ہے اوران کے درمیان زن وشوہر کا رشتہ استوار کیا اوران کوایک دوسرے کا لباس قرار دیتے ہوئے ان کے درمیان چولی دامن والا تعلق قائم فرمایا ان آیات کے صحیح مفہوم کا سمجھنا مفسرین کیلئے قدرے مشکل ہوگیا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ اس آیت کے آغاز میں جناب آدم علیہ السلام وحوا کی خلقت کا تذکرہ ہے۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوسری آیت کے اختتام ''عما یشرکون'' تک انہی کا ذکر کیا جارہا ہے۔ مگر اس طرح ان دونوں کا شرک ثابت ہوتا ہے۔ جو کہ جناب آدم علیہ السلام کی عصمت کے منافی ہے۔

برادران اسلامی کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے ایک طرف وہ انبیاء کی عصمت کا اقرار بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف ایسی روایتیں بھی نقل کر دیتے ہیں جو سراسر عصمت انبیاء کے منافی ہوتی ہیں چنانچہ ان کے ہاں اس قسم کی روایتوں کا ایک ذخیرہ موجود ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع میں جناب آدم علیہ السلام وحوا کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی تو شیطان نے ان سے آکر کہا کہ اب جولڑکا پیدا ہو اس کا نام عبدالحارث (شیطان کا بندہ) رکھنا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو وہ بچہ زندہ رہا (ترمذی وغیرہ)۔

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر تک آدم وحوا کا ہی تذکرہ ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک چونکہ اس قسم کی روایتیں عصمت انبیاء کے منافی ہیں جو کہ قرآن وسنت کی ناقابل انکار شہادتوں سے ثابت ہے۔ اس لئے یہ روایات قابل قبول نہیں ہیں۔ جبکہ اس سقم کے علاوہ بجائے خود ان روایتوں کی سند معتبر نہیں ہے اس لئے ہمارے محقق علماء کی تحقیق یہ ہے جس کی تائید ائمہ طاہرینؑ کے فرامین سے بھی ہوتی ہے کہ ''**ھو الذی خلقکم**'' سے لے کر ''**لیسکن الیھا**'' تک تو جناب آدم وحوا کا تذکرہ ہے اوراس کے بعد اولاد آدم کی طرف روئے سخن مڑ گیا ہے۔ جو جوڑا جوڑا ہونے کی بنا پر (دو) (دو) ہیں اس لئے تثنیہ کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں جو شرک میں مبتلا ہوئے تو گویا یہاں علم بدیع کی صنعت التفات کو کام میں لایا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ہے ''**هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ**'' خدا وہ ہے جو تمہیں خشکی وتری کی سیر کراتا ہے (سورہ یونس...... ۲۲)۔ پھر بحری (سمندری) مسافر کی طرف کلام کا رخ موڑتے ہوئے فرماتا ہے ''**حَتّٰۤي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ**'' یہاں تک کہ جب تم کشتی پر سوار ہوتے ہو (سورہ یونس...... ۲۲)۔ اسی طرح یہاں پہلے تمام اولاد آدم کا ذکر تھا کہ خدا وہ ہے جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا۔ اور پھر روئے سخن آدم کی اس اولاد کی طرف مڑ گیا جو مشرک ہے یہی تفسیر حضرت امام رضا۔ سے منقول ہے جو انہوں نے مامون عباسی کے

جناب آدم کی عصمت کے بارے میں ایک ایراد کے جواب میں فرمائی تھی۔ (تفسیر صافی وغیرہ)

خلاصہ یہ ہے کہ خداوند عالم اولاد آدم علیہ السلام کے مشرکوں کا شکوہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب ان کے میاں بیوی کے ملاپ کے نتیجہ میں حمل ٹھہر جاتا ہے تو وہ امید وبیم کی حالت میں کہ نا معلوم لڑکا ہوگا یا لڑکی خدا سے عامانگتے ہیں کہ یا اللہ! اگر تو نے ہمیں تندرست سا بچہ دیا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ اور جب امیدیں پوری ہو جاتی ہیں اور اچھا سا بچہ مل جتا ہے تو اس میں دوسروں کو شریک ٹھہرانے لگ جاتے ہیں اس بیان نیر البرہان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ یہاں کوئی خاص مرد وعورت مراد نہیں ہیں۔ بلکہ مشرکین کے ہر مرد وعورت کی حالت و کیفیت بیان کی گئی ہے۔ بعد ازاں خالق اکبر نے ان کی مزید زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آیا یہ مشرک لوگ ان کو خدا کا شریک بناتے ہیں۔ جو کوئی چیز پیدا کر ہی نہیں سکتے بلکہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں اور نہ ان مشرکوں کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی کر سکتے ہیں اور ایسے بے بس ہیں کہ اگر ان کو راہ راست پر آنے کی دعوت دو تو وہ تمہارے پیچھے چل نہیں سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیدا کرنا اور نصرت کرنا اس کا خاصہ ہے جو ساری کائنات کا خالق و مالک اور ناصر ہے اور خود کسی کا مخلوق نہیں ہے اور وہ صرف اللہ جل شانہ ہے وبس۔

ان آیتوں کی تفسیر تو یہاں مکمل ہوگئی ہے۔ مگر دل چاہتا ہے کہ یہاں وہ تبصرہ نقل کر دیا جائے جو مولانا مودودی نے اس مقام پر کیا ہے چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں۔ اس مقام پر ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کی مذمت کی ہے وہ عرب کے مشرکین تھے اور ان کا قصور یہ تھا کہ وہ صحیح وسالم اولاد پیدا ہونے کیلئے تو خدا سے دعا مانگتے تھے مگر جب بچہ پیدا ہو جاتا تھا تو اللہ کے اس عطیہ میں دوسروں کو شکریے کا حصہ دار ٹھہرا لیتے تھے۔ بلاشبہ یہ حالت بھی نہایت بری تھی لیکن اب جو شرک ہم توحید کے مدعیوں میں پا رہے ہیں۔ وہ اس سے بھی بدتر ہے یہ ظالم تو اولاد بھی غیر سے ہی مانگتے ہیں حمل کے زمانے میں منتیں بھی غیروں کے نام ہی کی مانتے ہیں اور بچہ پیدا ہونے کے بعد نیاز بھی انہی کے آستانوں پر چڑھاتے ہیں اس پر بھی زمانہء جاہلیت کے عرب مشرک تھے اور یہ موحد ہیں ان کیلئے جہنم واجب تھی اور ان کیلئے نجات کی گارنٹی ہے ان کی گمراہیوں پر تنقید کی زبانیں تیز ہیں مگر ان کی گمراہیوں پر کوئی تنقید کر بیٹھے تو مذہبی درباروں میں بے چینی کی لہر دوڑ جاتی ہے اسی حالت کا ماتم۔ حالی مرحوم نے اپنے مسدس میں کہا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۲)

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر

جھکے آگ پر سر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں۔
مزاروں پر جاجا کے نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے۔

آیات القرآن

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ
بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ز اَمْ
لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ط قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا
تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ صلے وَهُوَ يَتَوَلَّى
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ
اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ط
وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

ترجمۃ الآیات

(اے کافرو) یقیناوہ جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر (اور خدا سمجھ کر) پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح (

خدا کے) بندے ہیں۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو (کہ ان میں مافوق بشریت طاقتیں ہیں) تو انہیں پکارو۔ پھر تو انہیں چاہیے کہ تمہاری دعا و پکار کا جواب دیں۔ (۱۹۴) آیا ان (بتوں) کے پاؤں ہیں کہ جن سے وہ چلتے ہوں آیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہوں کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں اور کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں۔ (اے پیغمبر) کہو کہ تم اپنے تمام شریکوں کو پکارو۔ پھر میرے خلاف سب تدبیریں کرو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو (۱۹۵) میرا ولی و سرپرست وہ اللہ ہے جس نے (یہ) کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک بندوں کا سرپرست اور کارساز ہے۔ (۱۹۶) اور جنہیں تم اللہ کے سوا خدا پکارتے ہو۔ وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔ (۱۹۷) اور اگر انہیں سیدھے راستہ کی دعوت دو تو وہ تمہاری بات سنتے نہیں ہیں اور تم انہیں دیکھو گے کہ گویا وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ دیکھتے نہیں ہیں۔ (۱۹۸)

تفسیر الآیات

۱۵۰۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ ...الآیۃ۔

معبودان باطل کا تذکرہ

مشرکانہ مذہب میں تین چیزیں کارفرما ہوتی ہیں۔

۱۔ ایک وہ اصنام اور تصاویر وغیرہ جن کی پرستش کی جاتی ہے۔ اور ان لوگوں کے گمان کے مطابق ان مظاہر کے اندر ان کے مزعومہ دیوتا حلول کرتے ہیں۔

۲۔ وہ اشخاص و ارواح جن کا نمائندہ بتوں کو قرار دیا جاتا ہے۔

۳۔ وہ عقائد و نظریات جو مشرک لوگ اپنے ان بتوں کے متعلق رکھتے ہیں اگرچہ قرآن ان تینوں چیزوں پر تنقید کرتا ہے۔ مگر یہاں موضوع سخن پہلی چیز ہے یعنی وہ اصنام جن کی مشرک پرستش کرتے تھے، ان سے عرض و نیاز کرتے تھے اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ ارشاد قدرت ہے! ”اے مشرکو! اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کو اللہ سمجھ کر پکارتے ہو۔ وہ بھی تمہاری طرح اللہ کے بندے ہیں“۔

کیونکہ اہل عرب جن بتوں کی پرستش کرتے تھے وہ عموماً فرشتوں، جنوں اور کواکب کے بت تھے۔

اور ظاہر ہے کہ وہ سب خدا کے عاجز اور مسکین بندے ہیں۔ بعد ازاں مشرکین کی مزید زجر و توبیخ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: ''تو پھر ان کو پکارو تب جانیں کہ وہ تمہاری پکار کو قبول کر کے تمہاری حاجت برآری کریں''؟۔

آیا ان کے پیر ہیں جن سے وہ چلیں اور ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں اس طرح بڑے موثر انداز میں ان لوگوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ جن بے جان مورتیوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ تو تم سے بھی گئی گذری ہیں۔ کم از کم تمہارے ہاتھ، پیر، کان اور آنکھ تو ہیں جن سے تم کام لیتے ہو۔ مگر ان کے تو یہ اعضاء بھی نہیں ہیں اس طرح تم ان سے بہتر ہو اور وہ تم سے بدتر ہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر بے عقلی اور حماقت کیا ہوگی کہ تم ان کو معبود سمجھ کر ان کی عبادت کرو۔ اور ان کو قاضی الحاجات سمجھ کر ان سے عرض و نیاز کرو ان حقائق سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب ان بتوں کو اپنا معبود جانتے تھے معبود سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے اور معبود سمجھ کر ان کو پکارتے تھے جیسا کہ دوسرے شواہد کے علاوہ خود اس آیت سے واضح ہے ''اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ'' (سورہ صافات ......۳۶) کیا ہم ایک دیوانہ شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔۔

لہٰذا کسی زندہ یا مردہ انسان وغیرہ کو خدا مان کر اس کی عبادت کرنا یا اسے پکارنا شرک ہے اور ممنوع ہے۔ لیکن کسی دور یا نزدیک کو صرف ندا کرنا جب کہ ندا کرنے والے کا منادی کے بارے میں یہ عقیدہ نہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ شرک ہے۔

۱۵۱۔ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآئَكُمْ ...الآیۃ۔

یہ مشرکوں کی ان دھمکیوں کا جواب ہے جو وہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیتے تھے کہ اگر آپ نے ہمارے معبودان کی مخالفت کی تو وہ آپ سے ناراض ہو جائیں گے اور آپ کو تہس نہس کر دیں گے۔ اس آیت میں ان لوگوں کی اس دھمکی کی طرف اشارہ ہے **ويخوفو نك بالذين من دونه**۔ وہ آپ کو اللہ کے سوا دوسروں (معبودان باطل) سے ڈراتے ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کو چیلنج کر رہے ہیں کہ تم اپنے ان تمام مزعومہ شریکوں کو بلاؤ، پھر میرے خلاف مل کر سازش کرو۔ اور مجھے بالکل مہلت نہ دو میرا سرپرست اور حمایت کار وہ پروردگار ہے جس نے کتاب اتاری ہے اور وہ ہمیشہ اپنے نیک بندوں کی سرپرستی کرتا ہے۔ بعد ازاں ان لوگوں کی سرزنش کرتے ہوئے ان کے معبودوں کی عاجزی کا وہی مرقع پیش کیا گیا ہے۔ جو آیت نمبر ۱۹۲ سے ۱۹۳ میں پیش کیا گیا تھا۔ مزید برآں کہا گیا ہے کہ تم دیکھو گے کہ وہ بت تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ انہیں دکھائی کچھ نہیں دیتا۔ کیونکہ ان بتوں کی صورت تو اس طرح بنائی گئی تھی کہ دور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ آدمیوں کی طرح آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں مگر چونکہ وہ آنکھ لوہے اور پتھر وغیرہ کی ہے اس لئے اس میں بصارت و بینائی

نہیں ہے۔تمہارے حامی ومددگار وہ ہیں اور میرا حامی وناصر یہ ہے۔اب تم خود فیصلہ کرلو کہ فتحیاب وکامیاب کون ہوگا؟

آیات القرآن

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ
مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ
مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا
لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ
مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾
وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

ترجمۃ الآیات

(اے نبی) عفو ودرگزر سے کام لو۔ اور نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے روگردانی کریں (ان سے نہ الجھیں) (۱۹۹) اور اگر شیطان کی طرف سے جوش دلانے کی کوئی کوشش ہو تو خدا سے پناہ مانگیں۔ یقیناً وہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔ (۲۰۰) جو لوگ پرہیزگار ہیں جب انہیں کوئی شیطانی خیال چھو بھی جائے تو وہ چوکنے ہو جاتے ہیں اور یادِ الٰہی میں لگ جاتے ہیں اور ان کی بصیرت تازہ ہو جاتی ہے (اور حقیقت حال کو دیکھنے لگتے ہیں) (۲۰۱) اور جو شیطانوں کے بھائی بند ہیں تو وہ (شیاطین انسی وجنی) ان کو گمراہی میں کھینچے لئے جاتے ہیں اور (انہیں گمراہ کرنے میں) کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ (۲۰۲) (اے پیغمبر) جب تم ان کے سامنے (ان کا کوئی مطلوبہ) معجزہ لے کر نہ جاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ تم نے خود کوئی معجزہ کیوں نہ منتخب کرلیا؟ (یعنی اپنی مرضی سے کیوں نہ بنالیا؟) کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اسی کی وحی کی

پیروی کرتا ہوں جو میرا پروردگار مجھے کرتا ہے (اس میں میری پسند کا کیا دخل؟) یہ (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے سامان ہدایت اور سراسر رحمت ہے۔ (۲۰۳) اور (اے مسلمانو) جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر (توجہ سے) سنو اور خاموش ہو جاؤ تاکہ تم پر رحمت کی جائے (۲۰۴)

تفسیر الآیات

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اخلاق حسنہ کا تذکرہ

۱۵۲۔ خُذِ الْعَفْوَ... الآیۃ۔

اس آیت مبارکہ میں پیغمبر اسلامؐ کو تین اخلاق عالیہ کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

۱۔ عفو و درگزر کو اپنا شیوہ و شعار بنائیں۔ اور برائی کا جواب برائی سے نہ دیں۔ کوئی قصور وار۔ جب معذرت طلب کر لے تو اسے معاف کریں۔ مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے جبرئیل سے پوچھا کہ عفو کیا ہے؟ کہا خدا سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔ چنانچہ خدا سے دریافت کر کے یہ جواب دیا کہ عفو یہ ہے کہ جو آپ پر ظلم کرے اسے معاف کر دیں جو آپ کو محروم کرے آپ اسے عطا کریں اور جو آپ سے قطع تعلق کرے آپ اس سے صلہ رحمی کریں (مجمع البیان)۔

اور اس سے عفو بمعنی زائد بھی مراد لیا گیا ہے کہ لوگوں کے مال میں سے وہ وصول کریں جو ان کی ضروریات سے زائد ہو (مجمع البیان)۔

۲۔ نیک کاموں کا لوگوں کو حکم دیں بھلائیوں کی تاکید کریں اور اچھے کاموں کی ہدایت کریں

۳۔ جاہل و ناسمجھ لوگوں سے روگردانی کریں اور ان کی کوئی پروا نہ کریں۔ وہ وقت دور نہیں ہے کہ آپ کی اور ان کی اس روش و رفتار کا نتیجہ آپ اور وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ کیونکہ کسی بھی داعی حق کی یہ بڑی کامیابی ہوتی ہے کہ وہ اپنی آواز حق حکمت اور موعظہ حسنہ سے عام لوگوں کے کانوں تک پہنچا دے۔ اب جو لوگ اس داعی حق کے خلاف شور مچاتے ہیں اور غوغا آرائی کرتے ہیں تو وہ غیر شعوری طور پر اپنی ناکامی اور اس داعی کی کامیابی کا سامان فراہم کرتے ہیں کیونکہ جب عام لوگ دیکھتے ہیں کہ ایک شریف اور بھلے مانس شخص لوگوں کو سیدھی سادی اور اچھی باتوں کی دعوت دے رہا ہے اور دوسری طرف کچھ لوگ اس کے خلاف شرافت و انسانیت

سے گری ہوئی حرکتیں کر رہے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عام لوگوں ان سے متنفر ہو جاتے ہیں اور داعی حق کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور جن کے اندر شرافت و انسانیت کی کوئی رمق بھی ہوتی ہے اور ان کا باطل سے کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں ہوتا یا آباؤ اجداد کی اندھی تقلید نے ان کی چشم بصیرت کو بالکل اندھا نہیں کر دیا ہوتا وہ آواز حق پر لبیک کہہ کر حق کو قبول کر لیتے ہیں اور پھر حق اور اہل حق کی حمایت و تائید پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں اسی حکمت عملی کی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کامیابی ہوئی تھی اور سب داعیان حق کو ہوئی اور ہوتی رہتی ہے۔ اور مخالفین کو اپنی اسی غلط روش و رفتار اور اخلاق و انسانیت سے گری ہوئی حرکتیں اور تدبیریں کرنے کی وجہ سے ناکامی ہوئی تھی۔ اور اپنا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے۔ **ولا ينبئك مثل خبير والحمد لله**

یہی قانون قدرت ہے یہی آئین فطرت ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

امر الله نبيه بمكارم الاخلاق و ليس في القرآن آية اجمع لمكارم الاخلاق منها۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مکارم اخلاق کا حکم دیا ہے اور پورے قرآن میں اس آیت سے زیادہ کوئی آیت مکارم اخلاق کی جامع نہیں ہے۔ (تفسیر صافی)۔

۱۵۳۔ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ...الآية۔

اس آیت کی شان نزول

مروی ہے کہ جب آیت **خذ بالعفو وامر بالمعروف**۔ الآیہ۔ نازل ہوئی تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا۔ اے پروردگار! یہ کس طرح ہوگا جبکہ غیظ و غضب اور غصہ بھی موجود ہے تو اس کا کیا علاج ہے؟ تب خدا نے یہ آیت نازل کی۔ (مجمع البیان)

کہ اگر کسی جنی یا انسانی شیطان کی طرف سے طبیعت میں کوئی دغدغہ، جوش اور ولولہ پیدا ہو۔ تو اللہ سے پناہ مانگیں اور اس کی توفیق کو اپنا رفیق بنائیں ''بعض اوقات مخالف کی غلط روش و رفتار کو دیکھ کر طبیعت آمادہ کرتی ہے کہ اپنا اور اس کا خون ایک کر دیا جائے طبیعت کی اسی تحریک کو (مجازاً) کہا گیا کہ اگر شیطان کی طرف سے بھڑ کنے کی کوشش ہو''۔ (فصل الخطاب)

بے شک نبی ہوں یا امام ان کو غصہ آتا ہے۔ مگر ان کا غصہ خدا لئے ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے ذاتی غصہ کی تہہ میں بھی خدا کیلئے ہی غصہ ہوتا ہے وہ اگر کسی سے پیار کرتے ہیں۔ تو اللہ کیلئے اور اگر کسی سے نفرت کرتے ہیں تو

بھی اللہ کیلئے۔ اور اسی کا نام ''الحب فی اللہ والبغض للہ'' ہے۔

۱۵۴۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ...الآیۃ۔

اس آیت کریمہ میں خداوند عالم نے اپنے پرہیزگار بندوں کی اس مومنانہ روش ورفتار کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وہ جب بھی اپنے اندر کسی شیطانی تحریک کا اثر اور کسی برے ارادہ کی کسک محسوس کرتے ہیں تو وہ فوراً چونک اٹھتے ہیں اور وہ خدا کو یاد کرنے لگ جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور انہیں صاف نظر آنے لگ جاتا ہے کہ اس موقع پر کیا طریقہء کار اختیار کرنا ہے؟ اور اشرار کے برے عزائم سے بچتے ہوئے کسی طرح شریفانہ انداز میں دفاع کر کے خدا کی پناہ میں آنا ہے۔

۱۵۵۔ وَاِخْوَانُهُمْ ...الآیۃ۔

''اخوانھم'' میں ''ھم'' ضمیر کا مرجع یا جاہلین ہیں جن کا ذکر آیت نمبر ۹۹ میں گزر چکا ہے اور جاہلین کے کامل افراد کفار و مشرکین ہیں یا شیاطین ہیں جن کی جنس شیطان کا ذکر آیت (۲۰۰) میں گزرا ہے بہر حال اللہ کے پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کے تذکرہ کے بعد شیاطین انسی و جنی کے بھائی بندوں اور یاروں کا ذکر ہو رہا ہے کہ جو شیطانوں کے بھائی بند اور ان کے حوالی موالی ہیں۔ انہیں وہ گمراہی میں کھینچ کر لے جاتے ہیں اور پھر انہیں (گمراہ کرنے میں) اپنا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ اور انہیں ابدی ہلاکت و بربادی کے اتاہ کنویں میں گرا کر رہتے ہیں اور اس طرح انہیں گمراہ کر کے دم لیتے ہیں کہ جس کے بعد ان کی بازگشت کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا۔

۱۵۶۔ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ ...الآیۃ

اس بات کی کئی بار وضاحت کی جا چکی ہے کہ خداوند حکیم مختلف اوقات میں مختلف انبیاء کو ان کی نبوت کے ثبوت کیلئے مختلف معجزات دیتا رہا ہے۔ اور اپنے اسی قانون قدرت کے مطابق خاتم الانبیاء کو بھی سب انبیاء سے زیادہ معجزے عطا کئے جن میں سے ایک معجزہ خالدہ قرآن مجید بھی ہے۔ جس کے اندر بصیرت افروز روشنیاں ہیں، ہدایت کے منارے ہیں اور زندگی سنوارنے کے قیمتی اصول ہیں۔ باوجود یکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے معجزے دکھائے اور قرآن مجید کا معجزہ خالدہ بھی لائے مگر مخالفین پھر نت نئے نئے مطلوبہ معجزے دکھلانے کا مطالبہ کرتے تھے۔ اور جب آپ ان کے پاس ان کا مطلوبہ معجزہ لے کر نہ جاتے تو وہ کہتے کہ آپ نے اپنی طرف سے کیوں نہ کوئی نشانی چھانٹ لی (یعنی خود نہ بنالی) ارشاد ہوتا ہے کہ ان سے کہیے کہ میرا کام یہی ہے کہ

میں اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھے وحی کی جاتی ہے

یعنی میرا منصب یہ نہیں ہے کہ اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے معجزے دکھاؤں یا جس چیز کا لوگ مطالبہ کریں میں ضرور خدا سے مانگوں اور جب تصدیق رسالت کیلئے دوسرے معجزات کے علاوہ صرف یہی قرآن کافی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے دلائل و براہین کا سرمایا ہے اور ایمان لانے والوں کیلئے سرمایہ ہدایت ورحمت ہے۔ تو پھر کسی اور معجزہ کی ضرورت کیا؟

اوپر جاہلوں کے جاہلانہ برتاؤ کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے اعتراض و روگردانی کرنے اور شرافت ومتانت کا دامن نہ چھوڑنے کی جو ہدایت ہوئی تھی۔ آپ کا یہ جواب اس ہدایت کی تعمیل کی بہترین مثال ہے۔ اوران لوگوں کی جاہلانہ بات کا کیا باوقار اور باعظمت جواب ہے۔

۱۵۷۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ...الآیۃ۔

قرآنی ہدایت ورحمت سے فیضیاب ہونے کے آداب

مطلب یہ ہے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ قرآن میں بصیرت افروز روشنیاں بھی ہیں اور وہ اہل ایمان کیلئے سرمایہ ہدایت ورحمت بھی ہے۔ مگر اس کی ہدایت ورحمت سے فیضیاب ہونے اور اس کے سرمایہ بصائر ودلائل سے فائدہ اٹھانے کے کچھ آداب وشرائط ہیں کہ منجملہ ان کے ایک ادب یہ ہے کہ جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو اسے کان لگا کر (توجہ سے) سنا جائے اور دوسرا ادب یہ ہے کہ اس وقت خاموشی اختیار کی جائے۔

قرآن کی آواز سنتے وقت کفار کی روش کا تذکرہ

تاریخ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے تو کفار شوروغل مچاتے تھے نہ خود سنتے تھے اور نہ دوسروں کو سننے دیتے تھے۔ اور ایک دوسرے کو کہتے تھے "لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ" قرآن مت سنو اور شور بلند کرو۔ تم اس طرح ہی غالب آسکتے ہو (سورہ حم سجدہ......۲۶)۔

آج تک برابر باطل والوں کا یہی طریقہ کار ہے کہ حق والوں کے نہ پاس جاؤ اور نہ ان کی بات سنو۔ جبھی تم ان پر غلبہ حاصل کرسکو گے ورنہ دلیل وبرہان سے تم اہل حق کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اسی طرح اہل اسلام بھی تلاوت کے وقت باہم باتیں کرتے رہتے تھے۔ اس لئے یہ حکیمانہ حکم دیا گیا۔ کہ جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو خاموشی کے ساتھ کان لگا کر سنو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے عین ممکن ہے کہ تمہارے لئے رحمت ایزدی کے

دروازے کھول دیئے جائیں اور دعوت حق قبول کرنے کیلئے تمہارے سینے کھل جائیں۔

خاموشی سے تلاوت قرآن سننے کے بارے میں وجوب و استحباب کا اختلاف؟

اگر نماز با جماعت پڑھی جا رہی ہو اور نماز بھی جہری ہو یا جمعہ یا عیدین کا خطبہ پڑھا جا رہا ہو تو اس صورت میں تو بالاتفاق تلاوت کا خاموشی کے ساتھ کان لگا کر سننا واجب ہے۔ اور اس پر متعدد روایات معتبرہ دلالت کرتے ہیں۔ جو مفصل کتب حدیث وتفسیر میں مذکور ہیں۔ جو کچھ اختلاف ہے وہ مذکورہ بالا صورت کے علاوہ عام حالات میں اگر کوئی شخص تلاوت کر رہا ہو (یا بطور شبینہ قرآن پڑھا جا رہا ہو) اور لوگوں کے کانوں تک اس کی آواز پہنچ رہی ہو تو آیا اس کا خاموشی سے کان لگا کر سننا واجب ہے یا نہ؟ ظاہر یہ فرقہ تو وجوب کا قائل ہے لیکن باقی فقہائے اسلام صرف استحباب کے قائل ہیں کہ عام حالات میں خاموشی سے کان لگا کر سننا مستحب ہے۔ مگر واجب نہیں ہے اور یہی اقویٰ ہے۔

ہماری اکثر روایات میں نماز با جماعت کی شرط مذکور ہے اور جماعت بھی وہ جس میں پیش نماز کی اقتداء کرنا جائز ہو وہ بھی پہلی دو رکعتوں میں جبکہ پیش نماز حمد وسورہ پڑھ رہا ہو۔ اگرچہ بعض روایات میں تعمیم پائی جاتی ہے۔ مگر علماء نے اسے استحباب پر محمول کیا ہے جیسا کہ اس کے بعد والی آیت میں ڈرتے ڈرتے اپنے دل میں ذکر خدا کرنے کا جو حکم ہے اور وہ بھی صبح وشام یہ استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے۔

ایک مفید مشورہ

بنابریں تحقیق اگرچہ عام حالات میں تلاوت قرآنی کا سننا واجب نہیں ہے مگر کم از کم سنت تو ہے۔ اس لئے تلاوت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ وقت اور بے وقت اور وہ بھی لاؤڈ اسپیکر پر بآواز بلند تلاوت کرنے سے احتراز کریں۔ کیونکہ اس سے بیماروں کیلئے یہ تلاوت ثواب کی بجائے الٹا باعث عذاب نہ بن جائے۔ اور شبینہ کرنے کرانے والے حضرات بھی اگر یہ احتیاط کریں کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز اس قدر آہستہ رکھیں کہ صرف حاضرین تک پہنچے اور اردگرد کے لوگ اس سے متاثر نہ ہوں تو یقیناً یہ بات کئی لحاظ سے انسب ہے۔ وَ مَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

کیونکہ ع

بر رسولاں بلاغ باشد وبس

آیات القرآن

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ

ترجمۃ الآیات

اور (اے پیغمبر) صبح و شام اپنے پروردگار کو یاد کرو۔ اپنے دل میں عجز و انکساری اور خوف و ہراس کے ساتھ۔ اور زبان سے بھی چلائے بغیر (یعنی دھیمی آواز کے ساتھ) اور (یادِ خدا سے) غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ (۲۰۵) جو تمہارے پروردگار کے خاص مقرب ہیں وہ کبھی اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور اس کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں (اس کی پاکی بیان کرتے ہیں) اور اس کی بارگاہ میں سربسجود ہوتے ہیں۔ (۲۰۶)

تفسیر الآیات

۱۵۸۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ ...الآیۃ۔

ذکرِ خدا کرنے کے بعض آداب کا تذکرہ

قبل ازیں اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۵۵ ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ فانہ لایحب المعتدین۔ کی تفسیر میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے کہ ذکرِ خدا کا پسندیدہ طریقہ آہستہ ذکر کرنا ہے۔ جسے آپ ذکرِ خفی بھی کہہ سکتے ہیں اور جہر اور شور و شرابے سے ذکرِ خدا کرنا اسلام میں پسندیدہ طریقہ نہیں ہے۔ اور صوفیوں کے ہاں جو ذکرِ خفی و جلی چلتا ہے اور اس کے مختلف خودساختہ ذکر و اذکار چلتے ہیں ان کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بہرحال ذکرِ خدا کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آہستہ آواز سے کیا جائے۔ چنانچہ اسی سورہ کی آیت ۵۵ میں تضرع اور خفیہ کے لفظ ہیں اور یہاں آیت نمبر ۲۰۵ میں تضرع اور خیفہ کے لفظ ہیں مطلب سب کا ایک ہی ہے کہ ذکر کرنے والے کو چاہیے۔ کہ

جب ذکر خدا کرے۔

(۱)۔ تو اس کا دل خدا کی طرف متوجہ ہو۔ اور دماغ حاضر ہو اور قرآن وذکر کے الفاظ کے مطالب و معانی پر غور وفکر کرنے میں مشغول ہو۔

(۲)۔ آہستہ آواز سے ذکر کیا جائے۔ نہ کہ جہر سے اور اگر کچھ آواز بلند کرنا چاہے تو حد وسط سے آگے نہ بڑھے۔ دون الجهر من القول۔

(۳)۔ تضرع وزاری، عاجزی وانکساری اور خوف وخشیہ الٰہی کے ساتھ کرے۔

۱۵۹۔ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ...الآية۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ کو ہر وقت یاد کرنا چاہیے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے یہاں غدو واصال (صبح وشام) کو دوام کا استعارہ قرار دیا ہے (تفسیر کاشف)

مگر یہ حقیقت بھی نا قابل انکار ہے کہ بعض اوقات کی خصوصیت ایک مسلمہ حقیقت ہے جیسے دن کی نسبت رات ارشاد قدرت ہے ان ناشئة الليل هي اشد وطاواقوام قيلا۔ بے شک رات کے وقت اٹھنا بڑا سخت ہے۔ (اسے کچل ڈالنے کے برابر ہے)۔ مگر ذکر کا بہترین وقت ہے۔ اور اس طرح دن کے تمام اوقات میں صبح و شام کو یعنی طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے وقت کو یاد خدا سے ایک خصوصی تعلق ہے۔ اور قرآن وسنت میں اس کی بار بار تکرار بھی ہے اور اس پر اصرار بھی ہے۔

صبح وشام کے بعض اذکار کا تذکرہ

۱۔ متعدد روایات میں وارد ہے کہ صبح وشام یعنی طلوع وغروب آفتاب سے پہلے اس دعا کا پڑھنا فرض ہے جسے علماء اعلام نے استحباب موکد پر محمول کیا ہے۔ لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحي ويميت (ويميت ويحي) وهو على كل شيءٍ قدير۔ (تفسیر عیاشی وصافی)

۲۔ اس دعا کا اسی طرح دس بار پڑھنا بھی وارد ہے۔ اعوذ بالله السميع العليم من همزات الشيطين و اعوذ بالله ان يحضرون ان الله هوا السميع العليم۔ (تفسیر عیاشی وصافی)

۳۔ نیز صبح وشام دس مرتبہ تسبیحات اربعہ کے پڑھنے کی بھی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر۔ (وسائل الشیعہ وغیرہ)

''ولا تكن من الغافلين'' اسی مطلب کی تاکید ہے اور یہ کہ آدمی کو کبھی اور کسی حال میں بھی یاد

خدا سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ واجبات شرعیہ کے ادا کرتے وقت، محرمات الٰہیہ سے دامن عفت بچاتے وقت، نعمات خداوندی کی بارش کے وقت اور مصائب وآلام کی یلغار کے وقت۔

الغرض ہر دکھ سکھ کے وقت خدا کی قلبی، دماغی اور زبانی وکلامی یاد سے کبھی بھی ایک بندہ کو غافل نہیں رہنا چاہیے۔ کیونکہ یہ غفلت ایک بندہ کی شان بندگی کے خلاف ہے۔ یہی وہ مقام بندگی ہے جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ۔

مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

۱۶۰۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّکَ...الآیۃ۔

جو اللہ کے پاس ہیں۔ عام مفسرین نے ان سے ملائکہ مراد لئے ہیں اور بعید نہیں ہے کہ ان سے مراد وہ ہستیاں ہوں جن کو خدا کی بارگاہ میں خاص مقام ومرتبہ حاصل ہے جیسے ملائکہ مقربین، انبیاء ومرسلین، آئمہ طاہرین اور مومنین کاملین۔ وہ اللہ کی عبادت سے تکبر وسرکشی نہیں کرتے، وہ خدا کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اور وہ خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

سجدہ تلاوت کا حکم؟

قرآن مجید میں چودہ مقامات پر مختلف آیات میں سجدہ کا ذکر ہے اور یہ آیت ان آیات میں سے پہلی آیت ہے یہ سب سجدے واجب ہیں یا مستحب؟ برادران اسلامی کے امام اعظم کے نزدیک تو واجب ہیں مگر دوسرے فقہاء نے انہیں سنت قرار دیا ہے۔ اور فرقہ امامیہ کے نزدیک روایات اہلبیتؑ کی روشنی میں چار سورتوں میں چار سجدے واجب ہیں جو یہ ہیں

(۱) الم سجدہ (پارہ ۲۱)۔ (۲) حم سجدہ (پارہ ۲۴)۔ (۳) النجم (پارہ ۲۷)
(۴) اور سورہ اقراء (پارہ ۳۰)

اور باقی تمام سجدے سنت ہیں۔ نیز اگر سجدہ تلاوت میں ان تمام شرائط اور قواعد کو مدنظر رکھا جائے جو سجدہ نماز میں معتبر ہیں تو افضل ہے۔ مگر ان کا ملحوظ رکھنا واجب نہیں ہے۔ نیز اس سجدہ میں کوئی ساذکر خدا کیا جا سکتا ہے جو کافی ہے مگر افضل یہ ہے کہ یہ دعا پڑھی جائے۔ ''سجدت لك یارب تعبداً ورقالا مستكبرا عن عبادتك ولا مستنكفابل انا عبد ذلیل خائف مستجیر''۔ باقی تفصیلات فقہی کتابوں میں دیکھی جائیں۔ مخفی نہ رہے کہ جو سجدے واجب ہیں وہ پڑھنے والے اور کان لگا کر سننے والے پر واجب ہیں اور جو

سنت ہیں۔ وہ بھی ایسے ہی لوگوں پر سنت ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند عالم اپنی تمام مکلف مخلوق کو اپنی عبادت سے تکبر و سرکشی کرنے سے بچائے، اپنی تسبیح و تقدیس کرنے اور اپنی بارگاہ اقدس میں سجدہ ریز ہونے کی سعادت کبریٰ عطا فرمائے۔ بحق النبی و الہ علیہم السلام۔

سُوۡرَةُ الۡأَنۡفَالِ

یہ سورہ مدنی ہے......اور اس کی ۷۵ آیات ہیں

وجہ تسمیہ

اس سورہ کا آغاز چونکہ انفال کے ذکر سے ہوا ہے۔جس کا حقیقی مفہوم اس کی پہلی آیت کی تفسیر میں بیان کیا جائے گا اس لئے اس کا نام انفال رکھا گیا۔

عہد نزول

یہ سورہ ۳ء میں غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی۔اس لئے اس میں جنگ بدر کا پس منظر بیان کرنے کے علاوہ کفر واسلام کی اس معرکۃ الاراء جنگ پر مفصل تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔

اس سورہ کے مضامین کی اجمالی فہرست

۱۔اس سورہ میں مسلمانوں کی ان اخلاقی کمزوریوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو ان میں پائی جاتی تھیں تا کہ وہ ان کے ازالہ کی سعی اور اپنے اخلاق کی تکمیل کی کوشش کریں۔

۲۔اس میں فرشتے نازل کرکے خدا کی غیبی تائید ونصرت کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس جنگ کی فتح خدا کی اسی غیبی تائید ونصرت کا نتیجہ ہے۔تاکہ مسلمان خدا پر توکل کریں۔

۳۔اس میں میدان کارزار سے راہ فرار اختیار کرنے والوں کو دوزخ کی تہدید کی گئی۔

۴۔فتح کے نتیجہ میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اس کی تقسیم کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں۔

۵۔اس میں بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ذی جود عمومی عذاب الٰہی کے نزول سے مانع ہے۔

۶۔اس میں خمس ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۷۔اس میں قانون صلح وجنگ کے بارے میں جامع ہدایات دی گئی ہیں۔

۸۔باہمی نزاعات واختلافات کے برے نتائج سے خبردار کیا گیا ہے۔

۹۔جہاد کرنے کی تیاری اور رباط کا حکم دیا گیا ہے۔
۱۰۔جنگی قیدیوں کے بارے میں حکم الٰہی بیان کیا گیا ہے۔
۱۱۔اس میں خدا اور رسول کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوشاں رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔
۱۲۔اس میں ہجرت نبوی کے وقت آپ کی حفاظت کے سلسلہ میں خدائی تدابیر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔
۱۳۔اس میں مسلمانوں کو تقویٰ وتوکل کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم دی گئی ہے۔
۱۴۔اس میں اہل ایمان کے پانچ صفات جلیلہ وجمیلہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ''فاولئك هم المومنون حقا'' وغیرہ۔

اس سورہ کی فضیلت

۱۔حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا جو شخص سورہ انفال اور برأت کی تلاوت کرے گا۔ میں بروز قیامت اس کی شفاعت کرونگا اور گواہی دونگا کہ وہ نفاق سے بری ہے۔(مجمع البیان)
۲۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا جو شخص ہر مہینہ میں ایک بار سورہ انفال اور برات پڑھے گا اس کے اندر کبھی نفاق داخل نہیں ہوگا اور وہ حضرت امیر علیہ السلام کے شیعوں سے ہوگا اور قیامت کے دن ان کے ساتھ جنت کے کھانے کھائے گا۔(تفسیر عیاشی)

آیات القرآن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ يَسۡـئَلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ
لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ‌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ‌ ۖ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ
وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ‏ ﴿۱﴾ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ
وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّعَلٰى
رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۚ ۖ ﴿۲﴾ الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ
يُنۡفِقُوۡنَ ؕ ﴿۳﴾ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا‌ ؕ لَهُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ
وَمَغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ‌ ۚ ﴿۴﴾ كَمَاۤ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَـقِّ ۖ

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا
تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

ترجمۃ الآیات

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔(اے رسول) لوگ آپ سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیئے۔کہ انفال اللہ اور اللہ کے رسول کیلئے ہیں۔ پس اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرو۔ اور اپنے باہمی تعلقات و معاملات کی اصلاح کرو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔(۱) (کامل) ایمان والے تو بس وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دھل جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو ان کے ایمان بڑھ جاتے ہیں اور وہ ہر ایک حال میں اپنے پروردگار پر توکل (بھروسہ) رکھتے ہیں۔(۲) جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں (۳) بے شک ایسے لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کیلئے ان کے پروردگار کے ہاں مرتبے ہیں۔ اور بخشش ہے (۴) اور بہترین روزی ہے۔ یہ انفال کا معاملہ ایسا ہی ہے) جیسا کہ آپ کے پروردگار نے (جنگ بدر میں) حق کے ساتھ آپ کو آپ کے گھر سے نکالا اور اہل ایمان کا ایک گروہ اس کو ناپسند کر رہا تھا (۵) باوجودیکہ حق واضح ہو گیا تھا مگر وہ گروہ آپ سے اس امر حق میں یوں جھگڑ رہا تھا کہ گویا اسے موت کی طرف ہانک کر لے جایا جا رہا ہے اور وہ اپنی آنکھوں سے موت کو دیکھ رہا ہے۔(۶)

تفسیر الآیات

۱۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ... الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول

عام مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت غزوہ بدر کے ایک خاص واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی

ہے۔اور وہ واقعہ مختصراً یوں ہے کہ جب خدا نے اپنے خصوصی فضل وکرم سے مٹھی بھر نہتے مسلمانوں کو کفار کے لشکر جرار پر اس طرح فتح و فیروزی عطا فرمائی کہ ان کے ستر جنگجو تو میدان جنگ میں مارے گئے۔اور ستر قید کر لئے گئے اور باقی اپنا بہت سا ساز وسامان میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔تو اس وقت مسلمانوں کے مختصر لشکر کے تین حصے ہو گئے کچھ لوگوں نے دشمن کا تعاقب کیا تا کہ وہ پھر واپس نہ آئے کچھ کفار کے چھوڑے ہوئے مال کو جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔اور کچھ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی غرض سے آپ کے پاس موجود رہے تا کہ کوئی دشمن آپ پر حملہ نہ کر دے۔

اب یہاں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو ان مجاہد مسلمانوں کے شایان شان نہ تھا۔ہوا یوں کہ یہ تینوں گروہ مال غنیمت پر اپنا حق جتلانے لگے۔جنہوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا حق ہے۔کہ ہم نے جمع کیا،جنہوں نے دشمن کا تعاقب کیا تھا وہ کہنے لگے کہ یہ ہمارا حق ہے کیونکہ ہم نے دشمن کو پسپا کر کے تمہیں یہ مال جمع کرنے کا موقع دیا ہے۔اور جو آنحضرتؐ کی حفاظت کی غرض سے وہاں موجود تھے۔انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا حق ہے کیونکہ اگر ہم حفاظت رسولؐ کا فریضہ ادا نہ کرتے تو ہم بھی یہ مال جمع کر سکتے تھے۔اس نزاع کے رد کرنے کیلئے خدا نے یہ آیت نازل فرمائی اور واضح کیا کہ یہ مال صرف خدا اور رسول کا ہے۔یعنی مال صرف خدا کا ہے۔مگر اس میں تصرف کرنے کا اختیار رسول کو ہے۔کہ وہ اسے ذاتی ضروریات میں صرف کریں یا اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد میں صرف کریں تم میں سے کوئی بھی اس کا مستحق نہیں ہے۔(مجمع البیان،قرطبی،ابن کثیر وغیرہ)۔

غنیمت،فئی اور نفل کا صحیح مفہوم اور ان کا باہمی فرق؟

جہاد وغیرہ کے وقت جو مال مسلمانوں کے ہاتھ آئے اس کیلئے قرآن مجید میں تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔ غنیمت وغنائم۔ ۲ نفل وانفال۔ ۳۔فئ۔

چنانچہ سورہ انفال کی پہلی آیت میں انفال کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اور اسی سورہ کی آیت نمبر ۴۱ میں غنیمت کی لفظ استعمال ہوئی ہے۔**واعلموا انما غنمتم من شئی** اور سورہ حشر کی آیت نمبر......۶ میں لفظ ''فئ''استعمال ہوئی ہے۔''**وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ**''۔

عام اہل اسلام معمولی فرق کے ساتھ تینوں الفاظ کو ہم معنی سمجھتے ہیں اور پھر تینوں اقسام کے احکام بھی ایک جیسے جانتے ہیں مگر آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے روایات و ارشادات کی روشنی ان کے مفاہیم میں بنیادی فرق ہے۔اور ان کے احکام میں بھی فرق ہے۔ہاں البتہ فئے اور انفال کا مفہوم اور حکم ایک ہے۔اور غنیمت کا مفہوم بھی اور ہے اور حکم بھی اور؟

مال غنیمت کا مفہوم اور اس کا حکم؟

جب کفار سے شرعی جہاد کیا جائے اور خداوند عالم مسلمانوں کو فتح و فیروزی عطا فرمائے اور اس کے نتیجہ میں کفار سے جو مال ہاتھ آئے اسے غنیمت کہا جاتا ہے۔ (ہاں البتہ اس لفظ کے معنی میں قدرے وسعت ہے۔ جس کی وضاحت آیت نمبر ۴۱ کی تفسیر میں کی جائے گی۔ جہاں "واعلموا انما غنمتم" کی تفسیر بیان کی جائیگی) اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس مال کو پانچ حصوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کئے جاتے ہیں اور پانچواں حصہ خدا اور رسول اور خاندان نبوت کے یتیموں، مسکینوں وغیرہ کا ہے۔

"فئی" اور انفال کا مفہوم اور حکم؟

فئی اور انفال چند قسم کے اموال پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

۱۔ جو مال دارالحرب سے بغیر جنگ وجدال کے حاصل ہو۔

۲۔ وہ زمین جس کے مالک بغیر چھوڑ کر چلے جائیں۔

۳۔ لاوارث کا ترکہ۔

۴۔ جنگل میدان اور پہاڑوں کی چوٹیاں وغیرہ

الغرض جن جن چیزوں کا کوئی خاص انسان مالک نہ ہو۔ یہ مال خدا کا ہے جس میں اپنی صوابدید کے مطابق رسول تصرف کرتا ہے اور آپ کے بعد وہ اس میں تصرف کرتا ہے جو رسول کا قائم مقام ہوتا ہے۔ یعنی لوگوں کا امام ہوتا ہے خواہ اس مال کو ذاتی ضروریات پر صرف کریں ۔ اور خواہ اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفادات میں صرف کریں (اور وہ عموماً کرتے ایسا ہی ہیں)۔ مگر بالاصالہ اس میں عام مسلمانوں کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ (تمام شیعی کتب تفسیر وحدیث وفقہ)۔

۲۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ...الآیة۔

مال غنیمت کے بارے میں باہمی نزاع کرنے والے مسلمانوں کو تنبیہ کی جاری ہے کہ تقوائے الٰہی اختیار کرو۔ اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔ انہیں خوشگوار بناؤ اور اس کا آسان طریقہ کار یہ ہے کہ خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ تمہاری جنگ محض اعلاءِ کلمہءِ حق کی خاطر ہونی چاہیے۔ نہ کہ مال ودولت کے حصول کیلئے کیونکہ یہ چیز اس اخلاص کے منافی ہے۔ جو تمام اعمال وعبادات کی جان اور روح رواں ہے۔

۳۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ ...الآیة۔

کامل الایمان اہل ایمان کے پنچگانہ صفات وعلامات کا تذکرہ

خداوند عالم نے اس آیت مبارکہ میں کامل الایمان اور مثالی اہل ایمان کے پانچ صفات وعلامات کا تذکرہ فرمایا ہے جن کی ذیل میں قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن میں یہ تمام صفات نہ پائی جائیں یا کامل طور پر نہ پائی جائیں تو وہ اہل ایمان نہیں ہیں۔ہاں البتہ وہ کامل الایمان نہیں ہیں کیونکہ اولاً وبالذات ایمان کا تعلق قلبی اعتقاد سے ہے۔ہاں البتہ جس طرح زبانی اقرار اس کے وجود کا کاشف ہو تا ہے اسی طرح عمل وکردار اس کی پختگی اور تکمیل کی دلیل ہوتا ہے۔

۱۔پہلی صفت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے خدا کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔اس ''دھل'' سے وہ خوف مراد نہیں ہے جو کسی درندے یا دشمن کا نام سن کر دل میں پیدا ہوتا ہے۔بلکہ اس سے مراد وہ ہیبت ہے جو کسی جلیل القدر اور عظیم الشان ہستی کا ذکر سننے سے دل ودماغ پر طاری ہوتی ہے۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک راسخ الایمان مومن کا یقین کامل ہوتا ہے کہ اس کا نہ صرف نفع ونقصان اور ہر قسم کا سود وزیاں بلکہ اس کی موت وحیات خدا کے قبضہء قدرت میں ہے۔لہٰذا وہ راضی ہوجائے تو ساری دنیا کی ناراضگی بندہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی اور اگر وہ ناراض ہوجائے تو ساری کائنات کی رضامندی اس کا کچھ سنوار نہیں سکتی **بیدہ الخیر و ھو علی کل شئ قدیر**۔

۲۔دوسری صفت یہ ہے کہ جب آیات قرآنیہ کی تلاوت کی جائے تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایمان گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے۔بہر حال جن اعمال صالحہ کے کرنے سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے ان میں سے ایک آیات الٰہیہ کی تلاوت بھی ہے۔کہ مومن جب خود قرآنی آیات کی تلاوت کر تا ہے یا اس کے سامنے ان کی تلاوت کی جاتی ہے اور وہ ان کے مطالب ومعانی میں غور وفکر کرتا ہے تو اس کے ایمان کو جلا ملتی ہے اور اس میں ترقی ہوتی ہے لہٰذا وہ ہر حالت میں یکساں نہیں ہوتا بلکہ اس کی کیفیت کمیت میں تفاوت ہوتا ہے۔

۳۔ تیسری صفت یہ ہے کہ وہ ہر حال میں خدا پر توکل کرتے ہیں۔مشکلات ومصائب کے وقت کوئی اولاد پر اعتماد کرتا ہے اور کوئی جائداد پر،کوئی احباب پر بھروسہ کرتا ہے اور کوئی دوسرے مادی اسباب پر مگر جو مومن ہوتا ہے وہ اگرچہ مادی اسباب وآلات کو بھی یکسر نظر انداز تو نہیں کرتا مگر اس کو اپنی کامیابی وکامرانی کے حاصل کرنے کیلئے اصل اعتماد وتوکل مسبب الاسباب پر ہوتا ہے۔اور اپنی سی کوشش کر کے نتیجہ خدا کے حوالے کرتا ہے اور جانتا ہے۔کہ۔

وہی ہوتا ہے جو منظو رخدا ہوتا ہے

وہ جانتا ہے کہ جو اللہ پر اعتماد کرتے ہیں خدا کبھی ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگاتا۔ ''اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ''۔ ''وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ''۔

مخفی نہ رہے کہ ہم قبل ازیں سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۵۹ ''فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ'' کی تفسیر میں توکل کا شرعی مفہوم واضح کر چکے ہیں۔

۴۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ ہر حالت میں نماز قائم کرتے ہیں قابل غور بات یہ ہے کہ کامل الایمان لوگوں کی صرف یہ صفت بیان نہیں کی گئی کہ وہ نماز پڑھتے ہیں بلکہ یہ علامت بتائی گئی ہے کہ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں کیونکہ نماز کا پڑھنا تو ہر صحیح اور غلط پڑھی ہوئی نماز پر صادق آتا ہے۔ مگر قائم کی ہوئی نماز صرف وہ ہوتی ہے۔ جس کی ادائیگی میں نہ صرف یہ کہ اس کے مطلوبہ آثار ونتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اور وہ بے حیائی اور گناہ کے کاموں سے روکتی ہے۔

۵۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ اللہ نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ بھی کرتے ہیں یعنی مومن کامل وہ ہیں کہ اللہ تعالی نے ان کو جو کچھ دیا ہے۔ مال ومنال دیا ہے یا جاہ وجلال، علم و عمل دیا ہے یا فضل وکمال تو وہ اس کی زکوۃ ادا کرتے ہوئے خدا کی خوشنودی کیلئے اسے صرف کرتے ہیں۔ ہم سورہ بقرہ کی ابتدائی آیت **و مما رزقنا هم ینفقون** کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں کہ اللہ کی عطا کردہ ہر نعمت کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ الگ الگ ہوتا ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ ارشاد قدرت ہے جن لوگوں میں یہ صفات جلیلہ وجمیلہ پائی جائیں یہی حقیقی اور مومن کامل ہیں۔

ان اہل ایمان کا انعام کیا ہے؟

خالق اکبر نے ان کیلئے تین قسم کے انعامات کا اعلان کیا ہے۔

۱۔ پہلا انعام یہ ہے کہ اللہ کے ہاں ان کے درجے بلند اور دنیا وآخرت میں ان کیلئے مراتب عالیہ ہیں

۲۔ دوسرا انعام یہ ہے کہ ان کے گناہ معاف ہیں۔ یعنی اگر بشری تقاضوں کے مطابق ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر معافی کا قلم پھیر دیا جائے گا۔

۳۔ اور تیسرا انعام یہ ہے کہ ان کیلئے رزق کریم ہے یعنی جنت الفردوس کے بہترین کھانے ان کیلئے تیار ہیں۔ ذلك فضل الله یو تیه من یشاء۔

۴۔ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ ...الآیۃ۔

''کما'' کی لفظ تشبیہ کیلئے استعمال ہوتی ہے۔تو یہاں کس چیز کو کسی چیز سے تشبیہ دی گئی ہے اس کی ترکیب قرآن مجید کی مشکل ترین نحوی ترکیبوں میں سے شمار کی گئی ہے۔اور صاحب بحر محیط نے یہاں پندرہ قول نقل کئے ہیں مگر اظہر یہ ہے کہ یہ مال انفال کی تقسیم کے فیصلہ سے متعلق ہے یعنی مال غنیمت کی تقسیم کا عام لوگوں کے منشاء کے مطابق نہ ہونا ایسا ہی ہے جس طرح آپ کے پروردگار کا آپ کو اپنے گھر سے بدر کی طرف لے آنا تو جس طرح وہ بھی حق تھا۔اسی طرح یہ بھی حق ہے اور بے شک اگر چہ اہل اسلام کا ایک گروہ اس (گھر سے نکلنے) کو ناپسند کرتا تھا (جس طرح مال غنیمت کی اس تقسیم پر دلی طور پر راضی نہ تھا) عرب جاہلیت میں دستور یہ تھا کہ جنگ میں جو چیز جس کے ہاتھ لگ جاتی تھی وہ اس کی سمجھی جاتی تھی جنگ بدر میں مسلمان بھی اسی طریقہ پر تقسیم کے خواہان تھے۔مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پسند و ناپسند کی پروا کئے بغیر حکم خداوندی کے مطابق اسے سب مجاہدین میں برابر تقسیم کر دیا۔ارشا قدرت ہوتا ہے۔جس طرح آپ کے لشکر کا کفار سے مقابلہ و مقاتلہ کیلئے مدینہ سے نکلنا کچھ لوگوں کو پسند نہ تھا مگر اس کا نتیجہ بڑا خوشگوار نکلا اور مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی اور کفار کے دلوں پر ان کی دھاک بیٹھ گئی اسی طرح آپ مال غنیمت کی تقسیم میں لوگوں کی پسند و ناپسند کی پروانہ کریں بلکہ اسلامی طریقہ سے اس کی تقسیم خیر و برکت کا باعث ہوگی۔انشاءاللہ۔

۵۔ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ ...الآیۃ۔

حق بات کے واضح ہو جانے کے بعد کچھ اہل اسلام کا ایک گروہ آپ سے اس طرح جھگڑ رہا تھا کہ گویا اسے موت کی طرف ہانکا جا رہا ہے۔اس آیت کا صحیح مفہوم سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ یہاں جنگ بدر کے پس منظر کی قدرے وضاحت کر دی جائے۔

جنگ بدر کا پس منظر

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چالیس سال تھی کہ آپ نے اعلان نبوت کیا۔بعثت کے بعد آپ تیرہ سال مکہ میں مقیم رہے۔مگر کفار و اشرار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر بالآخر وہاں سے ہجرت پر مجبور ہوئے ہر چند کفار کی کوشش تھی کہ آپ بچ کر نہ جائیں مگر خدا کے فضل و کرم سے آپ ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ تشریف فرما ہوئے اور دس سال مدینہ کو مرکز اسلام قرار دے کر وہاں قیام فرمایا اور بالآخر ۲۸ صفر المظفر دس ہجری میں آپ کا انتقال پر ملال ہوا۔مگر ہجرت کے بعد بھی کفار اپنی شرارتوں اور جسارتوں سے باز نہیں آئے۔اور اس روڑا کو راستہ سے ہٹانے

اور بانی اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کیلئے مختلف سازشیں کرتے رہے۔

چنانچہ اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ انہوں نے مدینہ کے سردار عبداللہ بن ابی کو خط لکھا تھا کہ تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے یا تم خود اس سے لڑو یا اسے وہاں سے نکال دو ورنہ ہم قسم کھاتے ہیں کہ تم پر حملہ کر کے تمہارے مردوں کو قتل کریں گے۔ اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنائیں گے۔ پھر سعد بن معاذ رئیس مدینہ عمرے کیلئے مکہ گئے۔ اور ابو جہل نے حرم کے دروازہ پر انہیں روک کر کہا کہ تم ہمارے دین کے مرتدوں کو پناہ بھی دو۔ اور ان کی امداد و اعانت بھی کرو۔ اور پھر امن و امان سے عمرہ بھی کرو۔ اگر تم ابو صفوان کے مہمان نہ ہوتے تو زندہ لوٹ کر گھر نہ جاتے (تاریخ طبری وغیرہ)

اب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تین راستے تھے۔

۱۔ دین حق سے دست بردار ہو جائیں۔

۲۔ اپنے دین برحق پر قائم رہیں مگر مسلمانوں کو قتل ہونے دیں۔

۳۔ کفار کے ظلم و جور کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور پھر ہر چہ بادا باد۔ نتیجہ خدا پر چھوڑ دیں۔ آپ نے خدائے حکیم کے حکم سے اسی تیسرے راستہ کو اختیار کیا اور خدا نے دو ہجری میں جہاد واجب قرار دے دیا ''اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ''۔ جن مظلوم مسلمانوں سے قتال کیا جاتا ہے۔ اور ان پر ظلم و تشدد کیا جاتا ہے۔ ان کو جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور خدا ان کی فتح و نصرت پر قادر ہے۔ چنانچہ اس جنگ و جدال کا نتیجہ وہی نکلا جو ہمیشہ سے نکلتا چلا آیا ہے۔ کہ حق اور اہل حق فتح مند ہو گئے اور ظالموں کا زور ٹوٹ گیا۔ اور فتح مکہ کے بعد تو بالکل خاتمہ ہی ہو گیا۔ قرآن نے جس جنگ (دفاعی) کو جائز قرار دیا ہے اس کی اصلیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے چنانچہ اس وقت مسلمانوں کیلئے حفاظتی نقطہ نگاہ سے ضروری تھا کہ تجارتی شاہراہ جس سے کفار مکہ کے تجارتی قافلے شام وغیرہ آتے جاتے تھے۔ اس پر اپنی گرفت مضبوط کریں۔ تا کہ کفار قریش اپنی معاندانہ روش و رفتار پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہوں۔

انہی دنوں (شعبان ۲ ہجری) میں پیغمبر اسلام کو یہ اطلاع ملی کہ قریش مکہ کا ایک بہت بڑا قافلہ جس کے پاس قریباً پچاس ہزار دینار (اشرفی) کا مال و اسباب ہے اور صرف تیس چالیس محافظ ہمراہ ہیں۔ شام سے مکہ جا رہا ہے اور اہل مدینہ کی زد میں ہے تو آپ کا خیال ہوا کہ اس وقت اس قافلہ کا مقابلہ کر کے قریش کی طاقت کو کمزور کر دیا جائے۔ ادھر سالار قافلہ ابوسفیان نے پیش آنے والے خطرہ کے پیش نظر ایک زیرک آدمی مکہ دوڑا دیا جس نے بڑے عجیب وغریب انداز میں مکہ جا کر داد و فریاد کی کہ مکہ والو اپنے قافلہ تجارت کی

جلد خبر لو کہ انہیں مدینہ کے مسلمانوں سے سخت خطرہ ہے۔ پھر کیا ہوا؟

''دیوانہ را ہوئے بس است'' کے مصداق کفار قریش اور اشرار مکہ تو مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے کا بہانہ تلاش کر رہے تھے فوراً سرداران قبائل جنگ کرنے کیلئے تیار ہو گئے اور ایک لشکر جرار تیار کر کے جو ہر قسم کے ساز وسامان جنگ سے لیس تھا ابوجہل کی سرداری میں اس ارادہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا کہ اس خطرہ کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا جائے۔ ادھر ''پیغمبر اسلامؐ نے وحی الٰہی سے مطلع ہو کر فرمایا کہ ایک گروہ مکہ سے آرہا ہے دوسرا قافلہ ہے ان دو میں کسی سے ضرور جنگ ہوگی۔ اور تم کامیاب ہو گے۔ چونکہ قافلہ کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے۔ اس لئے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ اسی سے مقابلہ ہو اور فوج سے نہ لڑیں کیونکہ وہ بڑی ہی کمزوری اور بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔ مگر پیغمبر اسلامؐ نے لوگوں کے ان خیالات کی کچھ پروا نہ کی اور حملہ آوروں کے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ تین سو تیرہ بے نواؤں نے رؤساء مکہ کے پورے لشکر کو شکست دے دی''۔ آیت نمبر ۶ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ ایک فریق نے پیغمبر اسلامؐ کا فیصلہ مان تو لیا تھا۔ مگر دل میں سخت ہراساں تھا نکلا تو اس طرح ڈرتا ہوا نکلا گویا موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور آیت نمبر ۷ میں غیر ذات الشوکۃ سے قافلہ والی جماعت مراد ہے۔ (ترجمان القرآن)۔

ان تین سو تیرہ مسلمانوں کے بے سروسامانی کا عالم یہ تھا کہ صرف دو تین مجاہدین کے پاس گھوڑے تھے۔ ستر اونٹ تھے جن پر تین تین چار چار آدمی باری باری سوار ہوتے تھے اور چند آدمیوں کے پاس زرہیں تھیں۔ غالباً مسلمانوں کی اسی بے سروسامانی مگر جذبہ خلوص نیت کی بناء پر خدا نے ان کی امداد اور نصرت کیلئے آسمان سے فرشتے نازل کئے جنہوں نے ان کے دل بندھائے اور حوصلے بلند کئے۔ بہر حال ۱۷ ماہ رمضان المبارک بمقام بدر جو کہ مدینہ سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر اس کے جنوب و مغرب میں واقع ہے دونوں لشکروں کی مڈھیڑ ہوئی۔ جب پیغمبر اسلامؐ نے کفار کی کثرت تعداد اور اسلحۂ جنگ کی فراوانی اور ادھر مسلمانوں کی قلت عددی اور پھر بے سروسامانی پر نگاہ فرمائی تو بڑے عجز و نیاز کے ساتھ بارگاہ خدا میں دست دعا بلند کر کے یہ دعا کی۔

''اللھم ھذہ قریش قد اتت بخیلا ءھا تحاول ان تکذب رسولك اللھم فانصرنی نبصرك الذی وعدتنی اللھم ان تھلك ھذہ العصابة الیوم لاتعبد'' بارالٰہا! قریش اپنے تمام تر غرور و پندار کے ساتھ تیرے رسول کو جھٹلانے کیلئے آئے ہیں۔ اب اپنی نصرت بھیج جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے بارالٰہا اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت ختم ہوگئی۔ تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت نہیں ہو

سکے گی (تاریخ طبری وکامل ابن اثیر)

پھر دنیا نے نتیجہ دیکھ لیا قریش کے ستر سورمے میدان میں مارے گئے۔ستر جنگجو قید ہوئے اور جو باقی تھے وہ اپنا قیمتی ساز وسامان میدان جنگ میں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر گئے۔اوران کا سارا غرور و پندار خاک میں مل گیا۔اور مسلمانوں نے اس فیصلہ کن فتح کے بعد پورے عالم عرب سے اپنی طاقت کا لوہا منوالیا۔اور ارشاد الٰہی کے مطابق اس کا نتیجہ بڑا خوشگوار نکلا خدا چاہتا تھا کہ احقاق حق اور ابطال باطل ہو جائے۔اور کافروں کی جڑ کٹ جائے۔والحمدللہ۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

جب مذکورہ بالا حقائق کو سامنے رکھا جائے تو اس سے مخالفین اسلام کا وہ پروپیگنڈہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے جو وہ کیا کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے قریش کے قافلہ پر چھاپا مارا تھا۔اور اسے لوٹنا چاہا تھا اور اس کے نتیجہ میں جنگ بدر واقع ہوئی مذکورہ بالا حقائق سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ جنگ بدر بھی اسلام پر مسلط کردہ دوسری جنگوں کی طرح دفاعی جنگ تھی جارحانہ اور ابتدائی جنگ نہیں تھی۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک انٹرنیشنل لاء کے ماہر قانون دان کے خیالات کا خلاصہ پیش کر دیا جائے''ایک طرف تو قریش کا مسلمانوں پر مظالم توڑ کر انہیں جلاوطنی پر مجبور کرنا،جلاوطنی پر ان کی جائیدادوں کو ضبط کر لینا۔اور ان کے نئے مسکن (حبشہ اور پھر مدینہ) میں وہاں کے حکمرانوں اور بااثر لوگوں کو ان تارکین وطن کو پناہ نہ دینے کی ترغیب دینا۔

دوسری طرف ان ناانصافیوں کا بدلہ لینے کیلئے مدینہ کے مسلمانوں کا قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا اور بزور قریشی قافلوں کی آمدورفت کو اپنے زیر اثر علاقہ سے روک دینا یہی بدر کی لڑائی کا باعث ہو سکتے ہیں۔قریشی قافلوں کو لوٹ لینا ڈاکہ اس وقت سمجھا جائے گا جب یہ بے قصور ہوں اور لوٹنے والے حکومت کے نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں ورنہ دو سلطنتوں میں کشیدگی پر نہ صرف جان بلکہ مال وآبرو کے خلاف بھی ہر فریق دوسرے فریق کو نقصان پہنچانے کا پورا حق رکھتا ہے''(ڈاکٹر حمید اللہ''عہد نبوی کے میدان جنگ ص ۱۷ بحوالہ تفسیر ماجدی)۔

یجادلونك۔...الآیة۔ ۵

اس موقع پر اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے صاحب معارف القرآن کی نگارش کا پیش کر دینا کافی ہے چنانچہ موصوف لکھتے ہیں''واقعہ کی تفصیل سننے کے بعد ان آیات مذکورا الصدر کو دیکھئے پہلے یہ ارشاد فرمایا''وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ''یعنی ایک جماعت مسلمانوں کی اس جہاد کو بھاری سمجھ رہی تھی اس سے

اشارہ اس حال کی طرف ہے جو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کے وقت بعض صحابہ کرام کی طرف سے ظاہر ہوا کہ انہوں نے جہاد سے پست ہمتی کا اظہار کیا۔ اور اسی واقعہ کا بیان اگلی آیت میں ہے۔ ''يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ'' یعنی یہ لوگ آپ سے حق کے معاملہ میں مجادلہ اور اختلاف کرتے ہیں گویا ان کو موت کی طرف کھینچا جارہا ہے جس کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

صحابہ کرام نے اگرچہ کوئی حکم عدولی نہ کی تھی بلکہ مشورہ کے جواب میں اپنے ضعف اور پست ہمتی کا اظہار کیا تھا مگر رسول کے ساتھیوں سے ایسی رائے کا اظہار بھی ان کے مقام بلند کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند تھا اس لئے ناراضگی کے الفاظ سے اس کو بیان فرمایا گیا'' (معارف القران جلد ۴)

اس بیان سے دو باتیں عیاں ہیں ایک یہ کہ ''**الصحابة كلهم عدول**'' کا نظریہ خانہ ساز ہے جسے کم از کم قرآن کی تائید حاصل نہیں ہے دوسرا یہ کہ صحابہ کرام پر تنقید و تبصرہ کرنا بدعت نہیں ہے بلکہ سنت الٰہیہ ہے۔ جس کے مظاہروں سے قرآنی صفحات لبریز نظر آتے ہیں۔

کردم اشارتے و مکررنمی کنم

آیات القرآن

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآٮِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ
ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ
دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۞۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ
الْمُجْرِمُوْنَ ۞۸ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ
بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓٮِٕكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۞۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَٮِٕنَّ
بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞۱۰
اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً
لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ
وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۞۱۱

ترجمۃ الآیات

اور (یاد کرو وہ وقت) کہ جب خدا نے تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے لئے ہے (تمہارے ہاتھ آئے گا) اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارے ہاتھ آجائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام واحکام کے ذریعہ سے حق کو ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے (۷) تا کہ حق کو حق کرکے اور باطل کو باطل کرکے دکھادے اگرچہ مجرم لوگ اس بات کو کتنا ہی ناپسند کریں (یعنی خدا چاہتا تھا کہ تمہاری مسلح گروہ سے مڈ بھیڑ ہو) (۸) (اس وقت کو یاد کرو) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کررہے تھے اور اس نے تمہاری فریاد سن لی (اور فرمایا) کہ تمہاری مدد کیلئے یکے بعد دیگرے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔ (۹) اور اللہ نے ایسا اس لئے کیا کہ تمہارے لئے خوشخبری ہو اور تمہارے مضطرب دلوں کو اطمینان ہو ورنہ فتح و فیروزی تو بہر حال اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ یقینا اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ (۱۰) اور وہ وقت (بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ) جب اللہ نے تمہیں غنودگی سے ڈھانپ دیا تھا تا کہ اس کی طرف سے تمہیں امن وسکون حاصل ہو۔ اور آسمان سے تم پر پانی برسا رہا تھا تا کہ تمہیں پاک صاف کرے اور تم سے شیطان کی نجاست و ناپاکی دور کرے اور تمہارے دلوں کو مظبوط کرے (تمہاری ڈھارس بندھائے) اور تمہارے قدموں کو جمائے۔ (۱۱)

تفسیر الآیات

۱۔ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ ...الآیۃ

اصحاب بدر نے اپنی قلت عددی اور بے سروسامانی کے عالم میں کس طرح بارگاہ خداوندی میں استغاثہ کیا اور کس طرح اس کی امداد و تائید غیبی حاصل کرنے کیلئے داد و فریاد کی اور پھر کس طرح خدا نے اپنی قدرت کاملہ و رحمت واسعہ کا اظہار کرتے ہوئے آسمان سے فرشتے نازل کرکے ان کی فریاد رسی کی اور پھر یہ فرشتوں کے ذریعہ سے ان کی جو امداد کی گئی اس کی کیفیت کیا تھی؟ ان کا نزول کمزور دل مسلمانوں کے اطمینان قلب اور اس کی قرار کیلئے

تھا کہ وہ قرار پائیں اور مطمئن ہو جائیں۔ یا انہوں نے مسلمانوں کی فتح ونصرت میں کوئی عملی حصہ بھی لیا تھا؟ اور آیا ''فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ'' کا خطاب مسلمانوں سے ہے یا فرشتوں سے؟ نیز آیا ان کی تعداد ایک ہزار تھی یا تین ہزار یا پانچ ہزار؟ اور پھر فتح وفیروزی کس طرح منجانب اللہ ہوتی ہے؟ ان تمام امور پر تفسیر کی دوسری جلد یعنی پارہ چار آل عمران کی آیت نمبر ۱۲۳ ولقد نصرکم اللہ ببدر سے لے کر آیت نمبر ۱۲۶ تک کی تفسیر میں بقدر ضرورت تفصیل کے ساتھ گفتگو ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے یہاں اعادہ وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

ازالہ اشتباہ

ہم سورہ آل عمران کے مذکورہ بالا مقام پر ثابت کر آئے ہیں کہ خدا نے فرشتوں کو صرف بشارت دینے ان کا دل بڑھانے اور ان کے صبر وثبات کے خاطر نازل کیا تھا۔ نہ کہ عملی جنگ میں حصہ لینے کے لئے۔ مگر یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ چونکہ آیت کی ابتداء میں خطاب فرشتوں سے ہے۔ کہ فثبتوا الذین آمنوا۔ کہ تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو۔ لہٰذا گردنوں اور ہاتھوں پر ضربیں لگانے کا حکم بھی انہی کو ہے۔ تو اس شبہ کا ازالہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ یہاں صنعت التفات کارفرما ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک انداز میں کسی سے بات کرتے ہوئے یکدم انداز تخاطب پلٹ دیا جائے۔

چنانچہ یہاں پہلے خطاب فرشتوں سے تھا کہ اہل ایمان میں ثبات قدم پیدا کروا سکے بعد یکدم خطاب مسلمانوں سے ہو گیا کہ تم کافروں کی گردنوں اور ہاتھوں پر ضربیں لگاؤ۔ اور پھر چونکہ کفار کا اجمالاً تذکرہ آ گیا تھا تو اب روئے سخن ان کیطرف پھر گیا کہ اب اس عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ سب صنعت التفات ہے پہلے کفار کا تذکرہ صیغہ غائب سے تھا اور اب ان سے خطاب ہو رہا ہے۔

۷۔ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ ...الآیۃ۔

نیند کس طرح اللہ کی نعمت ہے۔ اور اگر آدمی کے دل ودماغ میں کوئی پریشانی ہو تو اسے کس طرح نیند نہیں آتی اور اگر گہری نیند آ جائے تو اس سے کس طرح ہر قسم کی تھکاوٹ واکتاہٹ دور ہو جاتی ہے؟ اس پر سورہ آل عمران کی آیت نمبر...... ۵۴۔ ''ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا''۔ کی تفسیر میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔

اہل بدر پر خدا کے چھ عدد احسانات کا اجمالی تذکرہ

ان آیات میں خداوند عالم نے اہل بدر پر اپنے چھ عدد احسانات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

۱۔ پہلا احسان جس صبح اہل اسلام کی کافروں سے مڈبھیڑ ہونی تھی۔ اس رات خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے ان پر گہری نیند مسلط کر دی جب صبح جاگے تو ہر شخص ہشاش بشاش تھا۔ اور اسے ذہنی یکسوئی حاصل ہوگئی تھی۔

۲۔ کفار کا لشکر بمقام بدر پہلے پہنچ گیا تھا لہٰذا مسلمانوں کے خلاف لڑنے کیلئے اس نے اونچائی پر پڑاؤ ڈالا۔ جسکے قریب پانی تھا اور انہوں نے پانی پر قبضہ کر لیا لہٰذا مسلمانوں کیلئے نہ پینے کیلئے پانی اور نہ طہارت کے لئے۔ خدا نے یہ کرم نوازی فرمائی۔ کہ ایسی موسلا دھار بارش برسائی کہ جس سے جل تھل ایک ہوگیا۔ پینے والوں نے پیا، اور جس کو غسل کی ضرورت تھی اس نے غسل کیا اور پھر مسلمانوں نے حوض بنا کر پانی جمع بھی کر لیا۔ اور اس طرح ریت بھی جم گئی اور مسلمانوں کے پاؤں جو اس میں دھنس دھنس جاتے تھے تو ان کو اس تکلیف سے بھی نجات مل گئی اور اب پاؤں جم گئے''

۳۔ اس طرح نیند کو غالب کر کے اور بارش برسا کر خدا نے شیطانی وسوسہ یا احتلام والی کثافت کا ازالہ کر دیا اور لوگوں نے اطمینان سے غسل کیا۔ اور ہر قسم کی پریشانی دور ہوگئی اور یکسوئی حاصل ہوگئی۔

۴۔ مسلمانوں کے دل مطمئن ہوگئے اور انہیں قرار آ گیا۔ اور ہر قسم کا خوف وہراس دور ہوگیا۔

۵۔ اور انہیں ثابت قدمی کی بے پایاں دولت مل گئی اور سکون قلب حاصل ہوگیا۔

۶۔ خدا نے فرشتوں کو وحی فرمائی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو اور ان کی ہمت بڑھاؤ۔ میں کفار کے دلوں میں رعب ڈال رہا ہوں۔ لہٰذا وہ مرعوب ہو کر میدان کارزار سے راہ فرار اختیار کر جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور مٹھی بھر مسلمان مظفر ومنصور ہوئے۔ سچ ہے۔ وما النصر الا من عند الله!

ظاہری یا باطنی اسباب وآلات جو بھی ہوں حقیقی فتح ونصرت بہر حال خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ وہی مسبب الاسباب اور مفتح الابواب ہے۔ لا شريك له۔

آیات القرآن

اِذۡ يُوۡحِىۡ رَبُّكَ اِلَى الۡمَلٰۤٮِٕكَةِ اَنِّىۡ مَعَكُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ‌ؕ

سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ
وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ
وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ
فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا
لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ وقت بھی (یاد رکھنے کے قابل ہے) جب تمہارا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو۔ میں عنقریب کافروں کے دلوں میں (مومنوں کا) رعب ڈال دوں گا سو (اے مسلمانو) تم کافروں کی گردنوں پر ضرب لگاؤ اور جوڑ جوڑ پر چوٹ لگاؤ (۱۲) یہ اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے خدا اور رسول کی مخالفت کی یاد رکھو کہ جو کوئی بھی خدا اور رسول کی مخالفت کرے گا تو اللہ (مکافات عمل میں) سخت سزا دینے والا۔ (۱۳) (اے مخالفین حق) دنیا میں تمہاری یہ سزا ہے۔پس اس کا مزہ چکھو۔اور (آخرت میں) آتش دوزخ کا عذاب بھی ہے۔(۱۴) اے ایمان والو! جب کافروں کے لشکر سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو خبردار! ان کے مقابلہ میں ان کو پیٹھ نہ دکھانا (بلکہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم کر لڑنا۔(۱۵)

تفسیر الآیات

۸۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا ...الآیة۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معرکہ بدر میں کفار کے ساتھ جو کچھ ہوا اور ساز و سامان جنگ کی فراوانی کے باوجود مٹھی بھر نہتے مسلمانوں کے ہاتھ سے انہیں جو ذلت آمیز شکست فاش ہوئی ہے یہ سب کچھ خدا اور رسول کی مخالفت کا نتیجہ ہے اور ان لوگوں کیلئے تازیانہ عبرت ہے جو خدا کی بجائے اپنی مادی قوت و طاقت پر بھروسہ کرتے

ہیں حالانکہ اس ذلت ورسوائی کے علاوہ آخرت میں جہنم کا سخت عذاب بھی ہے جس کا مزہ انہوں نے چکھنا ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کو فتح وفیروزی کی نعمت سے نوازا جس سے ان کی عربوں پر دھاک بیٹھ گئی اور دنیوی مال و دولت سے بھی نوازا جس سے کافی حد تک مسلمانوں کی موجودہ غربت کا مداوا ہو گیا۔

۹۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ...الآیة۔

جنگ لڑنے کے طریقہ کار کی تعلیم

اس آیت میں مسلمانوں کو جنگ لڑنے کا طریقہ بتلایا جا رہا ہے کہ جب دشمن سے آمنا سامنا ہو یعنی ان سے مڈبھیڑ ہو تو قدم جما کر لڑنا چاہیے اور داد شجاعت دینی چاہیے اور نہایت پامردی اور بہادری سے سد سکندری کی طرح دشمنوں کے سامنے ڈٹ جانا چاہیے اور کبھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھانی چاہیے اور ہرگز بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایسا کرنا علاوہ اس کے کہ گناہان کبیرہ میں داخل ہے ایسا کرنے والے کے دین کی کمزوری اور مسلمانوں کی ذلت ورسوائی کا باعث ہے۔ کسی فراری کے راہ فرار اختیار کرنے پر لوگ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جس شخص کو اپنے دین وایمان سے اپنی جان زیادہ عزیز ہے اس کا دین وایمان کمزور ہے اور اس کے عقیدہ و ایمان میں صلابت وپختگی نہیں ہے اور اس سے مسلمان جماعت کی ذلت ورسوائی میں بزدلی نا قابل معافی جرم ہے۔ یہ جرم اور پھر وہ بھی لشکر اسلام کے سپاہی سے جس کا ہر سپاہی خدا کا سپاہی ہوتا ہے۔ اور جان دے کر جنت لینے کیلئے جنگ کرتا ہے۔ کما لا یخفی

آیات القرآن

وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ
فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ
تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
رَمٰى ۚ وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾
ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَیْدِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ
جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ

وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿٢٠﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو ایسے (جنگ والے) موقع پر ان کو پیٹھ دکھائے گا۔ سوا اس کے جو جنگی چال کے طور پر ہٹ جائے۔ یا کسی (اپنے) فوجی دستہ کے پاس جگہ لینے کیلئے ایسا کرے (کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے) تو وہ خدا کے قہر و غضب میں آ جائے گا۔ اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ اور وہ بہت بری جائے بازگشت ہے۔(۱۶) (اے مسلمانو) تم نے ان (کفار) کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے قتل کیا اور (اے رسول) وہ سنگریزے تو نے نہیں پھینکے۔ بلکہ خدا نے پھینکے (یہ سب کچھ اسلئے ہوا کہ) خدا اہل ایمان پر خوب احسان فرمائے (یا اللہ اس کے ذریعہ سے ایمان والوں کو بہترین آزمائش میں ڈال کر آزمائے) یقیناً اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔ (۱۷) یہ معاملہ تو تمہارے ساتھ ہو چکا ہے اور (کفار کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ) اللہ ان کی مخفی تدبیروں کو کمزور کرنے والا ہے۔(۱۸) اور (اے کفار مکہ) اگر تم فتح مندی کے طلبگار ہو۔ (کہ جو حق پر ہے اس کی فتح ہو) تو (مسلمانوں کی) فتح تمہارے سامنے آ گئی! اور اگر تم اب بھی (جنگ و جدال) سے باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر پلٹ کر پھر وہی (شرارت) کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے (مسلمانوں کی نصرت کریں گے اور تمہیں سزا دیں گے) اور تمہاری جمعیت چاہے کتنی ہی زیادہ ہو تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔ بے شک اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔(۱۹) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور اس سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم (آوازِ حق) سن رہے ہو(۲۰)

تفسیر الآیات

۱۰۔ وَمَنۡ يُّوَلِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ...الآیۃ۔

مخصوص حالات میں دشمن کو پیٹھ دکھانا جائز ہے

اس آیت مبارکہ میں میدان جنگ سے دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگنے کی حرمت بیان کرنے کے بعد بڑے حکیمانہ انداز میں دو استثنائی صورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں دشمن کے سامنے سے ہٹنا جائز ہے۔

پہلی صورت

یہ ہے کہ جنگی مصلحت کے پیش نظر پینترا بدلنے کے لئے۔ دکھاوے کے طور پر پیچھے ہٹے تا کہ دشمن یہ سمجھے کہ یہ بھاگ گیا ہے اور وہ آگے بڑھے اور یہ اسے زد میں لا کر اور اپنی پوزیشن بدل کر بھرپور حملہ کر سکے اور دشمن کو گھیرے میں لے سکے اس جنگی چال میں وہ تمام صورتیں آ جاتی ہیں جن کا مقصد مدمقابل کو غافل کر کے اس پر یکبارگی بھرپور حملہ کر کے ٹوٹ پڑنا ہو۔ ان حربی چالوں کا فیصلہ ایک ماہر جنگ جرنیل ہی کر سکتا ہے کوئی مفتی یا مولانا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ

ہر کسے را بہر کارے ساختند

یہ ہے متحرفا لقتال کا مفہوم۔

دوسری صورت

کوئی ایک سپاہی یا چند سپاہی اپنے لشکر سے جدا ہو گئے ہوں۔ اور اب بھاگ کر اپنے لشکر میں شامل ہونا چاہتے ہوں تا کہ اس طرح اپنی قوت وطاقت کو مجتمع کر کے دشمن پر بھرپور وار کر سکیں۔ ان استثنائی صورتوں کے علاوہ کسی صورت میں بھی مسلمان مجاہد کیلئے میدان جنگ سے منہ موڑنا اور دشمن کو پیٹھ دکھانا جائز نہیں ہے۔ خواہ دشمن جس قدر بھی طاقتور اور تعداد میں کئی گنا زیادہ ہو جیسا کہ جنگ بدر میں تین گنا سے بھی زیادہ تھا۔ جنگ بدر کے موقع پر حکم یہی تھا۔ بعد میں کچھ تخفیف کر دی گئی اور دس مسلمانوں کو ایک سو کافروں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ یعنی بیس مسلمانوں کو دو سو کافروں سے اور ایک سو مسلمانوں کو ایک ہزار کافروں سے لڑنے کا حکم دیا جیسا کہ سورہ انفال کی آیت نمبر ۶۵ میں مذکور ہے۔

بعدازاں خدائے رؤف ورحیم نے مزید تخفیف کردی اور مسلمانوں کے ضعف اور کمزوری کے پیش نظر ایک سو کا مقابلہ دوسو سے لازم قرار دیا۔ کہ اگر ایک سو ثابت قدم اور مضبوط دل ودماغ کے مسلمان ہوئے تو وہ دوسو کافروں پر غالب آجائیں گے۔ دریں حالات اگرچہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر دشمن دوگنے سے زیادہ ہو اور مسلمان لڑنے میں مصلحت نہ سمجھیں تو پھر دشمن کو پیٹھ دکھا سکتے ہیں لیکن اس صورت میں بھی عزیمت یہی ہے کہ خدا پر توکل کریں اور لڑائی سے منہ نہ موڑیں۔ بہرکیف شرعی جواز کے بغیر (جس کی استثنائی صورتوں کی شکل میں وضاحت کردی گئی ہے) جو میدان کارزار سے راہ فرار اختیار کرے گا۔ تو وہ خدائے قہار کے قہر وغضب کا مستحق ہوگا اور انجام کار اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت بری جائے بازگشت ہے۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ میدان جنگ سے فرار کرنے پر یہاں خدا کے جس قہر وغضب کے نزول اور جہنم میں دخول کی تہدید کی گئی ہے یہ جنگ بدر سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ آیت کے الفاظ اور اہل بیت علیہم السلام کے روایات اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ کسی بھی اسلامی جہاد میں جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے کی یہی سزا ہے جو اوپر مذکور ہے اور جن بعض علماء نے اسے جنگ بدر سے مخصوص قرار دیا ہے۔ شاید ان کو یومئذٍ کے لفظ سے دھوکہ ہوا ہے جو آیت میں مذکور ہے۔ حالانکہ اس سے مطلق لڑائی کا وقت اور دن مراد ہے۔ نہ کہ جنگ بدر کا دن۔

۱۱۔ فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡهُمۡ ...الآیۃ

اس آیت کی شان نزول

مروی ہے کہ جب غزوۂ بدر میں مذکورہ بالا اسباب کی وجہ سے جن کی تفصیل ابھی اوپر آیت نمبر ۸ سے لے کر آیت ۱۳ تک کی تفسیر میں بیان کی جاچکی ہے خدا نے مسلمانوں کو فتح ونصرت عطا فرمائی اور کفار کو شکست فاش ہوئی تو مسلمان فخر کرنے لگے کہ میں نے فلاں کو قتل کیا اور میں نے فلاں کو قید کیا۔ تو خدا نے یہ آیت نازل کی اور مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ تم اپنی قوت اور شجاعت پر فخر وناز نہ کرو۔ بلکہ اپنے پروردگار کا شکر ادا کرو جس کے فضل و کرم اور تائید غیبی سے تم فتحیاب ہوئے اور اپنے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سپاس ادا کرو۔ جن کی اعجاز نمائی سے دشمن پسپا ہوا اور تم مظفر ومنصور ہوئے لہٰذا تم نے انہیں قتل نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے کیا۔

ہوا یوں کہ (مذکورہ بالا اسباب وآلات کے علاوہ) جب کفار اپنے تمام لاؤلشکر اور داد دہش کے ساتھ بمقام بدر آدھمکے اور میدانِ کارزار گرم ہوا تو رب جلیل کی طرف سے جبرئیل امین۔ نازل ہوئے۔ اور بارگاہ

رسول میں عرض کیا۔ کہ آپ کنکروں کی ایک مٹھی لے کر کفار کی طرف پھینکیں چنانچہ آپ نے کنکروں کی ایک مٹھی بھری اور یہ کہہ کر ''شاہت الوجوہ'' (چہرے بگڑ جائیں) کفار کی طرف پھینکی اب قادر مطلق نے اپنی قدرت کاملہ کا کرشمہ یہ دکھایا کہ ہر کافر ومشرک کی آنکھ میں ایک کنکر جا پڑا خواہ اس کا جدھر بھی رخ تھا اور وہ اپنی آنکھیں ملنے لگا۔ مسلمانوں نے حملہ کر کے بعض کو قتل کیا اور بعض کو قید کیا اور باقی ماندہ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے (تفسیر قمی، عیاشی، صافی ابن جریر، روح المعانی)

اگلے جملے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ ''وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی'' اے حبیب! وہ سنگریزے جو تو نے پھینکے تھے وہ تو نے نہیں پھینکے بلکہ اللہ نے پھینکے تھے۔ یہاں نفی بھی ہے اور اثبات بھی۔ تو یہ اجتماع الضدین نہیں ہے۔ کیونکہ اثبات اور چیز کا ہے اور نفی اور چیز کی کیونکہ اثبات سنگریزوں کی مٹھی پھینکنے کا ہے جو یقینا آپ نے پھینکی تھی اور نفی اس بات کی ہے کہ ہر کنکر کو میزائل بنانا اور پھر ہر کافر ومشرک کی آنکھ تک پہنچانا تیرا نہیں بلکہ قادر مطلق کا کام تھا۔

اسی بناء پر علم کلام کے محققین کا یہ نظریہ ہے جسے قرآن وسنت کی تائید مزید حاصل ہے کہ معجزہ کا فاعل حقیقی خدا ہوتا ہے اور وہی اپنی قدرت کاملہ سے اس خارق عادت کام کو ظاہر کرتا ہے۔

ہاں! البتہ چونکہ اس کا اظہار نبی وامام کی دعا واستدعا پر ہوتا ہے اور بظاہر اس کا ظہور انہی کے مقدس ہاتھ پر ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی نسبت ان کی طرف دے دی جاتی ہے۔ اس مطلب کی کما حقہ، وضاحت سورہ آل عمران کی آیت ۴۹...... ''اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ'' کی تفسیر میں پہلی جلد کے اندر گذر چکی ہے۔ طالبان تحقیق مزید اس مقام کی طرف رجوع کریں۔

بہرحال اس طرح خداوند عالم نے مسلمانوں کو یہ غیر متوقع فتح وفیروزی عطا کر کے کافروں ومشرکوں کے مکروفریب کو کمزور کر دیا اور اہل ایمان پر اپنے فضل وکرم کا خصوصی مظاہرہ فرمایا۔ بے شک وہ سمیع وعلیم ہے یعنی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ ابلا کا لفظ جس کا مادہ ''بلا'' ہے اس کے معنی عطا ونعمت کے بھی ہیں اور آزمائش وامتحان کے بھی۔ اور ابتلاء کے معنی اگرچہ امتحان وآزمائش کے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ آزمائش کبھی انعام واحسان کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی مصیبت وتکلیف کے ساتھ اس لئے ہم نے اسی مناسبت کے پیش نظر دونوں معنی کر دیے ہیں۔

۱۲۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ...الآیۃ۔

اس آیت کی شان نزول

فریقین کے مفسرین کا قریباً اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ بدر میں لشکر کفار کے سردار ابوجہل نے مکہ سے روانہ ہوتے وقت غلاف کعبہ کو پکڑ کر ایک دعا کی تھی۔ جس کے الفاظ میں گو قدرے اختلاف ہے۔ مگر مفہوم سب کا ایک ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے اس کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ ''اللّٰھم افتح اعلی الجندین، واھدی الفئتین، وا کرم الزبین'' ان دو لشکریں سے جو اعلیٰ ہے۔ ان دو گروہوں میں سے جو زیادہ ہدایت یافتہ ہے اور ان دو جماعتوں میں سے جو زیادہ شریف ہے اس کو فتح دے (صافی ومظہری)۔

اور بعض نے اس کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں ''اللھم دنینا القدیم و دین محمد الحدیث فای الدینین احب الیك وارضی عندك فانصر اھله الیوم ''۔ یا اللہ! ہمارا دین قدیم ہے اور محمد کا دین جدید ہے یا اللہ ان دونوں دینوں میں سے جو دین تجھے زیادہ محبوب ہے اور جو تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس دین والوں کو آج فتح عطا فرما۔ (مجمع البیان)۔

اور بعض نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ اینا اھجرو اقطع للرحم فاھنه الیوم واھلکه۔ یا اللہ! ہم میں سے جو زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہے تو آج اس کی توہین کر اور اسے ہلاک کر (صافی)۔

بموجب۔

عبارا تناشیٰ وحسنك واحد
وکل الی ذاك الجمال یشیر

مفہوم ان سب الفاظ کا ایک ہے۔ ان دو متحارب گروہوں میں سے جو حق پر ہے اسے فتح ونصرت عطا فرما اور جو باطل پر ہے اسے ہلاک و برباد کر چنانچہ مجیب الدعوات نے ابوجہل کی دعا قبول فرمائی اور اہل حق یعنی مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور اہل باطل یعنی کفار کو مغلوب ومقہور فرمایا۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خداوند عالم کفار کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے ارشاد فرما رہا ہے۔ کہ تم نے خود دعا کی تھی کہ میں حق والوں کو فتح وغلبہ عطا کروں اور باطل والوں کو مفتوح ومغلوب کروں۔ لہٰذا اب حق واضح ہو گیا ہے۔ مطلع حقیقت بے غبار ہو گیا ہے کہ اسلام دین حق ہے اور مسلمان اہل حق ہیں۔ لہٰذا اگر تم اپنے کفر وشرک سے باز آ جاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تم نے پھر شرارت وجنگ کی طرف عود کیا تو پھر ہم بھی سزا دینے اور

مسلمانون کی نصرت کرنے کی طرف عود کریں گے۔ اور پھر تمہیں تمہاری کثرت تعداد کوئی فائدہ نہ دے گی کیونکہ میں اللہ اہل ایمان کے ساتھ ہوں۔

۱۳۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ ... الآیۃ۔

چونکہ سابقہ آیت کا خاتمہ اس بات پر ہوا ہے کہ یقیناً خدا اہل ایمان کے ساتھ ہے۔تو اس آیت میں یہ حقیقت واضح کی جا رہی ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ خدا اور رسول کی اطاعت کی جائے کیونکہ دنیا کی کامیابی اور آخرت کی کامرانی کا دارومدار ایمان اور اطاعت پر ہے اور عقیدہ کے ساتھ عمل لازم ہے ظاہر ہے کہ یہی عقیدہ و عمل ہی قصر شریعت کے سنگ بنیاد ہیں۔ بعد ازاں مزید تاکید کی خاطر فرمایا۔ ولاتولوا عنه۔ اور اس سے روگردانی نہ کرو۔ جبکہ تم (قرآن اور نبی کا فرمان) سن رہے ہو یہ ''عنہ'' (اس سے) کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

بعض نے رسول اور بعض نے اطاعت کو جو کہ اطیعوا سے مستفاد ہے۔ قرار دیا ہے۔ بہرحال مطلب واضح ہے کہ جب تم قرآن اور رسول خداؐ کا فرمان سن رہے ہو اور آنحضرتؐ بنفس نفیس تم میں موجود ہیں تو ان سے اور خدا اور رسول کی اطاعت سے روگردانی نہ کرو۔ کیونکہ ایسا کرنا ایک بندہ مومن کے شایان شان نہیں ہے لہٰذا مومن کے ایمان کا اس کی عملی زندگی میں اثر نمایاں ہونا چاہیے۔

آیات القرآن

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ۝۲۱ اِنَّ شَرَّ
الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ۝۲۲ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ
فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝۲۳
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا
يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ
تُحْشَرُوْنَ۝۲۴ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝۲۵ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ
مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ

وَاَیَّدَکُمْ بِنَصْرِہٖ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

اوران لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ (دراصل) وہ کچھ بھی سنتے (سناتے) نہیں ہیں (۲۱) بے شک اللہ کے نزدیک سب جانوروں سے بدتر جانور وہ (انسان) ہیں جو بہرے گونگے ہیں جو عقل سے ذرا کام نہیں لیتے (۲۲) اگر اللہ جانتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے تو ضرور انہیں سنا دیتا اور اگر (اس بھلائی کے بغیر) انہیں سنواتا۔ تو وہ بے رخی کرتے ہوئے پیٹھ پھیر دیتے (۲۳) اے ایمان والو اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہو۔ جب کہ وہ (رسول) تمہیں بلائیں۔ اس چیز کی طرف جو تمہیں (روحانی) زندگی بخشنے والی ہے۔ اور جان لو۔ کہ اللہ (اپنے مقررہ اسباب کے تحت) انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوجاتا ہے اور (یہ بھی جان لو کہ) تم سب اسی کے حضور جمع کئے جاؤ گے (۲۴) اور اس فتنہ سے بچو جو صرف انہی تک محدود نہیں رہے گا جنہوں نے تم میں سے ظلم وتعدی کی (بلکہ سب اس کی لپیٹ میں آجائیں گے) اور جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے (۲۵) اور وہ وقت یاد کرو۔ جب تم تھوڑے تھے اور ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ اور ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں تو اللہ نے تمہیں (مدینہ میں) پناہ دی اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید کی اور تمہیں پاک و پاکیزہ چیزیں دے کر رزق کا سامان مہیا کر دیا۔ تاکہ تم شکر گزار رہو۔ (۲۶)

تفسیر الآیات

۱۴۔ وَلَا تَکُوْنُوْا ...الآیۃ۔

مزید تاکید کیلئے اہل ایمان سے کہا جا رہا ہے۔ کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا مگر انہوں نے درحقیقت سنا کچھ بھی نہیں ہے۔ ان لوگوں سے کون مراد ہیں؟ بعض مفسرین نے یہود ونصاریٰ اور منافقین کو اور بعض نے عام کفار ومشرکین کو مراد لیا ہے۔ مگر اس سے عام کفار ومشرکین تو مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ

انہوں نے تو زبانی کلامی طور پر بھی کبھی حق کے سننے اور اسے قبول کرنے کا اقرار نہیں کیا۔ ہاں البتہ اس سے اہل کتاب اور اس امت کے منافق لوگ مراد ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ یہود کے بارے میں سورہ بقرہ میں یہ بات بڑی وضاحت سے بیان کی جا چکی ہے کہ ان کا رویہ یہ تھا کہ کلام خدا سن کر کہتے تو یہ تھے کہ ''سمعنا'' (ہم نے سنا) مگر ان کا عمل ''وعصینا'' پر تھا (کہ ہم نے سنا اور اس کی خلاف ورزی کی)۔ اور یہی طریقہ کار امت محمدیہ کے منافقین کا رہا ہے اور ہے کہ وہ اپنی زبان سے حق کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر اپنے عمل سے اس کا انکار کرتے ہیں تو اہل ایمان کو روکا جا رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے مشابہ نہ بنائیں۔ کیونکہ ''من تشبّہ بقوم فھو منھم'' کی صداقت عیاں را چہ بیان کی مصداق ہے۔

۱۵۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ... الآیۃ۔ ۱۵

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان اشرف المخلوقات اور افضل الموجودات ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ خدا کی عطا کردہ علمی و عملی قوتوں اور انسانی صلاحیتوں کما حقہ سے فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ ''شر الدواب'' بن جاتا ہے۔ یعنی اگر وہ اپنے دماغ سے سوچے نہ آنکھوں سے دیکھے نہ اور کانوں سے آوازِ حق سنے نہ۔ یعنی خداداد صلاحیتوں کو بالکل معطل کر دے اور حیوانی خواہشات کی تکمیل اور سفلی جذبات کی تسکین کو ہی اپنا مطمع نظر قرار دے دے تو پھر وہ انسانی شکل میں ایک بہرہ، گونگا اور بے عقل چوپایہ ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ اس مطلب کی وضاحت سورہ اعراف کی آیت ۱۷۹ ''وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا'' کی تفسیر میں گزر چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے بہرحال اگر انسان عقل و بصیرت سے کام لے تو جس طرح اس کی ترقی و عروج کی کوئی حد نہیں ہے۔ اسی طرح اگر وہ عقل و بصیرت سے کام نہ لے۔ تو پھر اس کے تنزل و پستی کی بھی کوئی حد نہیں ہے ''اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ''

۱۶۔ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا... الآیۃ۔

لوگوں کی دو قسمیں: کچھ طالب حق، کچھ شکار کے طلبگار

پہلی قسم کے لوگوں کی حقیقت کی جستجو اور تلاش کے سوا کوئی ذاتی غرض و غایت نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ

دلیل و برہان اور غور وفکر کے بغیر کوئی بھی نظریہ قائم نہیں کرتے۔ اور دوسری قسم کے لوگ چونکہ اپنی غرض اور اپنے مفاد کے بندے ہوتے ہیں۔ ان کو حق و باطل سے کوئی غرض نہیں ہوتی بلکہ ان کو ہمیشہ اپنے مفاد کی فکر ہوتی ہے وہ صرف اسی بات کو مانتے ہیں جس میں ان کا مفاد مضمر ہو اگر چہ وہ بات باطل ہی ہو اور جو ان کے مفاد سے ٹکرائے وہ اسے چھوڑ دیتے ہیں اگر چہ وہ حق ہی کیوں نہ ہو۔ اب اللہ تعالیٰ اتمام حجت کی خاطر داعیان حق کے ذریعہ سے دعوت حق دیتا تو سب کو ہے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے ''وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا'' ہم جب تک کوئی رسول نہیں بھیجتے تب تک کسی کو عذاب نہیں کرتے۔ مگر اللہ اپنی توفیق ان لوگوں کے شامل حال کرتا ہے۔ اور انہی لوگوں کے ساتھ مزید لطف و کرم کرتا ہے جو ہدایت کے سچے طلب گار ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ''وَ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى'' جو لوگ ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ ان کی ہدایت میں اور اضافہ کر دیتا ہے (سورہ محمد......۱۷) ہے۔

اور ان کے برعکس جو بد بخت ہدایت کے طلب گار ہی نہ ہوں۔ ان کو مزید ہدایت کا ملنا تو درکنار قانون قدرت یہ ہے کہ ان کو ہدایت ہی نصیب نہیں ہوتی بلکہ خیر و شر میں امتیاز کرنے والی صلاحیت ہی سلب ہو جاتی ہے۔ ''ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ'' (سورہ انعام......۶)

اسی آخری قسم کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ اگر خدا ان میں کوئی خوبی و بھلائی دیکھتا تو ان کو سننے اور حق کو قبول کرنے کی توفیق بھی دیتا۔ اور اب جبکہ ان میں حق کی طلب اور اس کیلئے تڑپ ہی نہیں ہے۔ تو اگر موجودہ حالت میں خدا انہیں حق بات سنائے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر لیں گے۔

ایک منطقی شبہ کا ازالہ

سابقہ کلام و بیان سے ایک مشہور منطقی شبہ کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے جو بعض طالب علموں کے دل و دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیت میں جو قیاس ہے یہ شکل اول ہے۔ اور حد اوسط ''اسمعھم'' ہے تو اگر اس حد اوسط کو حذف کیا جائے تو نتیجہ غلط برآمد ہوتا ہے شکل اول یوں بنے گی۔ ''لو علم الله فيهم خيراً لا سمعهم (صغریٰ) ولو اسمعهم لتولوا (کبریٰ) لا سمعهم اور اسمعهم حد اوسط ہے پس اگر اسے حذف کر دیا جائے تو نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ لو علم الله فيهم خيراً لتولوا۔ جو کہ غلط ہے۔ اس شبہ کے جواب کی وضاحت یوں ہے کہ شکل اول کو نتیجہ آور بنانے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ حد اوسط جو مکرر ہے وہ ہر جگہ ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہو۔ جیسے

العالم متغير وكل متغير حادث فا لعالم حادث میں متغیر کا لفظ ہر دو جگہ ایک ہی

معنی میں استعمال ہوئی ہے۔مگر یہاں حداوسط ہر دوجگہ الگ الگ مفہوم میں استعمال ہوئی ہے۔کیونکہ پہلے **لا سمعهم** کا مفہوم اور ہے۔اور **لو اسمعهم** کا اور یعنی پہلے **اسمعهم** سے مراد ہے وہ سنانا جو مفید اور نافع ہو۔ اور دوسرے **اسمعهم** سے مراد وہ سنانا ہے جو نہ مفید ہو اور نہ نافع تو گو یا اس طرح حداوسط مکرر ہوئی ہی نہیں ہے۔اس لئے وہ جو نتیجہ نکال رہے ہیں وہ غلط ہے۔فتدبر وتشکر

۱۷۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا...الآية۔

اے ایمان والو! اللہ و رسول کی پکار پر لبیک کہو (جواب دو) جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندہ کر دے اس زندگی سے کونسی زندگی مراد ہے؟ اس میں کئی احتمالات ہیں

(الف) اس سے جنت والی زندگی مراد ہے یعنی پیغمبر کی آواز پر لبیک کہو جب وہ تمہیں ان کاموں کے کرنے کا حکم دیں جو جنت میں پہنچانے کا باعث ہیں (تفسیر قمی)۔

(ب)۔اس سے حضرت امیر علیہ السلام کی ولایت مراد ہے (صافی)۔

(ج) اس سے مراد حریت اور آزادی کی زندگی ہے جس میں غیر اللہ کی اطاعت و عبادت کا جوا گردن سے اتار دیا جائے۔(تفسیر کاشف)۔

(د) اس سے مراد ایمان ہے جس میں قلب و نظر کی زندگی مضمر ہے۔

اس سے مراد جہاد ہے جو حیات جاودانی کا موجب ہے (مجمع البیان)۔

(و) اس سے مراد قرآن اور علم دین ہے جس پر عمل کرنا حیات ابدی کا باعث ہے۔(مجمع البیان)۔

(ز) اس سے مراد حق ہے (معارف) چونکہ عند التحقیق ان سب احتمالات میں کوئی باہمی تضاد نہیں ہے لہذا یہ سب مراد ہو سکتے ہیں۔واللہ العالم بہر کیف اس آیت مبارکہ میں اللہ اور رسول کی پکار پر جب رسول پکاریں فوراً لبیک کہو اور حاضر ہو جاؤ۔

مخفی نہ رہے کہ **اذا عاكم** میں صیغہ کا واحد ہونا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ خدا اور رسول کی دعوتیں علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں۔بلکہ ایک ہی دعوت ہے۔اور اس آیت سے قرآن کے ساتھ ساتھ سنت نبوی کی اتباع و پیروی کے وجوب پر جو تیز روشنی پڑتی ہے۔وہ محتاج وضاحت نہیں ہے بخاری نے ابی سعید بن المعلی سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے کہ ایک بار میں نماز پڑھ رہا تھا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا جب میں فارغ ہو کر حاضر ہوا۔تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوسعید! کیا تو نے خدا کا یہ حکم نہیں پڑھا کہ "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ "(بخاری)

ترمذی اور نسائی نے یہ واقعہ ابی بن کعب کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت رسول خداؐ نے اس کو آواز دی۔ جب وہ جلدی جلدی نماز مکمل کر کے حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا دیر کیوں کی؟ عرض کیا نماز پڑھ رہا تھا! فرمایا کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ''۔

اس نے عرض کیا کہ آئندہ اس حکم کی اطاعت کرونگا اور اگر چہ نماز میں مشغول بھی ہوا تو بھی فوراً حاضر ہو جاؤں گا (ترمذی و نسائی)۔

اب رہی یہ بات کہ جب آپ بلائیں اور نمازی لبیک کہتے ہوئے آئے اور کئی منافیات نماز کو بھی بجا لائے تو آیا اس سے نماز ٹوٹ جائے گی یا نہ؟ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے نماز باطل نہیں ہوتی (تفسیر مظہری) مگر اظہر یہ ہے کہ اگر مبطلات نماز میں سے کسی فعل کا ارتکاب کیا تو بے شک نماز قطع تو ہو جائے گی اور وقت کے اندر اس کا اعادہ اور وقت کے بعد اس کی قضا کرنا پڑے گی۔ مگر حضور کے بلانے پر نماز فریضہ کا قطع کرنا جائز ہوگا۔ جس طرح کسی اور اہم کام کیلئے جائز ہوتا ہے۔ واللہ العالم۔

۱۸۔ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ...الآیۃ۔

اس آیت کا مفہوم متعین کرنے میں مفسرین اسلام کو بہت دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ کہ خدا بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے کا کیا مفہوم ہے؟۔

(الف)۔ بعض اوقات ایک بندہ مومن کسی گناہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے مگر اس کی نیکوکاری اور نیک نیتی کی بنا پر توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہو جاتی ہے اور وہ گناہ کے ارتکاب سے محفوظ رہ جاتا ہے اور خدا اسے بچا لیتا ہے۔ اسی طرح خدا اور رسول کا ایک نافرمان و ناہنجار انسان جو گناہوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے کبھی نیکی کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر توفیق الٰہی اس کا ساتھ نہیں دیتی اور وہ اس نیکی سے محروم رہ جاتا ہے (تفسیر عیاشی)۔

(ب) اللہ کی توفیق شامل حال ہوتی ہے جس کی وجہ سے کبھی بندہ حق کو باطل اور باطل کو حق نہیں سمجھتا۔ (تفسیر عیاشی)

(ج)۔ جب کسی نیکی کے کرنے یا کسی برائی سے بچنے کا ارادہ کرو۔ تو دیر و درنگ نہ کرو۔ اور لمحات فرصت کو غنیمت سمجھو نا معلوم قضا و قدر یعنی اس ارادہ کی تکمیل میں موت حائل ہو جائے۔ اور وہ ارادہ دھرے کا دھرا رہ جائے لہٰذا آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔ (مجمع البیان)

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نہ ماند

(د) یہ انسان کا دل ہی ہے جو کفر وایمان، اخلاص ونفاق، اور حب وبغض کا مرکز ومحل ہے۔ اور اسی کی انگیخت سے آدمی سے اچھے یا برے کام سرزد ہوتے ہیں۔ اگر دل نہ ہوتا تو پھر انسان انسان نہ ہوتا۔ اور اس کی عظمت کو سمجھنے کیلئے یہی حدیث قدسی کافی ہے کہ خدا فرماتا ہے۔ ''وما یسعنی ارضی ولا سمائی و یسعنی قلب عبدی المومن'' میری گنجائش نہ زمین میں ہے اور نہ آسمان میں۔ ہاں البتہ اگر میری سمائی ہے تو اپنے بندہ مومن کے دل میں (جواہر سنیہ)

کیونکہ وہ بقدر ظرف اللہ کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔ اس دل کی قلمرو پر خدائے قہار کی حکمرانی ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اسے الٹتا پلٹتا ہے۔ اگر بندہ کوشش کرے تو خدا اسے نور معرفت سے بھر دیتا ہے۔ اور اسے روشن کر دیتا ہے اور اگر بندہ نہ چاہے تو خدا اسکی ہدایت کے تمام چراغ بجھا دیتا ہے اور دل تیرہ وتار ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حکم ہے کہ ایمان کی سلامتی اور اس راہ میں ثابت قدمی کیلئے ہر نماز کے بعد کم از کم ایک دفعہ اس دعا کو پڑھا جائے۔

''یا اللہ یا رحمن یا رحیم یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك''

ہاں البتہ اس سلسلہ میں یہ بات ہمیشہ ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ اللہ کی توفیق اگر کسی بندہ کے شامل حال ہوتی ہے تو اس کے عمدہ اختیار کی وجہ سے اور اگر اس کی توفیق کسی بندہ سے سلب ہوتی ہے تو اس کے سوء اختیار کی وجہ سے۔

یہی آئین فطر ت ہے یہی قانون قدرت

۱۹۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً ...الآیة۔

گناہوں کے بعض مختلف اقسام کا بیان

قرآن وسنت کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ گناہ وعصیان کے متعدد انواع واقسام میں سے اثر وتاثیر کے اعتبار سے بڑی بڑی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جس کا اثر بدصرف گنہگار کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ کوئی اور شخص اس سے متاثر نہیں ہوتا اور دوسری قسم وہ ہے جس کا اثر صرف گنہگار کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ بہت سے دوسرے افراد کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اور اس فتنہ کی آگ جب بھڑک اٹھتی ہے۔ تو پھر وہ صرف انہیں لوگوں کو نہیں جلاتی جنہوں نے سلگائی تھی بلکہ سبھی اس کی لپیٹ میں آجاتے

ہیں۔ خدائے حکیم پہلی قسم کے گناہوں سے بچنے کا حکم دینے کے بعد اب دوسری قسم کے گناہ سے بچنے کا حکیمانہ حکم دے رہا ہے۔ کہ بچو اس فتنے سے جس کا اثر صرف ان لوگوں تک محدود نہیں رہے گا جنہوں نے تم میں سے وہ ظلم (گناہ) کیا ہوگا۔ بلکہ بہت سے ایسے لوگوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا جن کا دامن بظاہر اس گناہ کی آلودگی سے ملوث نہیں ہوگا اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ مال و جائداد بھی فتنہ ہے، اور دین و مذہب کے نام پر جنگ لڑنا بھی یعنی دین کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کو آپس میں لڑانا اور اپنی روٹی کمانا بھی فتنہ ہے۔ مگر یہاں کیا مراد ہے؟

اس میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں کئی چیزوں کے نام گنوائے ہیں۔ جیسے (الف) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ کرنا اور اسے ترک کر دینا۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ پہلے چند آدمی گناہ کرتے ہیں جس سے معاشرہ کا صالح ماحول کچھ متاثر ہوتا ہے اور اگر امر و نہی کر کے اس فتنہ کے سامنے بند نہ باندھا جائے۔ تو گناہ کی یہ غلاظت پھیلتے پھیلتے پورے معاشرہ کو گندگی کا ایک ڈھیر بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان گنہگاروں اور بدکاروں کی وجہ سے عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے تو وہ انہی گنہگاروں تک محدود نہیں رہتا جنہوں نے براہ راست اس جرم کا ارتکاب کیا ہوتا ہے بلکہ وہ ان تمام لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے جو ان بد کاروں کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ مگر ان کو روکتے ٹوکتے نہیں ہیں اور ان سے نفرت کرنے اور ان سے علیحدگی اختیار کرنے کی بجائے الٹا ان سے محبت و یگانگت کی پینگیں لڑاتے ہیں۔ جیسا کہ سابقہ امتوں کے قرآنی و تاریخی قصص و حکایات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہے۔

خیال رہے کہ اس طرح قرآنی فیصلہ کہ ''وَ لاَ تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی'' کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا (سورہ انعام...... ۱۶۴) کی خلاف ورزی بھی لازم نہیں آتی کیونکہ اس صورت میں امر و نہی کا فریضہ ترک کرنے کی وجہ سے پورا معاشرہ گنہگار قرار پاتا ہے۔ جس سے عام مسلمانوں کے نقصان و زیاں کے علاوہ اغیار کی نظروں میں اسلام بدنام ہو رہا ہے۔ اور آج غیر مسلم قومیں طنزیہ انداز میں مسلمانوں سے کہہ رہی ہیں۔

یہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا

مخفی نہ رہے کہ اس معنی میں فتنہ کی مذمت سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۱ میں بیان کی جا چکی ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

(ج)۔ ترک جہاد۔ کیونکہ جو قوم حقیقی جہاد چھوڑ دیتی ہے۔ وہ ذلیل و رسوا ہو جاتی ہے۔

(د)۔ میدان قتال و جدال سے راہ فرار اختیار کرنا جس کی سابقہ سطور میں قرآنی آیات کی روشنی میں

مذمت بیان کی جا چکی ہے۔ فراجع۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ تفسیر ابن جریر طبری کی بعض روایات سے واضح ہوتا ہے، کہ یہ آیت ان لوگوں پر منطبق ہوتی ہے۔ جنہوں نے جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کے خلاف حصہ لیا تھا۔ چنانچہ فاضل رازی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک بار زبیر حضرت رسول خداؐ سے محو گفتگو تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کا گزر ہوا۔ آنحضرتؐ نے زبیر سے پوچھا تم علی علیہ السلام سے کتنی محبت کرتے ہو؟ عرض کیا اپنی اولاد سے بھی زیادہ ان سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم ان کے خلاف جنگ لڑنے کیلئے جاؤ گے؟ (تفسیر کبیر)

زبیر بیان کرتے ہیں کہ مدتوں تک ہم یہ آیت پڑھتے رہے مگر پتہ نہ چلا کہ ہمیں لوگ اس سے مراد ہیں ہاں البتہ جنگ جمل کے بعد مجھے یہ احساس ہوا۔ (تفسیر طبری)۔

۲۰۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ ...الآية۔

اس آیت مبارکہ میں خدائے مہربان مسلمانوں کو ان کی ماضی والی قلت عددی، کمزوری و ناتوانی اور بےنوائی اور بےسروسامانی جس کا اوپر تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ اور پھر موجودہ مرفہ الحالی، فارغ البالی، اور قلبی سکون و اطمینانی کی نعمتوں کو یاد دلا کر بڑی حکمت عملی سے ان کو شکرانہ نعمت ادا کرنے اور اس کی عبادت واطاعت کرنے پر آمادہ فرما رہا ہے۔ لعلکم تشکرون۔ تاکہ تم شکر گزار بندے بنو۔ ظاہر ہے کہ اظہار تشکر نعمتوں میں اضافہ واز دیاد کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا کہ کفران سلب نعمت اور حرمان کا موجب ہوتا ہے ارشاد قدرت ہے!

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ"

آیات القرآن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ

لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو
الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ
يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ
الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! سمجھتے بوجھتے ہوئے اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو(۲۷)اور نہ ہی اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔اور جان لو۔کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد(تمہارے لئے)ایک آزمائش ہیں اور یہ بھی کہ اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے۔(۲۸)اے ایمان والو اگر تم تقوائے الٰہی اختیار کرو۔تو خدا تمہیں حق و باطل میں تفرقہ کرنے کی قوت وصلاحیت عطا فرمائے گا۔اور تمہاری برائیوں کو ڈھانپ لے گا(پردہ پوشی کرے گا)اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔اور اللہ بڑا فضل(وکرم)والا ہے(۲۹)اور(اے رسول)وہ وقت یاد کرو جب کافر آپ کے خلاف منصوبے بنا رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں۔یا قتل کریں۔یا شہر بدر کر دیں وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔(۳۰)

تفسیر الآیات

۲۱۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا ...الآیة۔

جانتے بوجھتے ہوئے خدا اور رسول سے خیانت نہ کرو یعنی خدا کے فرائض ترک کر کے خدا کے ساتھ خیانت نہ کرو اور رسول کی سنتیں ترک کر کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو۔بلکہ خدا اور رسول کے پسندیدہ دین اسلام کو قبول کرنے کی وجہ سے آپ پر جو فرائض اور انفرادی و اجتماعی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو ادا کرو۔اور اسلامی حدود و قیود کی پابندی کرو۔اور ان کے ادا کرنے میں خیانت مجرمانہ نہ کرو۔اور اپنی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو۔جن میں مالی امانتوں کے علاوہ وہ تمام ذمہ داریاں داخل ہیں جو کسی دین و مذہب کو اختیار کرنے سے عائد

ہوتی ہیں۔خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، مالی ہوں یا جانی، انفرادی عہد و پیمان سے متعلق ہوں یا جماعتی معاہد سے اور قومی اسرار و رموز ہوں یا شخصی منصب کی ذمہ داری جو کسی کو امین سمجھ کر سپرد کی جائے قبل ازیں تفسیر کی دوسری جلد میں سورہ نساء آیت نمبر ۵۸ (اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا) کی تفسیر میں امانت کے ادا کرنے کے وجوب ولزوم اور امانت میں خیانت کرنے کی حرمت پر سیر حاصل تبصرہ کیا جا چکا ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ ...الآیۃ۔ ۲۲

مال واولاد کے فتنہ ہونے کا مفہوم کیا ہے؟

فتنہ کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی آزمائش بھی ہے۔اور یہاں یہی معنی موزوں ہیں کہ آدمی کیلئے اس کا مال واولاد آزمائش کا ذریعہ ہیں۔یعنی یہی چیزیں آدمی کے درجات کی بلندی کا سبب بھی بن سکتی ہیں اور یہی چیزیں کسی انسان کی پستی کا باعث بھی قرار پا سکتی ہیں۔یہ بات واضح ہے کہ آدمی کو جس قدر خدا اور رسول سے زیادہ محبت ہوتی ہے اتنی ہی مال واولاد سے محبت کم ہوتی ہے اور جس قدر مال واولاد سے محبت زیادہ ہو اتنی ہی خدا اور رسول سے محبت کم ہوتی ہے۔مال واولاد سے محبت کا یہی افراط ہے جو آدمی کو بخل و بزدلی پر آمادہ کرتا ہے۔اور مالی وجانی حقوق کی ادائیگی سے مانع ہوتا ہے۔

بہر حال چونکہ مال واولاد پر فتنۃ کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے اسی لئے احادیث میں مطلق فتنہ سے پناہ مانگنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔بلکہ مضلات الفتن (گمراہ کرنے والے فتنوں) سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا۔چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

”لا یقولن احد کم اللھم انی اعذبك من الفتنة لا نه لیس احدالا وھو مشتمل علی فتنة ولکن من استعاذ فلیتعذ من مضلات الفتن“

تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔کیونکہ ہر شخص کسی نہ کسی فتنہ (ذریعہ آزمائش) میں تو گرفتار ہے۔ہاں البتہ جو شخص پناہ مانگنا چاہے تو وہ ان فتنوں سے پناہ مانگے جو آدمی کی گمراہی کا موجب بنتے ہیں (مجمع البیان)

بہر حال مال واولاد کے فتنہ سے بچنے یا بالفاظ دیگر اس آزمائش میں کامیاب ہونے کیلئے ضروری ہے کہ آدمی اس اجر عظیم کو یاد کرے جو خداوند کریم نے ان لوگوں کیلئے مہیا کر رکھا ہے۔جو مال واولاد کی محبت میں آ کر خدا اور

رسول سے بیوفائی نہیں کرتے۔ آیت کے آخری حصہ میں اسی حقیقت کی طرف بلیغ اشارہ ہے۔ وان اللہ عندہ اجر عظیم۔

مروی ہے کہ ایک بار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ کہ شہزادگان کونین امام حسن علیہ السلام و امام حسین علیہ السلام بچپن کے عالم میں سرخ رنگ کی قمیص پہنے ہوئے آپ کی طرف گرتے پڑتے آرہے تھے آنحضرتؐ یہ منظر دیکھ کر خطبہ چھوڑ کر منبر سے نیچے اتر آئے اور شہزادوں کو اٹھایا اور اپنے کاندھوں پر بٹھایا۔ اور پھر فرمایا خدا نے سچ فرمایا ہے کہ ''اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ''۔ (شہرابن آشوب)۔

۲۳۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا ...الآیۃ۔

متقیوں کے بعض انعامات کا تذکرہ

اس آیت شریفہ میں خدائے مہربان نے اپنے ان تین انعامات کا تذکرہ فرمایا جن سے وہ متقیوں اور پرہیزگاروں کو نوازتا ہے۔

۱۔ ان کو فرقان عطا فرماتا ہے۔

۲۔ دنیا میں ان کے گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے۔

۳۔ اوران کے گناہ معاف فرماتا ہے۔

فرقان سے کیا مراد ہے؟

مفسرین نے اس سلسلہ میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔ مگر جو قول سب سے عمدہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس سے وہ نور ہدایت اور وہ نور بصیرت مراد ہے جس سے ایک متقی حق و باطل اور صحیح وغلط میں بآسانی امتیاز کر لیتا ہے۔ فرقان فرق یفرق سے فرق کی طرح مصدر ہے جس کے معنی ہیں دو چیزوں میں فرق کرنے والا۔ اس بناء پر قرآن کو فرقان کہا گیا ہے۔ ''تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا''۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ پر فرقان نازل کیا جو کہ حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔ اور اسی بنا پر جنگ بدر کو یوم الفرقان کہا جاتا ہے۔ کہ اس نے اہل حق اور اہل باطل میں فرق واضح کر دیا ہے۔ بہرحال یہ صاحبان تقویٰ پر

پہلا انعام

ہے جو خداوند عالم ان کو صلہ میں دار دنیا میں عطا فرمایا ہے۔ ارشاد رسالت مآبؐ ہے: ''اتقوا

فراسة المومن فانه ینظر بنور الله۔

دوسرا انعام

عیبوں اور گناہوں پر پردہ ڈالنا۔ اس لئے یہاں تکفیر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جو کفر سے مشتق ہے۔ جس کے بارے میں صاحب لسان العرب لکھتے ہیں کہ اصل الکفر تغطیة الشئی۔ کسی چیز کو ڈھانپنا۔ تو گویا وہ دوسرا انعام جس سے خدا متقیوں کو نوازتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ان کے عیبوں اور گناہوں کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا دیتا ہے۔ تاکہ کسی کی ان پر نگاہ نہ پڑے اور وہ رسوا نہ ہو جائیں۔ التکفیر فی المعاصی کالاحباط فی الثواب۔ جس طرح بعض گناہوں کی وجہ سے نیکیاں حبط ہو جاتی ہیں اس طرح بعض نیکیوں کی وجہ سے گناہ حبط اور ملیامیٹ ہو جاتے ہیں۔

تیسرا انعام

بخشش گناہاں ہے۔ بتقاضائے بشریت اگر ان سے کچھ گناہ سرزد ہو جائیں تو وہ قیامت کے دن اپنے لطف و کرم سے وہ معاف کر دے گا اور ان پر عفو و صفح کا قلم پھیر دے گا۔ والله ذو الفضل العظیم۔

۲۴۔ وَاِذْ یَمْکُرُ بِكَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ...الآیة۔

دارالندوہ کی سازش کا تذکرہ

کفار مکہ کے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا عزائم تھے؟ اور خدا نے کس طرح ان کے عزائم کو خاک میں ملایا؟ اس آیت میں خداوند علام اس کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ اس کا مختصر سا پس منظر یہ ہے کہ جب نور اسلام پھیلتے پھیلتے مدینہ تک پہنچ گیا اور یثرب کے لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تو کفار مکہ کو فکر دامنگیر ہوئی کہ اب تک اسلام کا دائرہ تصرف مکہ تک محدود تھا۔ مگر اب جبکہ اسلام مدینہ تک پہنچ گیا ہے۔ اگر اسی طرح اور علاقوں میں اسلام پھیلتا رہا تو اس کا سدباب کرنا ہمارے لئے مشکل ہو جائے گا۔

لہٰذا سکے خاتمہ کیلئے فیصلہ کن اقدام کرنا چاہیے چنانچہ اس معاملہ پر غور و فکر کرنے کیلئے ارباب بست و کشاد کی دارالندوہ میں ایک اہم میٹنگ بلائی گئی۔ جس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سزا دینے اور ان کی شمع حیات کو گل کرنے اور ان کی دعوت کے سامنے بند باندھنے کے مختلف طریقوں پر غور و فکر کیا گیا جس میں ابوجہل، عروہ بن ہشام، ابو البجتری، نضر بن شیبہ، امیہ بن خلف اور ابوسفیان وغیرہ اکابر قریش نے شرکت کی۔ ابھی

اجلاس شروع ہی ہوا تھا کہ ابلیس لعین شیخ نجد کی صورت میں آ کر اس میں شامل ہو گیا۔ عروہ بن ہشام نے کہا انہیں گردش زمانہ کے حوالہ کر دیا جائے۔ یہ رائے نامنظور ہوئی، ابوالبختری نے کہا انہیں دیس سے نکال دیا جائے۔ ہم تو ان کے شر سے بچ جائیں گے۔ مگر یہ رائے بھی تسلیم نہ کی گئی۔ ان کو قید کر دیا جائے یہاں تک کہ زندان ہی میں جاں بحق ہو جائیں مگر اس رائے پر اتفاق نہ ہو سکا، ابوجہل نے کہا کہ تمام قبائل عرب سے ایک ایک بندہ لیا جائے اور ان کو قتل کر دیا جائے تا کہ بنی ہاشم تمام قبائل سے انتقام نہ لے سکیں۔ بالآخر اسی رائے پر اتفاق ہوا۔ اور بالخصوص شیخ نجد جو پہلی تجویزوں پر تنقید کے تیر چلا کر ان کو ناکام بنا تا رہا تھا اس تجویز پر بہت خوش ہوا۔ اور اس کی تائید مزید پر بتاریخ مقرر ہو گئی، وقت مقرر ہو گیا۔ ادھر خدا نے وحی کی ڈوری ہلائی اور اپنے محبوب کو کفار قریش کے اس ابلیسی منصوبہ سے آگاہ فرمایا۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اب مصلحت وقت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنے بستر پر علی علیہ السلام کو سلائیں اور کفار کی امانتیں ان کے حوالے کریں اور آپ راتوں رات مدینہ منورہ ہجرت کر جائیں۔ باوجودیکہ اس فیصلہ کے مطابق قریش کے جوانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ مگر آنحضرتؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بستر پر سلایا، خاک کی مٹھی بھری اور سورہ یٰس کی تلاوت کرتے ہوئے اور ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے درمیان سے صحیح سلامت باہر نکل گئے۔ مگر ان کی اس طرح بینائی سلب ہوئی اور اس طرح اونگھ آنے لگی۔ کہ ان کو احساس بھی نہ ہوا کہ کب آنحضرت وہاں سے نکل گئے ہیں۔ (تمام کتب تفسیر و تاریخ)

اس مطلب کو خالق اکبر نے یوں بیان کیا ہے کہ ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ انہوں نے منصوبہ بنایا اور خدا نے بھی منصوبہ بنایا۔ اور اللہ بہترین منصوبہ بنانے والا ہے۔ پھر ہوا وہی جو خدا چاہتا تھا۔ کیونکہ!۔

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

قبل ازیں تفسیر کی پہلی جلد میں سورہ آل عمران کی آیت ۵۴ ومکروا ومکر اللہ کی تفسیر میں مکر کی تشریح کر دی گئی ہے اور یہ کہ جب اس لفظ کی نسبت خدا کی طرف ہو تو اس کا کیا مفہوم ہوتا ہے۔ اس کی کما حقہ توضیح کی جا چکی ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

آیات القرآن

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۝۳۱ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا
هُوَالْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۝۳۲ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ
اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝۳۳ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ
يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا
الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝۳۴

ترجمۃ الآیات

اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہاں۔ہم نے سن لیا۔اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام پیش کر سکتے ہیں۔یہ نہیں ہیں مگر گزرے ہوئے لوگوں کی داستانیں۔(۳۱) (اے رسول) وہ وقت یاد کرو۔جب انہوں نے کہا۔اے اللہ! اگر یہ (اسلام) تیری طرف سے برحق ہے۔تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب لا۔(۳۲) اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر عذاب نازل کرے جبکہ آپ ان کے درمیان موجود ہیں اور اللہ ایسا بھی نہیں ہے کہ ان پر عذاب نازل کرے جبکہ وہ استغفار کر رہے ہیں۔(۳۳) لیکن اللہ کیوں نہ ان پر عذاب نازل کرے جبکہ وہ مسجد الحرام سے (مسلمانوں کو) روک رہے ہیں حالانکہ وہ اس کے متولی نہیں ہیں اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں۔لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے (۳۴)۔

تفسیر الآیات

۲۵۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ...الآية۔

کفار کا شیخی بگھیرنا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام پیش کر سکتے ہیں

ہم قبل ازیں سورہ انعام کی آیت نمبر ۹۴ (سانزل مثل ما انزل الله) کی تفسیر میں بھی واضح کر چکے ہیں اور یہاں ایک بار پھر واضح کرتے ہیں۔ کہ قرآن مجید فصاحت اور بلاغت اور دیگر بہت سے وجوہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ معجزۂ خالدہ ہے کہ دعویداران فصاحت و بلاغت کو مسلسل تازیانے لگانے کے باوجود کہ تم اس دعوے میں سچے ہو کہ۔ یہ قرآن خدا کا نہیں کسی بندہ کا کلام ہے تو اس جیسی کتاب لاؤ۔ اور اگر پوری کتاب نہیں لا سکتے تو اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر لاؤ۔ اور اگر ایسا بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم اس جیسی ایک سورہ ہی پیش کرو۔ مگر اس کے باوجود وہ لوگ لڑنے مرنے پر تو آمادہ ہو گئے۔ مگر قرآن جیسی ایک سورہ نہ لا سکے وہ لڑنا مرنا تو چاہتے ہیں مگر قرآن کا مثل لانا کیوں نہیں چاہتے؟ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ یہ فقرہ محض لاف زنی کی خاطر اور اپنی جھوٹی شیخی بگھیرنے کی خاطر کہتے تھے ورنہ ضمیر ان کا بھی مطمئن تھا کہ وہ اس جیسے کلام پر قادر نہیں ہیں۔ ہاں البتہ

دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام پیش کر سکتے ہیں۔

مگر عملی طور پر قرآن کا مثل لانا ان کے بس کا روگ نہیں ہے اور نہ ہی صبح قیامت کے طلوع ہونے تک کبھی ایسا کر سکیں گے انشاء اللہ۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔

۲۶۔ وَاِذْ قَالُوا اللّٰھُمَّ ...الآیۃ۔

بعض لوگوں کی کجروی کا تذکرہ

بعض لوگوں کا تعصب اور حق سے عناد اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ انکار کو اپنا شیوہ و شعار اور اپنے جھوٹے وقار کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ تو وہ دل و جان سے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ باطل پر ہیں اور ان کا حریف حق پر ہے مگر وہ اپنی انا کی تسکین کی خاطر ہلاک و برباد ہو جانا برداشت کر لیتے ہیں۔ مگر اپنے مدمقابل کی بات تسلیم کر کے اس کی برتری اور اپنی کمتری تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم، موسیٰ علیہ السلام و فرعون اور نوح علیہ السلام اور اس کی قوم وغیرہ اس امر کی زندہ مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ جب پیغمبر اسلامؐ نے قریش کو اسلام کی دعوت دی تو ان کا قومی تعصب اور حسد آڑے آ گیا۔ چنانچہ ابو جہل نے کہا ہم اور بنی ہاشم میدان کے دو گھوڑوں کی مانند برابر تھے۔ جنگ کرتے تو برابر، صلح کرتے تو برابر، آج وہ کہتے ہیں کہ ہم میں نبی ہے اگر بنی ہاشم میں نبی ہے تو بنی مخزوم میں کیوں نہیں ہے؟ ہم یہ امتیاز تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ پھر یہاں تک کہہ دیا۔ ''اللھم ان کان محمد امحقافی دعواہ فامطر علینا حجارۃ من السماء اواتنا

بعذاب الیم ‘‘ یا اللہ اگر محمدؐ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا۔ یا کوئی در دناک عذاب لا۔

اس طرح ابوجہل نے تمام کفار قریش کے دلی جذبات واحساسات کی ترجمانی کی ہے۔اس لئے خدا فرماتا ہے انہوں نے کہا۔ جبکہ یہ جملہ کہا ایک نے تھا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت محمد رسول اللہ اپنے دعویٰ میں سچے بھی تھے اور کفار جھوٹے بھی۔تو پھر ان پر عذاب کیوں نازل نہ ہوا اور خدا کا قہر وغضب کیوں جوش میں نہ آیا؟ اس سوال کا جواب، خدائے علیم وحکیم نے درج ذیل آیت میں دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۲۷۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ ...الآیۃ۔

اللہ کس طرح ان کو عذاب دیتا جب کہ آپؐ ان میں موجود ہیں اور اللہ کس طرح ان (بندوں) کو عذاب دے جبکہ وہ استغفار کریں۔(مغفرت طلب کریں)۔

سنت الٰہی یہ ہے کہ کسی نبی کی موجودگی میں وہ عذاب نازل نہیں کرتا

اس سے نیز دوسری آیات وروایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ نے یہ اپنی سنت مقرر فرمائی ہے۔ کہ جب تک کوئی نبی قوم میں موجود رہتا ہے تو خدا اس کے وجود کی برکت سے اس قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ ہاں البتہ جب کسی قوم کی شرارت اور سرکشی اس حد تک بڑھ جائے کہ نبی کے قتل کی منصوبہ بندی کرنے لگے اور اس پر ایمان لانے والوں پر عرصہ حیات تنگ کر دے یہاں تک کہ وہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو جائیں تو ان کی ہجرت کے بعد اگر اہل ایمان تعداد میں کم اور طاقت میں کمزور ہوں تو پھر خدا کفار پر عذاب نازل کر کے ان کے نجس وجود سے زمین کو پاک کر دیتا ہے۔ اور اگر اہل ایمان تعداد میں زیادہ اور قوت میں طاقتور ہوں تو ان میں قتال و جدال اور جہاد شروع ہو جاتا ہے۔ اور پھر ہمیشہ آخری فتح حق اور اہل حق کی ہوتی ہے’’ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ‘‘ اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسولؐ ہی غالب آئیں گے کیونکہ اللہ طاقتور بھی ہے اور غالب بھی (سورہ المجادلہ......۲۱)

’’قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا‘‘

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام کا باہمی امتیازی نشان

اس سلسلہ میں دوسرے انبیاء اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باہمی فرق یہ ہے کہ دوسرے انبیاء جب اپنی قوم سے باہر نکل جاتے تھے تو ان پر عذاب نازل ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ جناب نوح علیہ السلام، جناب لوط علیہ السلام

جناب صالح علیہ السلام اور جناب ہود علیہ السلام وغیرہ کے حالات و واقعات سے وضح ہے۔مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کائنات کے کسی گوشہ میں بھی موجود ہونا دنیا جہاں کیلئے عذاب کے نزول سے مانع ہے۔کیونکہ آپ کی نبوت ورسالت نہ صرف پورے عالم بلکہ پورے عالمین کیلئے ہے۔''وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ''(سورہ انبیاء......۱۰۷) لہٰذا آپ کہیں بھی موجود ہوں آپ کی قوم اور دوسرے لوگوں پر ہرگز عذاب نازل نہیں ہوسکتا۔وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَ اَنۡتَ فِيۡهِمۡ ۔

ایک سوال اوراس کا جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج جبکہ پیغمبر اسلامؐ کی وفات کو چودہ سو سال ہورہے ہیں۔اور آپ کی امت مجموعی طور پر برابر وہ تمام گناہ کررہی ہے جو مختلف امتیں ان میں سے صرف بعض گناہ کرتی تھیں تو ان پر عذاب نازل ہوجاتا تھا؟ تو اب کیوں عذاب نازل نہیں ہوتا جبکہ پیغمبر اسلامؐ دنیا میں موجود نہیں ہیں؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ گو اس وقت پیغمبر اسلامؐ تو بنفس نفیس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔مگر کوئی ایسی ہستی ضرور موجود ہے جو بمنزلہ نفس رسول ہے اور اسی سلسلہ جلیلہ کی گرانقدر کڑی ہے۔جو اگرچہ وہ پردہ غیب میں روپوش ہے مگر اس کے وجود ذیجود کی وجہ سے زمین وآسمان اپنے اپنے مرکز پر قائم ہیں۔اور مخلوق خدا عذاب خداوندی سے محفوظ ہے۔

قدم سے مہدی دیں گے زمین قائم ہے پانی پر
قرار کشتی دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **النجوم امان لا هل السماء واهلبيتى امان لا هل الارض فاذاذهبت النجوم اتى اهل السماء ما يكرهون واذا ذهب اهلبيتى اتى اهل الارض مايكرهون۔**(صواعق محرقہ۔ابن حجر مکی،علل الشرائع۔شیخ صدوق)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت باوجود گناہ کرنے کے اگر مخلوق خدا عذاب خدا سے محفوظ ہے تو یہ بارہویں لعل ولایت کے وجود ذی جود کی برکت ہے۔کہ **وبيمنه رزق الورىٰ۔ وبوجوده ثبتت الارض والسماء۔**(دعائے عدیلہ)

اور خدا کے عذاب کے نازل نہ ہونے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ بعض صالحین دعا و پکار اور توبہ واستغفار کرتے ہیں۔چنانچہ خدا فرماتا ہے''وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمۡ وَ هُمۡ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ''اللہ کس طرح بندوں کو عذاب دے جب کہ وہ استغفار کرتے ہیں۔

حضرت امیر علیہ السلام سے فرماتے ہیں۔''**كان فى الارض امانان من عذاب الله وقد**

رفع احدھما فدونکم الآخر فتمسکو ابہ'' زمین میں خدا کے عذاب سے بچنے کی دو امانیں تھیں ان میں ایک کو تو اٹھا لیا گیا۔ اب دوسری امان (استغفار) کو لازم پکڑو۔ اور اس سے تمسک کرو۔ پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی (مجمع البیان) کذا عن الباقر علیہ السلام۔ (تفسیر نور الثقلین)۔

عبداللہ بن محمد جعفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام باقر علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرما رہے تھے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور استغفار عذاب خدا سے بچنے کے دو (۲) محکم قلعے تھے۔ تو بڑا قلعہ تو رخصت ہو گیا۔ اور (دوسرا قلعہ) یعنی استغفار باقی ہے پس استغفار زیادہ پڑھا کرو کیونکہ یہ گناہوں کو مٹانے والی ہے (تفسیر عیاشی، نور الثقلین)

فاضل مفسر شیخ محمد جواد مغنیہ کا استغفار سے اسلام مراد لینا عقل کو اپیل نہیں کرتا بالخصوص جبکہ وارثان قرآن کے فرمان سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ تردید ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر والی حدیثوں سے ظاہر ہے۔ لہٰذا جب تک گنہگار گناہ کر کے توبہ واستغفار کرتے رہیں گے۔ خداوند عالم اپنے وعدہ کے مطابق ان پر اپنا عذاب نازل نہیں کرے گا۔

۲۸۔ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ...الآیۃ۔

کیا وجہ ہے کہ اب خدا انہیں عذاب نہ دے حالانکہ یہ لوگ مسلمانوں کو مسجد الحرام میں عبادت کرنے سے روکتے ہیں؟ اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ چونکہ وہ خانہ خدا کے متولی ہیں۔ لہٰذا ان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مشرکوں کو ۳۶۰ بتوں کی پرستش کی اجازت دیں مگر معبود برحق کی عبادت سے اس کے عبادت گزاروں کو منع کریں۔ اب اللہ ان کو عذاب کیوں نہ دے جبکہ عذاب کے دونوں مانع اب رفع ہو گئے ہیں۔ نہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں موجود ہیں اور نہ ہی استغفار کرنے والے مسلمان۔ جبکہ ان کے جرائم میں مزید اضافہ ہو گیا ہے کہ وہ مسجد الحرام میں عبادت خدا سے روکتے ہیں۔

چنانچہ خدائے جبار قہار نے ان کو جنگ بدر اور فتح مکہ کے موقع پر عذاب دیا اور صنادید عرب اور اکابر قریش جنہوں نے بانی اسلام اور مسلمانوں کو سخت اذیتیں دی تھیں۔ جیسے ابوجہل، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث امیہ بن خلف وغیرہ کو عبرتناک ذلت ورسوائی سے دوچار کیا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں یہ شبہ کیا جا سکتا ہے (بلکہ کیا جاتا ہے) کہ سابقہ آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگرچہ یہ لوگ اسلام

قرآن کی مخالفت کی وجہ سے خدا کے عذاب کے مستوجب ہو چکے ہیں۔ مگر پیغمبر رحمت کے وجود ذی جود کی برکت سے اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا۔ اور یہاں ان لوگوں کو نہ صرف عذاب کی دھمکی دی جا رہی ہے بلکہ وہ عذاب جنگ بدر اور فتح کے موقع پر ان پر نازل بھی کیا گیا۔ اور صنادید عرب اور اکابر قریش کو تہس نہس کر دیا گیا۔ تو اس شبہ کا ازالہ با آسانی یوں کیا جا سکتا ہے۔ کہ عذاب کی دو قسمیں۔

۱۔ ایک عمومی اور استیصالی عذاب کہ جب نازل ہو تو کسی پوری قوم کو اس طرح اپنی لپیٹ میں لے لے۔ کہ کوئی شخص بھی زندہ نہ بچے جسطرح پہلی امتوں پر نازل ہوتا تھا۔

۲۔ دوسرا خصوصی عذاب جو کسی خاص قوم وملت پر نازل ہوا اور دوسرے عام افراد اس سے محفوظ رہیں لہٰذا وہ عذاب رسول رحمت کی رحمۃ للعالمین کی وجہ سے امت پر نازل نہیں ہو سکتا۔

اس سے عذاب کی پہلی قسم یعنی عمومی اور استیصالی عذاب مراد ہے کہ آنحضرت کی امت مرحومہ جس قدر بھی گناہ وعصیاں کرے۔ اس پر ایسا عذاب کبھی نازل نہیں ہوگا جو سابقہ امتوں کی طرح ساری امت کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ باقی رہا دوسری قسم کا خصوصی عذاب تو وقتاً فوقتاً مختلف قسم کے افراد وآحاد پر مختلف شکلوں میں نازل ہوتا رہتا ہے کبھی سیف وسنان کی شکل میں کبھی فلڈ وسیلاب کی شکل میں اور کبھی زلزلہ وآندھی کی صورت میں۔

اس شبہ کا دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جو عذاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی وجہ سے نازل نہیں ہو سکتا ہے۔ اس سے مراد دنیا کا عذاب اور جو نازل ہو سکتا ہے اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے بنا بریں اس عذاب سے مراد جس کی کفار کو دھمکی دی جا رہی ہے آخرت کا عذاب ہے کہ اگر تم آنحضرت کی برکت سے دنیا کے عذاب سے بچ بھی گئے تو آخرت کے عذاب سے بچنے کی تو کوئی بھی تدبیر نہیں ہے۔ **والاول اظہر۔**

۲۹۔ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ...الآیۃ۔

باقی رہا ان کا یہ خیال کہ چونکہ وہ خانہ خدا کے متولی ہیں لہٰذا ان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ جس کو چاہیں اجازت دیں اور جسے چاہیں اجازت نہ دیں خدا ان کی غلط فہمی کو اس طرح دور کر رہا ہے کہ مسجد خانہ خدا کے متولی متقی و پرہیزگار لوگ ہوتے ہیں۔ تا کہ اس کے نظام کو اس کی منشاء کے مطابق چلائیں۔ نہ کہ خائن وغدار وکفار واشرار جو کہ خدا کے بندوں کو خدا کے گھر میں خدا کی عبادت سے روکیں اور اپنے کفر وشرک کی وجہ سے اسے نجس کریں۔ حالانکہ مسجد کے بنانے کی غرض وغایت ہی یہی ہے کہ اس میں خدا کی عبادت کی جائے ارشاد قدرت ہے:

''وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُه'' اور جو لوگ اس مقصد کے حصول میں رکاوٹ ڈالیں ان کو اس پر مسلط رہنے کا کوئی حق نہیں ہے (سورہ بقرہ...... ۱۱۴)۔

ایضاح

اگر چہ آیت مبارکہ کا موضوع سخن تو خصوصی طور پر مسجد الحرام کی تولیت کے بارے میں ہے مگر بموجب اینکہ الاعتبار بعموم الوارد لا بخصوص المورد۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مساجد و معابد اور دینی مدارس اور دوسرے مقدس مقامات و مشاہد کے متولیوں میں ایمان اور تقویٰ شرط ہے کیونکہ ان مقامات کے تقدس کا تقاضا یہی ہے۔ لہٰذا جو متقی نہیں ہے وہ عبادت گاہوں کی تولیت کا حقدار نہیں ہے مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ اکثر و بیشتر ہوتا یہ ہے کہ ایسے مقدس مقامات کی تولیت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو تقویٰ کی صفت جلیلہ سے عاری ہوتے ہیں۔ اور خدا ور رسولؐ اور مستحقین کے مال کو خورد برد کرنے کے بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ والی اللہ المشتکی۔ ہر قسم کی خرابی کی جڑ یہ ہے کہ ولکن لا یعلمون۔ کہ ان لوگوں کو یہ تو یاد رہا ہے کہ وہ خلیل و اسماعیلؑ کی اولاد سے ہیں۔ مگر یہ بات بھلا بیٹھے کہ ان داعیان حق کی دعوت کیا تھی؟ اور خانہ کعبہ کی تعمیر کس اعلیٰ وارفع مقصد کیلئے ہوئی تھی؟ اور بحیثیت اولاد ابراہیم ہونے کے ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ (تدبر قرآن)

آیات القرآن

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ
اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ
عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ
يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ
عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ
وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور خانہ کعبہ کے پاس ان کی نماز نہیں تھی۔ مگر سیٹیاں اور تالیاں بجانا۔ سو اب عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ تمہارے کفر کی باداش ہے جو تم کیا کرتے تھے (۳۵) بے شک جو لوگ کافر ہیں وہ اس لئے اپنے مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکیں یہ آئندہ بھی اس طرح خرچ کریں گے اور پھر انجام کار یہ (مال خرچ کرنا) ان کیلئے حسرت اور پچھتاوے کا باعث بن جائے گا۔ اور بالآخر وہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اور جو کافر ہیں وہ گھیر گھار کر جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے۔ (۳۶) اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ اللہ ناپاک (لوگوں) کو پاک لوگوں سے جدا کر دے اور جو ناپاک ہیں ان کو ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ رکھ کر ڈھیر بنائے اور پھر اس سارے ڈھیر کو جہنم میں جھونک دے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خسارہ (نقصان) اٹھانے والے ہیں (۳۷) (اے رسول) کافروں سے کہہ دو کہ اگر وہ اب بھی (شرارت سے) باز آجائیں۔ تو جو کچھ گزر چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ اپنی سابقہ روش کا اعادہ کریں گے تو پھر گزشتہ (نافرمان) قوموں کے ساتھ (خدا کی روش) بھی گزر چکی ہے (ان کے ساتھ بھی وہی ہوگا)۔ (۳۸)

تفسیر الآیات

۳۰۔ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ ... الآية۔

کفار کی خودساختہ نماز کا منظر؟

خانہ کعبہ کے ان خودساختہ متولیوں کی جہالت کی مثال پیش کی جارہی ہے۔ کہ جس چیز کا نام انہوں نے نماز وعبادت رکھا ہوا تھا۔ وہ چند ایسے افعال وحرکات تھے جو عام انسانی سطح سے بھی گرے ہوئے تھے۔ وہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اور پھر ستم بالائے ستم یہ تھا کہ وہ سب کچھ بقول ابن عباسؓ بالکل مادرزاد ننگے ہوکر کرتے تھے۔ (مجمع البیان، قرطبی)۔

بھلا اس مسخرہ پن، شور وغل اور لہو ولعب کو نماز سے کیا تعلق؟ عبادت سے کیا واسطہ؟ ان افعال کی

ظاہری حیثیت ہی یہ معلوم کرنے کیلئے کافی ہے کہ ان خرافات کو دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ شیطانی بدعات و ایجادات ہیں ان میں عبادت و بندگی کوئی جھلکی بھی نہیں ہے۔ ان حرکات میں نہ ذکر خدا کا نام ہے اور نہ عجز وخلوص کا کوئی نشان ہے۔ اور ہر من گھڑت اور خود ساختہ طریقہء عبادت کی یہی شان ہے کہ اس میں اور تو سب کچھ ہوتا ہے۔ مگر روح عبادت نہیں ہوتی ہے۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔

بہر حال تمہارے کفر وشرک اور اس خود ساختہ عبادت کا انجام یہی ہے کہ اب اللہ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ اس عذاب سے کیا مراد ہے؟ اس سے دنیوی عذاب بھی مراد ہوسکتا ہے۔ جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے ان پر نازل ہوا۔ اور عذاب آخرت بھی مراد ہوسکتا ہے۔ (مجمع البیان)۔

۳۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... الآية۔

کفار ومشرکین کے مالی انفاق کا تذکرہ اور اس کا انجام

خداوند عالم نے ان لوگوں کی بدنی احمقانہ عبادت کا تذکرہ کرنے کے بعد اب ان کی مالی احمقانہ عبادت کا ذکر شروع کیا ہے کہ یہ لوگ اپنا مال خرچ کرتے ہیں، بڑی دریا دلی سے اپنی دولت لٹواتے ہیں۔ مگر اعلاء کلمہ حق کیلئے نہیں کسی مسکین ومحتاج کی ضروریات زندگی پورا کرنے کیلئے نہیں کسی بلند اور عظیم نصب العین کیلئے نہیں بلکہ ان کی یہ ساری فیاضی اور دریا دلی اللہ کے بندوں کو اللہ کی راہ یعنی اسلام سے روکنے کیلئے ہے۔ اور یہ لوگ آئندہ بھی سی طرح خرچ کریں گے۔

لیکن ان تمام فیاضیوں اور زر پاشیوں کا انجام حسرت وندامت اور پچھتاوئے کے سوا کوئی اور نہیں ہوگا۔ اور پھر مغلوب بھی ہوں گے۔ جیسا کہ غزوہ بدر اور فتح مکہ میں ان کا انجام ہوا۔ جسے فتح کرنے کیلئے ان لوگوں نے یہ تمام تگ وتاز اور کدو کاوش کی تھی۔

لیکن اس تمام کاروائی کا کوئی اچھا نتیجہ نہ نکلا اور انجام کار کف افسوس ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور اسی پر بس نہیں یہ کافر انجام کار دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔ لہٰذا آخری فتح وفیروزی حق اور اہل حق کی ہوگی اور ان بدنصیبوں کو دنیا میں حسرت وندامت اور آخرت میں عذاب وعقاب کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ وذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔

۳۲۔ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْث ...الآية۔

مذکورہ بالا کاروائی کا نتیجہ؟

کفار ومشرکین نے اپنا بہت سا حرام وناپاک مال کلمہء حق کو مٹانے کیلئے خرچ کیا اور مسلمانوں نے اپنی زر قلیل اعلاء کلمہٴ حق کی خاطر خرچ کی۔ اور پھر ان کی باہمی جنگ ہوئی اس کا کم از کم نتیجہ یہ نکلا کہ طیب یعنی مومن الگ ہوئے اور خبیث یعنی کافر الگ ہوئے اور انجام کار مومن جنت الفردوس میں داخل کئے جائیں گے اور کافروں کو تہ بہ تہ ڈھیر کر کے اور جہنم کا ایندھن بنا کے لکڑیوں کی گھٹڑی کی طرح جہنم میں جھونک دے جائیں گے۔ ''وَ اَمَّا الۡقٰسِطُوۡنَ فَكَانُوۡا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا''۔ (سورہ جن......۱۵)

۳۳۔ ''اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ''

یہی لوگ ہیں نقصان وزیاں اٹھانے والے کہ بے دریغ مال ومنال بھی خرچ کیا۔ مگر نتیجہ دنیا میں ذلت آمیز شکست اور اس پر افسوس اور آخرت میں کوڑے کرکٹ کے انبار کی طرح جہنم میں جھونکے جانے کے سوا کوئی اور نہ نکلا۔

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ اگرچہ حسب ظاہر تو اس آیت کا مصداق مکہ کے کفار قریش ہیں مگر تنقیح مناط کے اعتبار سے اس میں وہ تمام باطل نواز لوگ داخل ہیں جو مختلف حیلوں بہانوں سے لوگوں کو حق کے راستہ سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں کبھی صدقہ وخیرات کے نام سے لاکھوں روپے غریبوں، مسکینوں پر صرف کرتے ہیں۔ کبھی ایسے ہسپتال کھلواتے ہیں جن میں مفت علاج معالجہ کی سہولت میسر ہوتی ہے اور کبھی علم کو عام کرنے کا اظہار کر کے مدرسے سے جاری کراتے ہیں۔ اور نونہالاں ملت کو اپنی غلط تعلیم کے زہریلے ٹیکے لگا کر اور اس طرح سادہ لوح مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے ان کے دین وایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ اللہ اپنے دین کا آپ محافظ ہے چنانچہ مشاہدہ شاہد ہے کہ ایسے لوگ بے پناہ دولت خرچ کرنے کے باوجود اپنے مذموم عزائم میں کامیاب نہیں ہوتے۔

۳۴۔ قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا ...الآیۃ۔

اس آیت میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ وہ کفار کو ترغیب دیں کہ اگر وہ جہنم کے مذکورہ بالا عذاب وعقاب سے بچنا چاہتے ہیں ابھی وقت ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے اپنے کفر وشرک سے باز آجائیں اور کلمہء اسلام پڑھ کے اسلام کی پناہ گاہ میں داخل ہو جائیں۔ لان الاسلام یجب ما قبلہ۔ اسلام پہلے

گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

لیکن رغبت دلانے کے بعد دھمکی دی جا رہی ہے کہ اگر انہوں نے اپنی سابقہ روش و رفتار کا اعادہ کیا اور اپنے کرتوتوں اور اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو پھر گزشتہ امتوں کے ساتھ جو کچھ ہو چکا وہ بھی اسی نتیجہ سے دو چار ہوں گے۔ یہ قوم عاد و ثمود اور قوم لوط وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جن کی ہلاکت و بربادی کی داستان خونچکان سورہ اعراف میں گزر چکی ہے۔ اور اس میں بہت سا سامان عبرت موجود ہے۔ مگر دیدہ بینا اور گوش شنوا رکھنے والوں کے لئے۔

دیدہ کو ر کو کیا نظر آئے کیا دیکھے؟

آیات القرآن

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

ترجمۃ الآیات

(اے مسلمانو)۔ ان (کفار) سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ و فساد ختم ہو جائے اور دین پورے کا پورا صرف اللہ کیلئے ہو جائے پھر اگر وہ (کفر و فتنہ پردازی سے) باز آ جائیں تو وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (۳۹) تو پھر جان لو کہ اللہ تمہارا سر پرست و کارساز ہے وہ کیا ہی اچھا سر پرست ہے اور کیا ہی اچھا یار و مددگار ہے۔ (۴۰)

تفسیر الآیات

۳۵۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى... الایۃ۔

اسلامی جہاد کی غرض و غایت اور اس کا فلسفہ

یہ وہی آیت ہے جو سورہ بقرہ میں نمبر ۱۹۳ میں گزر چکی ہے۔ اور تفسیر کی پہلی جلد میں اسی جگہ اس کی تفسیر

گزر چکی ہے اس مقام پر ہم واضح کر آئے ہیں کہ اسلام امن وآشتی، صلح وصفائی، محبت و پیار واخوت و ہمدردی کا دین ہے یہ لڑائی بھڑائی، جنگ وجدال اور قتل وقتال اور فتنہ وفساد اور بغض وعناد کا دین نہیں ہے۔ مگر اسلام بامر مجبوری تین مقامات پر ہتھیار اٹھانے اور لڑنے مرنے کی اجازت دیتا ہے۔

۱۔ جان، ایمان، مال اور اپنی عرض وناموس کی حفاظت کیلئے جب دشمن حملہ آور ہو۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ''اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ''

۲۔ باغیوں کی سرکوبی کیلئے اور آتش فتنہ وفساد کو بجھانے اور فرو کرنے کیلئے ارشاد ربانی ہے۔ ''وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ''(سورہ حجرات......۹)

۳۔ کفر وشرک کو بیخ وبن سے اکھیڑنے اور دین اسلام کو ادیان عالم پر غالب کرنے کیلئے چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ ''قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ''(سورہ توبہ......۲۹)

اور اس آیت میں بھی یہی حقیقت بیان کی گئی ہے اس موضوع کی باقی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات مذکورہ بالا مقام کی طرف رجوع کریں۔

انکشاف حقیقت

الغرض حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ اس وقت تک جہاد جاری رکھا جائے جب تمام کائنات دین حق پر مجتمع نہ ہو جائے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا تا حال اس آیت کی تاویل ظاہر نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کی تاویل اس وقت ظاہر ہوئی۔ جب ہمارے قائم آل محمد عجل اللہ ظہور فرمائیں گے جو ان کے زمانہ کو پائے گا وہ بچشم خود دیکھے گا کہ دین حق تمام کائنات تک پھیل جائے گا۔ اور تمام روئے زمین پر کوئی کافر ومشرک باقی نہیں رہ جائے گا۔ ارشاد قدرت ہے۔ ''يَعْبُدُوْنَنِیْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِیْ شَيْئًا ''لوگ میری عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہیں بنائیں گے (سورہ نور......۵۵)۔

۳۶۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا...الآیۃ۔

اس آیت کے مطالب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کفار اپنے کفر سے باز آجائیں۔ اور اپنی اصلاح احوال کر لیں۔ تو خدائے مہربان ان کی سابقہ غلطیاں معاف کر دے گا۔ وہ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے ان کے مطابق ان سے سلوک کرے گا ان کے خلاف جہاد بند کر دیا جائے گا اور اگر وہ باز نہ آئیں اور (حق سے) روگردانی کریں تو

پھر بموجب۔

ہر چہ باداباد ماکشتی درآب اندا ختیم

مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کے خلاف جہاد کریں اللہ ان کا حاکم وسرپرست اور حامی و مددگار ہے۔ وہ ان کی سرپرستی اور مدد فرمائے گا۔ کیونکہ وہ بہترین سرپرست اور بہترین مددگار ہے۔ ''وما النصر الامن عند الله '' فتح ونصرت یقینا خدا کی طرف سے ہے۔ اس کا دارومدار لڑنے والوں کی کثرت وقلت یا سامان حرب وضرب کی فراوانی یا بے سروسامانی پر نہیں ہے۔ بلکہ خدا کے فضل وکرم اور اس کی تائید غیبی پر ہے جس کا بچشم خود غزوہ بدر اور دوسرے اسلامی غزوات میں تم مشاہدہ کر چکے ہو۔ تو جس رب العزت نے وہاں اپنی شان وشوکت اور قدرت وطاقت دکھائی ہے آئندہ بھی وہی قادر مطلق اپنی توفیق اور اپنی فتح ونصرت اہل ایمان کے شامل حال کرے گا۔

ان الله مولا کم اور بھلا جس کا مولی وحاکم اور حامی ومددگار پروردگار ہوا سے دنیا وآخرت میں ھم و غم کیا ہے اور دنیا ودین کے دشمنوں سے خوف وخطر کیا ہے۔

نعم المولیٰ و نعم النصیر

والحمد لله رب العالمین۔

وانا الاحقر محمد حسین النجفی بقلمہ

۴۔ اگست ۲۰۰۱ء مطابق ۱۳ جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ